

طرق العشق كلها آداب
عشق کے تمام راستے آداب ہی ہیں۔



ادبوا النفس إنها الأصحاب
اپنے دوستوں، اپنے آپ کو ادب کھاؤ

بیا ادب بیا صبر

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی عظیم

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-041-618003

مکتبۃ الفقیر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِأَدَبٍ بِالضُّبِّ

مؤلف

محبوب العلماء و الصالحين

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

مجددی ظہیم

ناشر

مکتبہ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-041-2618003

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	باادب بانصیب
مؤلف	حضرت مولانا محمد رفیع الرحمن
ناشر	مکتبہ اہل بیت
اشاعت اول	اکتوبر 1998ء
اشاعت دوم	جون 1999ء
اشاعت سوم	جنوری 2000ء
اشاعت چہارم	نومبر 2000ء
اشاعت پنجم	اگست 2001ء
اشاعت ششم	اپریل 2002ء
اشاعت ہفتم	مارچ 2003ء
اشاعت ہشتم	ستمبر 2003ء
اشاعت نہم	مارچ 2004ء
اشاعت دہم	ستمبر 2004ء
اشاعت گیارہ	نومبر 2004ء
اشاعت بارہ	جون 2005ء
اشاعت تیرد	جنوری 2006ء
اشاعت چودہ	اپریل 2006ء
اشاعت پندرہ	اکتوبر 2006ء
اشاعت سولہ	فروری 2007ء
اشاعت سترہ	جون 2007ء
اشاعت اٹھارہ	جنوری 2008ء
اشاعت انیس	اپریل 2008ء
اشاعت بیس	اگست 2008ء
اشاعت ایکس	فروری 2009ء
اشاعت بائیس	مئی 2009ء

لَيْسَ الْفَخْرُ بِالْمَالِ وَالنَّسَبِ
إِنَّمَا الْفَخْرُ بِالْعِلْمِ وَالْأَدَبِ

مال و نسب سے فضیلت نہیں ہوتی
فضیلت تو علم و ادب سے ہوتی ہے

ادب کی وضو سے روشن زندگی ہے	ادب گل ہے تو گلشن زندگی ہے
ادب سے زندگی جدا کیونکر ہو	ادب چولی ہے دامن زندگی ہے
ہے ایسا ساتھ ان دونوں کا گویا	ادب دل ہے تو دھڑکن زندگی ہے

(حضرت نثار احمد فتحیؒ)

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات
11	پیش لفظ.....
15	دیباچہ.....
17	باب 1 ادب کی اہمیت
19	ادب اکابرین کی نظر میں.....
21	ادب شعراء کی نظر میں.....
23	باب 2 بارگاہ الوہیت کا ادب
24	قرآن مجید سے مثالیں.....
24	حضرت نوح علیہ السلام کی مثالیں.....
26	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال.....
27	حضرت ایوب علیہ السلام کی مثال.....
28	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال.....
28	حضرت خضر علیہ السلام کی مثال.....
29	حضرت یونس علیہ السلام کی مثال.....
30	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال.....
31	حضرت محمد ﷺ کی مثال.....

باب 3

بارگاہ رسالت ﷺ کا ادب

35

38

43

57

65

68

باب 4

شعائر اللہ کا ادب

75

76

76

78

78

80

81

83

85

86

87

..... قرآن مجید سے مثالیں

..... صحابہ کرامؓ کے واقعات

..... وصال مبارک کے بعد ادب نبوی ﷺ

..... حدیث نبوی ﷺ کا ادب

..... تعلیم حدیث میں سلف صالحین کے چند واقعات

..... قرآن مجید کے آداب

..... قرآن مجید کو چھونے کے آداب

..... تلاوت قرآن کے آداب

..... آداب ظاہری

..... آداب باطنی

..... تلاوت قرآن سننے کے آداب

..... قرآن مجید کی بے ادبی کی مختلف صورتیں

..... سلف صالحین اور قرآن مجید کا ادب

..... بیت اللہ شریف کا ادب

..... بیت اللہ شریف کی بے ادبی کی مختلف صورتیں

باب 5

والدین کا ادب

89

90

90

90

91

99

102

107

109

111

112

116

120

125

127

129

131

132

136

تورات میں حکم الہی

انجیل میں حکم الہی

انبیائے سابقین کے حالات

قرآن مجید میں حکم الہی

ایک دلچسپ اور نصیحت آموز واقعہ

والدین کے ادب کے ثمرات

والدین کا ادب اور نقوش اسلاف

خلاصہء کلام

باب 6

طلباء کیلئے آداب

(۱) اخلاص نیت

(۲) اپنے نفس کو بری صفات اور نا پسندیدہ عادات سے پاک کرے

(۳) اساتذہ کا ادب و احترام اپنے اوپر لازم سمجھے

(۴) اپنے استاد کی خدمت کو اپنے لئے فلاح دارین کا ذریعہ سمجھے

(۵) دینی کتابوں کا ادب و احترام کرے

(۶) اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے حقوق کا خیال رکھے

(۷) حصول علم کے لئے خوب محنت کرے اور اوقات کو ضائع نہ کرے

مطالعہ

سبق کی پابندی

- 138 تکرار اور مذاکرہ
- 140 (۸) طالب علم کو علم کا حریص ہونا چاہئے
- 142 (۹) طلب علم میں جو دشواریاں آئیں انہیں بخوشی برداشت کرے
- 144 (۱۰) زمانہء طالب علمی میں کسی شیخ کامل سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر لے

باب 7

آداب المعلمین

- 145 (۱) علم سکھانے میں اجرت کا خواہاں نہ ہو
- 145 (۲) شاگردوں پر شفقت کرے اور انہیں اپنے بیٹوں کے برابر جانے
- 150 (۳) طلبہ کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے
- 152 (۴) سبق کا ناغہ نہ کرے
- 156 (۵) شاگرد کو اخلاق حمیدہ کی بھی تلقین کرے
- 161 (۶) شاگرد کے وقت کے مناسب اسباق کی ترتیب بنائے
- 164 (۷) دوسرے علوم و فنون اور ساتھ کی برائی نہ کرے
- 164 (۸) ایسی تقریر نہ کرے جو طالب علم کے علم و فہم سے بالاتر ہو
- 164 (۹) اگر کوئی شاگرد دوسرے استاد یا دوسرے مدرسے میں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس میں اس کا فائدہ ہو تو اجازت دے دے
- 166 (۱۰) طلبہ سے ذاتی خدمت لینے میں احتیاط کرے
- 166 (۱۱) اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرے
- 168

باب 8

راہ سلوک کے آداب

- 171 مشائخ عظام کے آداب
- 172

عنوانات

صفحہ نمبر

184 پیر بھائیوں کے آداب

191 طریقت کے آداب

باب 9

اداب السادات

197

197 کتاب و سنت سے دلائل

199 صحابہ کرامؓ اور سادات کا ادب

205 سلف صالحین اور سادات کا ادب

باب 10

اداب معاشرت

209

212 آداب طعام

214 خلیفہ منصور کا حکیمانہ جواب

215 حلال غذا اور اسکے آداب

216 کھانے پینے کے آداب

230 مہمان نوازی کے آداب

236 رزق کا ادب

240 آداب لباس

245 سلف صالحین کے اقوال

248 آداب ملاقات

252 آداب مجلس

255 آداب گفتگو

260 چلنے پھرنے کے آداب

263 آداب سفر

- 267 آداب خواب
- 270 چھینک اور جمائی کے آداب
- 271 طہارت کے آداب
- 276 عورتوں کیلئے مخصوص آداب
- 277 متفرق آداب

باب 11

اختلاف کے آداب

- 279 اختلاف کا کوئی راز
- 280 اختلاف مقبول کے فوائد
- 281 اختلاف صحابہ اور اس کے آداب
- 283 عہد صحابہ "میں اجتماعی اختلاف رائے کی مثالیں
- 283 انفرادی اختلاف کی چند مثالیں
- 284 حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کے علمی اختلافات
- 285 حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کے درمیان الفت و محبت
- 285 حضرت عمر ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے اختلافات
- 286 حضرت عمر ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی باہمی محبت
- 288 عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت زید بن ثابت ؓ کا اختلاف
- 288 حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت زید بن ثابت ؓ میں باہمی محبت
- 289 حضرت علی ؓ اور حضرت طلحہ ؓ کا اختلاف
- 289 دونوں حضرات کی باہمی محبت
- 290 حضرت علی ؓ اور حضرت امیر معاویہ ؓ کا اختلاف
- 290 دونوں حضرات کا باہمی تعلق
- 291

صفحہ نمبر	عنوانات
292	دور صحابہ رضی اللہ عنہم اور دور تابعین میں اسباب اختلاف.....
293	اختلاف ائمہ کرام اور اس کے آداب.....
294	اختلاف کی چند مثالیں.....
294	ائمہ کرام میں محبت و احترام کی مثالیں.....
296	امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک.....
297	امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ.....
299	سلف صالحین کا محتاط رویہ.....
300	چوتھی صدی ہجری کے بعد کی حالت.....
301	تقلید کی ضرورت و اہمیت.....
302	ماضی قریب کے حالات و واقعات.....
305	دور حاضر کا اختلاف.....
306	(۱) دنیا دار طبقہ.....
307	(۲) عام دیندار طبقہ.....
308	(۳) علمائے کرام.....
309	غیر مقلد حضرات.....
310	اہل بدعت حضرات.....
311	اہل حق حضرات.....
312	صوفیائے کرام.....
312	اہل سیاست علماء.....
314	دور حاضر میں یورپی اقوام کا کردار.....
315	آداب اختلاف (اصول و ضوابط).....



آجکل کے مشینی دور کا عام انسان خود بھی ایک مشین کی طرح زندگی گزار رہا ہے۔ کام کاج کی زیادتی اور معاشی و معاشرتی پریشانیوں نے اسے خوب الجھا رکھا ہے۔ پر آسائش زندگیوں کے باوجود اسے وسائل اور اطمینان قلب کی کمی کا شکوہ رہتا ہے۔ ایک طرف مادی ترقی نے اسے اپنی ذات کے خول میں بند کر دیا ہے دوسری طرف سائنسی علوم نے عقل کو اس قدر مسحور کر رکھا ہے کہ دینی علوم کی اہمیت دلوں سے نکلتی جا رہی ہے۔ اپنی زبان سے ”دین و دنیا برابر“ کا نعرہ لگانے والے بھی عملاً دنیا دارانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ رسم و رواج ٹوٹنے پر تڑپتے ہیں اور سنت نبوی ﷺ کے چھوٹنے پر ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ مسلمان نوجوان فرنگی تہذیب کے اس قدر دلدادہ بن چکے ہیں کہ لباس و طعام اور نشست و برخاست میں فرنگی طور طریقوں کو اپنانا روشن خیالی کی علامت سمجھتے ہیں۔ کفر و الحاد نے

مسلمان معاشرے پر اپنے مکروہ سائے ڈالنے شروع کر دیئے ہیں۔ جبکہ جدید تعلیم نے جلتی پرتیل کا کام کر دیا ہے بقول اکبر الہ بادی:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے
لب خنداں سے نکل جاتی ہنے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا پتہ تھا کہ چلا آئیگا الحاد بھی ساتھ

آجکل کے مسلمان بچے ماں باپ کی گود سے ہی انگریزی زبان کے الفاظ اس طرح سیکھ رہے ہیں جس طرح ماضی میں کلمہ طیبہ اور قرآن کی آیتیں سیکھا کرتے تھے۔ جب بچے کی اٹھان ہی ایسی ہو تو کیا گلہ اور کیا شکوہ کہ بچہ بڑا ہو کر ماں باپ کا نافرمان بنتا ہے۔

ۛ طفل سے ہو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ ڈبوں کا ہے اور تعلیم ہے سرکار کی

بعض عورتوں کا تو یہ نظریہ ہوتا ہے کہ بچہ بڑا ہو کر خود بخود سنورا جائے گا۔ لہذا بچے کی بری حرکات و سکنات دیکھ کر خود تھوڑا بہت ڈانٹ لیتی ہیں باپ کو روک ٹوک نہیں کرنے دیتیں۔ حالانکہ بچپن کی بگڑی عادتیں جوانی میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ بچہ سیال فولاد کی طرح بچپن میں جس سانچے میں ڈھل جائے ساری عمر اسی طرح رہتا ہے۔ رہتی سہتی کسر کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم پورا کر دیتی ہے جس سے نوجوان طبقہ ”مان کر چلنے“ کی بجائے ”منوا کر چلنے“ کا عادی ہو جاتا ہے۔ اب اگر انہیں روک ٹوک کی جائے تو یہ ماں کو دقیا نوسی سمجھتے ہیں اور باپ سے یوں نفرت کرتے ہیں جیسے باپ سے نفرت کی جاتی ہے۔

۷ ہم ایسی سب کتابیں قابل خطی سمجھتے ہیں جن کو پڑھ کر بچے باپ کو خطی سمجھتے ہیں

اکثر نو جوان جب یونیورسٹیوں کی تعلیم پا کر نکلتے ہیں تو دین کے ہر مسئلے کو عقل کی ترازو پر تولنا ان کا محبوب مشغلہ بن چکا ہوتا ہے۔ پھر اگر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بیرون ملک جانے کا موقع مل جائے تو عموماً "ظلمات بعضہا فوق بعض" (اندھیرے در اندھیرے) والا معاملہ ہو جاتا ہے۔ ایسے حضرات کو اپنی اصلاح کی بجائے دین کی اصلاح کی فکر زیادہ ہوتی ہے۔ میاں بیوی خود دین کے مطابق ڈھلنے کی بجائے دین کو اپنی مرضی و سہولت کے مطابق ڈھالتے رہتے ہیں۔

۸ خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں انہیں غصہ نہیں آتا انہیں غیرت نہیں آتی

دین کی سچی محبت رکھنے والے حضرات کیلئے لمحہ فکریہ ہے کہ انکی اولاد کی اچھی تربیت کیسے ہو؟ جن گھروں میں اولاد کی تربیت کے لئے کوششیں ہو بھی رہی ہیں وہاں خاطر خواہ نتائج مرتب نہیں ہو رہے۔ انہیں بھی علمی تعاون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ ایک ایسی کتاب ترتیب دی جائے جو آداب زندگی سے بھری ہوئی ہو۔ جسکا مطالعہ دوسری کئی کتابوں سے بے نیاز کر دے۔ ممکن ہے کہ وہ تعلیمی اداروں کے نصاب میں شامل کر لی جائے۔

اس کتاب کا اکثر مواد عزیزی عزیزم محمد حنیف صاحب آف باغ نے اکٹھا کیا ہے ان کی شانہ روز کوششوں سے ہی اس کتاب کی تالیف مکمل ہو سکی ہے۔ فقیر تمام معاونین کے لئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی محبت عطا فرما کر ماسوا کی گرفتاری سے نجات عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے
 کیسے دنیا بھر کے ہو جائیں حسیں میرے لئے
 اب تو ذوق حسن اپنا یوں کہے ہو کر بلند
 حسن اوروں کے لئے حسن آفرین میرے لئے

- ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم و تب علینا انک انت
 الثواب الرحیم و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا
 محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

فقیر پر تقصیر

ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
 کان اللہ له عوضاً عن کل شئی
 22 اکتوبر 1998 (جمعرات)

دیباچہ

یہ تصنیف لطیف - عمدۃ المحققین - زبدۃ العارفین - مرشد السالکین حضرت حافظ ذوالفقار احمد مدظلہ العالی کے دست فیض گستر کا شاہکار ہے۔ حضرت محترم چونکہ خود سراپا آداب اسلامی کا مرقع اور شرافت انسانی کا مجسمہ ہیں۔ لہذا انکی دلی تمنا ہے کہ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان گوہر آداب آدمیت سے مرقع ہو۔ تجلی شرف انسانیت سے متحلی اور متجلی ہو۔ کیونکہ جس انسان میں آداب و اکرام کا جوہر نہ ہو تو وہ انسان نما نہ انسان مطلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم لوگ آج کے ترقی و عروج کے دور میں بھی حیوانی صفات کو اپنائے ہوئے ہیں۔ جانوروں کی طرح چل پھر کر کھائیں گے۔ گدھوں کی طرح سربازار کھڑے کھڑے پیشاب کریں گے۔ نہ نجاست سے بچاؤ کا کوئی خیال، نہ غلاظت سے نفرت کا کوئی جذبہ، نہ حیا، نہ اخلاقی اقدار سے کوئی انس۔ بس دنیا کے دھندے، پیٹ کے بندے، فطرت کے گندے، باطن کے درندے، فضائل انسانی سے عاری، فضائل آدمیت سے تہی۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

گر قوت آدمی انسان بدے

گاؤ خر از آدمی بہتر شدے

گر بصورت آدمی انسان بدے

احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ و بوجہل ہم یکساں بدے

یعنی اگر طاقتور چیز کا نام انسان ہوتا تو گائے۔ گدھے وغیرہ میں طاقت زیادہ ہوتی ہے لہذا انسان سے بہتر ہوتے اور اگر صورت و شکل کا نام انسان ہوتا تو احمد مجتبیٰ رحمۃ اللہ علیہ اور ابوجہل لعین برابر کے انسان مئے جاتے۔ حالانکہ

حضرت والا شان نے انسانی زندگی کے لئے جن آداب کی اشد ضرورت تھی۔ اس تالیف میں ذکر فرمادئے ہیں۔ اگر کتاب میں کہیں کہیں تکرار ہے تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ لقمے کو جس قدر چبایا جائے وہ زود ہضم بن کر موجب قوت بنتا ہے۔ اور جس اہم بات کو ذہن نشین کرانا ہوتا ہے اسے بھی استاد بار بار دہراتا ہے اور شاگرد کو بھی رننے کی تاکید کرتا ہے۔ تاکہ سبق دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ شاید الحمد شریف کا ہر رکعت میں پڑھنا اسی لئے لازم قرار پایا ہوتا کہ یہ خلاصہ قرآن مومن کے قلب کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جائے۔ سو تو یہ تکرار بھی اسی مقصد اور اسی غرض سے ہے۔ سالکین طریقت کے لئے یہ کتاب حصول فیض ربانی اور کمالات انسانی کے لئے ایک مرشد کا کام دے سکتی ہے۔ اگر خلوص اور حصول برکت و فیض کی غرض سے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

میرے۔ حضرت مکرم کا قلم گوہر رقم صفحہ قرطاس پر شہد معرفت کے قطرے گراتا رہتا ہے۔ جن سے اطفال طریقت مستفیض ہو کر اپنے تشنہ قلوب کو سیراب کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ اطفال طریقت بالغان معرفت بن جاتے ہیں۔ کسی نے حضرت لقمان علیہ السلام سے پوچھا کہ انسان کس وقت بالغ ہوتا ہے۔ فرمایا دو طرح سے۔ "اول اینکه چوں منی از مرد بیروں آید و دوم اینکه مرد از منی بیروں آید" یعنی ایک یہ کہ مرد سے "منی" باہر آئے اور دوسرا یہ کہ مرد "منی" (میں۔ انا) سے باہر آئے۔ تو حضرت والا کی تمام تصانیف کا نچوڑ یہی ہے کہ مرد "منی" سے باہر آ جائے۔ تاکہ من عرف نفسه فقد عرف ربه کا مصداق بن جائے۔ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت اور تصوف اسی وصف کے متقاضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

الحمد للہ کہ حضرت کی تمام تصانیف کے مسودات پر (نظر ثانی کیلئے) اس عاجز کو

باب نمبر 1

ادب کی اہمیت

انسانی زندگی کے شب و روز کے اعمال مثلاً رہن سہن، میل جول اور لین دین کے عمدہ اصول و ضوابط کو آداب کہا جاتا ہے۔ ان آداب کی پابندی سے ہی انسان تہذیب یافتہ اور شائستہ لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ اگر معاشرے کا ہر فرد آداب زندگی کو ملحوظ رکھے تو دوسرے آدمیوں کو زیادہ آرام پہنچا سکتا ہے اور ان کی تکلیف دنا گواری کا باعث نہیں بنتا۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ غیر مسلم اقوام نے مذہب ایک جگہ سے لیا اور آداب دوسری جگہ سے لئے۔ مثلاً نصاریٰ نے مذہب انجیل سے حاصل کیا مگر آداب معاشرت روم اور یونان سے حاصل کئے۔ جبکہ اسلام ایسا کامل و مکمل دین ہے کہ اس نے ایمان، عبادات، اخلاق اور آداب کے لئے سیرت نبوی ﷺ کو سرچشمہ اور ماخذ قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام وحشی سے وحشی قوموں کے پاس قرآن اور اپنے پیغمبر ﷺ کا فرمان لے کر گیا اور ان کو چند روز میں مہذب اور شائستہ بنا دیا۔

دور حاضر کے اکثر مسلمانوں نے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور زندگی گزارنے کے دوسرے طریقوں میں کفار و مشرکین کو اپنا امام و پیشوا بنا رکھا ہے۔ ان خدا

فراموش انسانوں کا جو بھی طریقہ سامنے آتا ہے اسے لپک کر قبول کر لینے ہیں اور بڑے فخر کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ایمان تو لائیں محمد عربی ﷺ پر اور طور طریقے پسند کریں لمحہ دوں اور نصرا نیوں کے۔

ناطقہ سر بگربیاں ہے اسے کیا کہئے

۱۔ اپنے آقا ﷺ کی اتباع کرنے میں خفت محسوس کرنا احساس کمتری اور سراسر بیوقوفی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے آقا ﷺ کی سنتوں پر مر مٹیں..... اہل دنیا کی نظروں میں باعزت ہونے کے خیال سے آخرت کی رفعت و عظمت کو نہ بھولیں۔ آخرت کی ذلت و رسوائی بہت بڑی اور بہت بری ہے۔ بعض لوگ آداب کو اچھا تو سمجھتے ہیں لیکن اہم نہیں سمجھتے۔ یہ بڑی نادانی ہے۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے۔

اَذْبَنِي رَبِّيْ فَآخَسَنَ تَاَذِيْبِيْ

[مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہترین ادب سکھایا]

پس ہر مومن کو چاہئے کہ آداب زندگی سے اپنے اعمال کو زینت بخشے۔ یاد رکھیں کہ جو عمل بھی آداب سے خالی ہوگا وہ درحقیقت حسن و جمال سے خالی ہوگا لہذا بارگاہ الہی میں ناپسندیدہ ہوگا۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ

[اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے]

قرآن مجید میں موت و حیات کی تخلیق کی غرض یوں بیان کی گئی ہے کہ

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْتُكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

(الملک: ۲)

marfat.com

سے حسین تر ہے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اعمال کی کثرت کی بہ نسبت اعمال کا حسن زیادہ محبوب ہے۔ پس مومن کو چاہئے کہ ہر عمل میں آداب کی رعایت ملحوظ رکھے۔ ایک روایت میں ہے۔

الَّذِينَ كُلُّهُ أَدَبٌ. (دین سراسر ادب ہے)

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جس کو ادب کی توفیق نصیب ہوئی اسے سعادت ملی اور جو ادب سے محروم ہوا اسے شقاوت ملی۔ گویا با ادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب۔ علمائے امت نے اہمیت ادب کے عنوان پر اس قدر خوبصورت باتیں کہی ہیں کہ ان میں بعض تو ضرب الامثال کا درجہ پا چکی ہیں۔

مثلاً

الْأَدَبُ جُنَّةٌ لِلنَّاسِ (ادب انسانوں کے لئے ڈھال ہے)

لَا مِيرَاثَ كَمَا لِأَدَبٍ (ادب جیسی کوئی میراث نہیں ہے)

ادب اکابرین کی نظر میں:

ادب کی اہمیت سے متعلق اکابرین امت کے چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

✽... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”پہلے ادب سیکھو پھر علم سیکھو“

✽... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہر شے کی کوئی قیمت ہوتی ہے انسان کی قیمت اس کا علم و ادب ہے۔

✽... حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

میرے پاس ایسے شخص کا ذکر آئے جسے اولین و آخرین کا علم ہو مگر وہ

آداب نفس سے کورا ہو تو مجھے اس کی ملاقات میسر نہ ہونے پر کبھی افسوس نہیں ہوتا اور جب کبھی سننے میں آتا ہے کہ فلاں شخص آداب نفس کا حامل ہے تو اس کی ملاقات نصیب نہ ہونے پر افسوس ہوتا ہے۔

❖ حضرت محمد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ہم کثرت حدیث کی بہ نسبت ادب کے زیادہ محتاج ہیں

❖ فتیہ ابوالیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

اسلام کے پانچ قلعے ہیں۔ پہلا یقین، دوسرا اخلاص، تیسرا فرائض، چوتھا تکمیل سنن پانچواں حفظ آداب۔ جب تک آدمی آداب کی مخالفت و غمراہی کرتا رہتا ہے شیطان اس سے مایوس رہتا ہے اور جب یہ آداب چھوڑنے لگتا ہے تو شیطان سنتیں چھڑوانے کی فکر میں لگ جاتا ہے حتیٰ کہ پھر فرائض اخلاص اور یقین تک نوبت جا پہنچتی ہے۔

❖ حضرت ابو عبد اللہ ثنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

آداب نفس کا ماحصل آرا علم کے حصول سے زیادہ اہم ہے۔

❖ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

بے ادب خالق و مخلوق دونوں کا معتب و مغضوب ہوتا ہے۔

❖..... حضرت علی جویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب کشف المحجوب میں لکھتے

ہیں:

تارک ادب اخلاق محمدی ﷺ سے بہت دور ہوتا ہے۔

❖..... حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبد اللہ بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا:

يَا بُنَيَّ اجْعَلْ عَمَلَكَ مِلْحًا وَ اَذْبَكَ ذَقِيقًا. اَيُّ اسْتَكْبَرُ

مِنَ الْاَذْبِ حَتَّى تَكُونَ نِسْبَةُ الذَّقِيقِ اِلَى الْمِلْحِ

[اے بیٹے اپنے عمل کو نمک بنا اور ادب کو آٹا بنا۔ یعنی ادب میں اضافہ کر حتیٰ کہ کثرت عمل و ادب کی نسبت نمک اور آٹے جیسی ہو جائے]

ادب شعراء کی نظر میں:

اہمیت ادب کے عنوان پر دنیا کی مختلف زبانوں میں اشعار کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ یہاں پر شتے نمونہ از خروارے کے طور پر عربی فارسی اور اردو زبان کا ایک ایک شعر درج کیا جاتا ہے۔

اَذْبُوا النِّفْسَ اِيْهَا الْاَصْحَابُ

طَرُقِ الْعَشَقِ كُلُّهَا آدَابُ

(اے دوستو! اپنے آپ کو آداب سکھاؤ اسلئے کہ عشق کے سب طریقے ادب ہی ادب ہیں)

ۛ خموش اے دل بھری محفل میں چلا نا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں اس لئے کہ بے ادب اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے محروم رہتا ہے۔



باب نمبر 2

بارگاہ الوہیت کا ادب

سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ہر تعریف اور ہر عبادت اسی کو زیبا ہے اور ہر قولی و فعلی ادب اسی کی جناب کے لائق ہے۔ اس کی دو بنیادی وجوہ ہیں۔

① اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں یکتا اور تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ تاریخ انسانیت اس پر گواہ ہے کہ اس دنیا میں جس قدر اللہ تعالیٰ کو چاہا گیا۔ جس قدر اس سے محبت کی گئی، جس قدر اسے یاد کیا گیا، جس قدر اس پر جان و مال نچھاور کیا گیا۔ تنہائیوں میں بیٹھ کر جس قدر اسے پکارا گیا اور جس قدر اس کے سامنے فریادیں کی گئیں کائنات میں کوئی دوسرا اس کے ہم پایہ نہ پایا گیا۔ پس سب عظمتوں اور بلندیوں کی معراج اور محبتوں اور چاہتوں کی انتہا اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اس کی جناب میں ہر قولی و فعلی ادب کا لحاظ رکھے۔

② یہ فطری تقاضا ہے کہ اپنے محسن و مربی کا ادب و لحاظ بہر آں و بہر شان ملحوظ رکھا جائے۔ انسان اگر غور کرے تو اپنا انک ایک اللہ تعالیٰ کے احسانات میں ڈوبا ہوا پائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ عزت نہ دے تو انسان ذلیل و خوار، وہ محنت نہ دے تو

انسان بیمار و ناچار، وہ عقل نہ دے تو انسان دیوانہ، و سماعت نہ دے تو انسان بہرا، وہ گویائی نہ دے تو انسان گونگا، وہ بینائی نہ دے تو انسان اندھا، پس اللہ تعالیٰ ہی محسن حقیقی ہے۔ جبین نیاز بھی اسی کے آگے جھکے اور ہر ادب بھی اسی کی چوکھٹ پر نچھاور کیا جائے۔ جن مقدس ہستیوں کو معرفت الہی نصیب ہوئی ان کی زندگی کا ہر گوشہ ادب کے عطر سے معطر نظر آیا۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن مجید سے مثالیں

① حضرت نوح علیہ السلام کی مثالیں:

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو راہ ہدایت پر لانے کیلئے ساڑھے نو سو سال کوشش کی مگر قوم نوح اپنی ضلالت و گمراہی اور بے ادبی و شقاوت پر ڈٹی رہی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

إِنَّهُمْ كَانُوا أَقْوَمًا عَمِينَ (بے شک وہ اندھی قوم تھی)

ایک مرتبہ اپنی قوم کی ہٹ دھرمی اور ایذا رسانی سے دلبرداشتہ ہو کر حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَيَّ الْأَرْضَ مِنَ الْكَافِرِينَ ذِيَارًا (نوح: ۲۶)

(اے پروردگار! زمین پر کافروں کا کوئی بھی گھر سلامت نہ رکھ)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر علیہ السلام کی دعا قبول فرماتے ہوئے وحی نازل فرمائی کہ آپ کشتی بنالیں عنقریب طوفان آئے گا۔ آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو بچالیا جائے گا اور کفار کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کشتی بنائی اور لوگوں کو اس میں سوار کر لیا۔ آپ کا ایک بیٹا نافرمان نکلا اور اس نے کشتی پر سوار ہونے سے انکار کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بار بار سمجھایا مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا حتیٰ کہ طوفان میں غرق ہو گیا۔ شفقت پدیری نے جوش مارا تو حضرت نوح نے دعا کی

رَبِّ اِنَّ اِبْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ
الْحَاكِمِيْنَ (ہود: ۴۵)

[اے میرے پروردگار میرا بیٹا میرے اہل خانہ سے ہے بیشک تیرا وعدہ سچا اور تو بڑا حاکم ہے]

اس دعا کا ایک ایک لفظ بارگاہ الوہیت کے ادب کی روشن مثال ہے۔ غور فرمائیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ نہیں کہا ”اے اللہ! میرا بیٹا غرق ہو گیا اور تیرا وعدہ پورا نہیں ہوا“۔ تاہم ارشاد باری تعالیٰ ہوا

يَا نُوحُ اِنَّهُ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْتَلْنِيْ مَا
لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اِنِّيْ اَعْطُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ

[اے نوح! وہ آپ کے اہل خانہ میں سے نہیں۔ اس کے اعمال ناشائستہ تھے۔ جس کی حقیقت تمہیں معلوم نہیں اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں نہ ہو جاؤ] (ہود: ۴۶)

حضرت نوح علیہ السلام اس تنبیہ خداوندی پر تھر تھرا اٹھے اور یہ کہنے لگے:

رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهِ عِلْمٌ وَاِلَّا
تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ اَكُنْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (ہود: ۴۷)

[اے پروردگار! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا سوال

کروں جس کی حقیقت مجھے نہیں معلوم۔ اگر آپ مجھے نہ بخشیں اور رحم نہ فرمائیں تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا [علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں یوں لکھتے ہیں

”حضرت نوح علیہ السلام کا نپ اٹھے اور توبہ کی۔ یوں نہ کہا کہ پھر ایسا نہ کروں گا کہ اس میں دعویٰ نکلتا ہے۔ بندے کو کیا مقدور ہے۔ چاہئے کہ اس کی پناہ مانگے کہ مجھ سے پھر ایسا نہ ہو اور نہ کرنے کا دل میں عزم رکھے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ کے جو الفاظ قرآن میں نقل ہوئے ہیں ان میں بھی ایسی ادب ملحوظ ہے“

② حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بت پرست قوم کو توحید کا درس دیا اور اپنے پروردگار کا تعارف ان سے ان الفاظ سے کروایا۔

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۝ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (الشعرا: ۷۹، ۸۰)

[وہ رب جس نے مجھے پیدا کیا وہی میری رہنمائی کرنے والا ہے اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے]

سبحان اللہ.... اس کلام میں کتنی لطافت ہے کہ صفات (پیدا کرنا، ہدایت دینا، کھلانا، پلانا اور شفاء دینا) کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرار دیا اور بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا۔ گو کہ بیماری بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتی ہے مگر بادی النظر میں بیماری کو عیب سمجھا جاتا ہے لہذا بیماری کا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب

کرنا ادب کے خلاف تھا۔ لہذا یوں نہ کہا ”جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے“ بلاشبہ یہ کلام الہی اور ادب الہی کی بہترین مثال ہے۔

③ حضرت ایوب علیہ السلام کی مثال:

حضرت ایوب علیہ السلام کو ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے ہر لحاظ سے دنیا کی آسودہ حالی عطا فرمائی تھی۔ رزق کی فراخی اس قدر کہ تین ہزار اونٹ، تین ہزار گھوڑے، ایک ہزار بکریاں، پانچ سو حشم و خدم اور پھلوں کے بہت بڑے باغات عطا کئے۔ اس پر مزید یہ کہ اولاد صالح اور نیک سیرت و خوبصورت بیوی عطا کی۔ مشیت الہی سے حضرت ایوب علیہ السلام پر آزمائش کا دور شروع ہوا تو باغات جل گئے، مویشی مر گئے، اولاد مکان کے حادثے میں ہلاک ہو گئی۔ شدید قسم کے بدنی امراض نے آن گھیرا۔ حضرت ایوب علیہ السلام صبر و شکر کا مجسمہ بن گئے۔ ایک موقع پر ان الفاظ میں دعا کی

وَ اَيُّوبُ اِذْ نَادٰى رَبَّهُ . اِنِّىْ مُسِيْبُ الضَّرِّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ
الرَّاحِمِيْنَ ۝

[اے پروردگار! میں تکلیف میں مبتلا ہوں اور تو ہی سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے] (الانبیاء: ۸۳)

اس دعا میں عجز و نیاز کا عجیب انداز ہے۔ اِگر اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ وَ اَشْفِنِیْ (اے اللہ مجھے عافیت بخش اور شفا عطا کر) کے الفاظ سے دعا کرتے تو بھی جائز ہوتا مگر شان عبودیت ادب کے متقاضی تھی پس آپ نے صبر اور ادب کا ایسا حسین امتزاج پیش فرمایا کہ پروردگار کی طرف سے پیغام آیا۔

اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوْابٌ ۝ (ص: ۴۳)

ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا۔ کتنا ہی اچھا بڑہ تھا۔ وہ ہماری ہی طرف رجوع کرنے والا تھا]

اللہ رب العزت نے تین الفاظ ”ابرار“ ”نعم العبد“ اور ”اواب“ کے ذریعے حضرت ایوب علیہ السلام کی عزت افزائی فرمائی۔ قیامت تک ہر مومن تلاوت کے ۱۰۰۰ مندرجہ بالا الفاظ سے ادب الہی پر ملنے والے اجر کو یاد کرتا رہے گا۔

[۴] حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال:

تاریخ الرسل والملوک میں درج ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مسلسل سات دن اور راتیں سفر کرنے کے بعد مدین پہنچے تو سخت تھکاوٹ اور بھوک کی حالت میں یوں دعا کی۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرِ فَقِیْرٌ (القصاص: ۲۴)

(اے پروردگار تو جو بھی خیر نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا اَللّٰهُمَّ اطْعَمْنِیْ (اے اللہ مجھے کھانا کھلا) کی صورت میں پیش کرتے تو بھی محتاج نہ تھی مگر آپ نے ایسے الفاظ سے دعا مانگی جو ادب بارگاہ الہی کی بہترین مثال ہے۔

[۵] حضرت خضر علیہ السلام کی مثال:

سورۃ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے اکٹھا سفر کرنے کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ دوران سفر حضرت خضر علیہ السلام نے ایک کشتی میں سوراخ کر دیا۔ پوچھنے پر فرمایا۔

فَاَرَدْتُ اَنْ اَعِیْبَهَا (الکہف: ۷۹)

(سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں)

آگے چل کر دو قیموں کے مکان کی خستہ دیوار کو نئے سرے سے تعمیر کر دیا۔ پوچھنے پر فرمایا۔

فَازَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا

[آپ کے پروردگار نے یہ دونوں جوان ہو کر اپنے خزانے کو نکالیں] (الکہف: ۸۲)

اگرچہ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ دونوں کام مشیت الہی سے کئے تھے لیکن ادب کی ابتداء کیجئے کہ جس کام میں شر تھا یعنی کشتی میں سوراخ کرنا اسے أَنْ أَعْيَبَهَا کے الفاظ سے اپنی طرف منسوب کیا اور جس کام میں خیر تھی یعنی دیوار بنانا اسے فَازَادَ رَبُّكَ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔

۶ حضرت یونس علیہ السلام کی مثال:

حضرت یونس علیہ السلام پر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آئی اور وہ مچھلی کے پیٹ میں گرفتار ہوئے تو انہوں نے ہمد عجز و نیاز بارگاہ الوہیت میں اپنی فریاد درج ذیل الفاظ میں پیش کی۔

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

[اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو بے عیب ہے، بے شک میں ہی

تھا (اپنی جان پر) ظلم کرنے والوں میں سے] (الانبیاء: ۸۷)

قرآن مجید کی آیات گواہی دے رہی ہیں کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام اس طرح ادب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَوْ لَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ۝ لَلَبْتُ فِيهِ بِطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝

(اگر وہ اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان نہ کرتے تو روزِ محشر تک پھلی کے پیٹ

میں ہی رہتے) (الصافات: ۱۳۳-۱۳۴)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رب کائنات کی بارگاہ میں عجز و ادب سے جو بھی فریاد پیش کی جائے گی شرف قبولیت پائے گی۔ آج بھی اکثر اہل اللہ مصیبت زدگان کو اس آیت کریمہ کا ورد بتاتے ہیں۔ رنج و آلام کے دفعیہ کیلئے یہ آیت کریمہ اکسیر اعظم ہے۔

⑦ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال:

اللہ رب العزت قیامت کے دن عیسائیوں سے پوچھے گا کہ تم نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو شریک کیوں بنایا؟ نصاریٰ غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہیں گے کہ انہوں نے ہی ہمیں یہ کہا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے۔

أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ

[کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے ساتھ

شریک بنا لو] (مائدہ: ۱۱۶)

صاف ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پوچھیں گے اَنْتَ قُلْتَ (کیا تم نے کہا تھا) تو اس کا عام جواب یہی ہے کہ لَمْ أَقُلْهُ (میں نے نہیں کہا) مگر ایسا جواب ادب کے منافی ہے لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام منفی انداز کی بجائے مثبت انداز میں یوں جواب دیں گے۔

إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۖ تَعَلَّمْ مَا فِيَّ نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي

نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (مائدہ: ۱۱۶)

[اگر میں نے ایسا کہا ہو گے تو آپ کو معلوم ہوگا۔ (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے آپ اسے جانتے ہیں اور جو آپ کے ضمیر میں ہے میں اسے نہیں جانتا، بے شک تو علام الغیوب ہے]

جب نصاریٰ کا جھوٹ واضح ہو جائے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی گنہگار امت کی بخشش کیلئے یہ نہیں کہیں گے کہ لَا تُعَذِّبُهُمْ (انہیں عذاب نہ دے) کیونکہ ایسا کہنا آداب خداوندی کے خلاف ہے۔ لہذا اپنی درخواست یوں پیش کریں گے
 اِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَلَا تُغْفِرُ لَهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرَ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (مائدہ: ۱۱۸)

[اگر انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے]

8 حضرت محمد ﷺ کی مثال:

نبی اکرم ﷺ جب معراج کے وقت بارگاہ الوہیت میں مقام ”تَدَلَّی“ تک پہنچے تو اس قدر باادب اور باوقار کہ رب کائنات نے خود گواہی دی۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى (نہ نگاہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی) (النجم: ۱۸)۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

”یعنی آنکھ نے جو دیکھا پورے ممکن و اتقان سے دیکھا۔ نہ نگاہ (ادب کی وجہ سے) ترچھی نیز مٹی ہو کر دائیں بائیں ہٹی نہ حد سے تجاوز کر کے آگے بڑھی۔ بس اس چیز پر جمی رہی جس کا دکھانا مقصود تھا۔ بادشاہوں کے دربار میں جو چیز دکھائی جائے اسے نہ دیکھنا اور جو چیز نہ دکھائی جائے اس کو تا کتنا دونوں عیب (بے ادبی) ہیں۔ آپ ﷺ دونوں

سے پاک تھے“

حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ولی کامل اور بادشاہ وقت تھے۔ ان کا نہایت محبوب وزیر ایاز ایک مرتبہ دربار میں حاضر تھا۔ اچانک اسے وہم گزرا کہ گریبان کا بٹن جلدی کی وجہ سے کھلا رہ گیا ہے۔ چونکہ یہ بات دربار شاہی کے آداب کے خلاف تھی لہذا فوراً اس کا ہاتھ بٹن درست کرنے کے لئے اٹھ گیا عین اسی وقت سلطان محمود غزنوی کی نظر ایاز پر پڑی تو فرمایا ایاز اور یہ حرکت؟ ایاز ساکت و صامت با ادب نفس گم کردہ کھڑا رہ گیا۔ یہ تو ایک مخلوق بادشاہ کے دربار کا حال ہے۔ پھر اس احکم الحاکمین کے دربار عالی کا تقاضا ہی یہ تھا کہ نبی اکرم اس ادب سے حاضر ہوتے جس کی تصویر کشی رب کائنات مَازَاغُ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کیا الفاظ سے کی۔ باقی اعضاء کی حرکت کا تو تذکور ہی کیا دیدار محبوب میں آنکھ کی ٹھٹھکی میں بھی فرق نہ آیا۔ قلب کی توجہ بھی وہیں مرکوز رہی۔ نہ ہنسنے نہ بھٹکنے، سبحان اللہ

امام الصوفیاء علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت میں (مَازَاغُ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی) کو ادب کی درخشندہ مثال سمجھتے ہوئے اپنی کتاب میں ”باب الادب“ کا آغاز اسی آیت سے کیا ہے۔

سلف صالحین کے واقعات سے مثالیں

① حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ ابتدائے جوانی میں محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ غفلت و بے پروائی کی زندگی تھی۔ کم کوش بھی تھے۔ اکثر اوقات نشے میں دھت رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جب نشہ ہرن ہوا تو آپ کسی کام کے سلسلے میں گھر سے باہر نکلے۔ گلی میں سے گزرتے ہوئے ایک گرے ہوئے کانڈ پر نظر پڑی۔ دیکھا

کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا۔ بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور آپ نے اس کا غد کو اٹھایا۔ ازراہ ادب صاف کیا اور کسی بلند جگہ پر رکھ دیا تاکہ اللہ تعالیٰ کا نام کہیں پاؤں تلے نہ آئے۔ جب آپ کام سے فارغ ہو کر واپس گھر پہنچے تو ایک ولی کامل آپ کی ملاقات کے لئے آپ کے گھر آئے اور فرمانے لگے "مجھے اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا ہے کہ بشر حافی" سے جا کر کہہ دو کہ جیسا تم نے میرے نام کو عزت بخشی اسی طرح میں بھی تمہارے نام کو دنیا میں عزت دوں گا" یہ الفاظ آپ کے دل پر بجلی بن کر گرے۔ آپ توبہ تائب ہوئے اور روحانی دنیا کے مشاہیر اولیاء میں سے ہوئے۔ اللہ کے لفظ کے ادب نے آپ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔

② حضرت عمر فاروق ؓ کے پوتے سالم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حرم مکہ میں تشریف لائے۔ مطاف میں آپ کی ملاقات وقت کے بادشاہ ہشام بن عبد الملک سے ہوئی۔ ہشام نے سلام کے بعد عرض کیا کہ حضرت! کوئی ضرورت ہو تو حکم فرمائیے تاکہ میں آپ کی کوئی خدمت کر سکوں۔ آپ نے فرمایا "ہشام! مجھے بیت اللہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر غیر اللہ سے حاجت بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ادب الہی کا تقاضا ہے کہ یہاں فقط اسی کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا جائے۔" ہشام لا جواب ہو کر خاموش ہو گیا۔ قدرتنا جب آپ حرم شریف سے باہر نکلے تو ہشام بھی عین اسی وقت باہر نکلا۔ آپ کو دیکھ کر قریب آیا اور کہنے لگا کہ حضرت! اب فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، ہشام! بتاؤ میں تم سے کیا مانگوں۔ دین یا دنیا؟ ہشام جانتا تھا کہ دین کے میدان میں تو آپ کا شمار وقت کی بزرگ ترین ہستیوں میں ہوتا ہے۔ لہذا کہنے لگا حضرت! آپ مجھ سے دنیا مانگیں۔ آپ نے فوراً جواب دیا کہ دنیا تو میں نے کبھی خالق و مالک سے

بھی نہیں مانگی بھلا تم سے کہاں مانگوں گا؟ یہ سنتے ہشام کا چہرہ لٹک گیا۔ سچ ہے کہ جن حضرات کو بارگاہ رب العزت میں فریاد پیش کرنے کے آداب آتے ہیں وہ دنیا داروں کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے۔



باب نمبر 3

بارگاہ رسالت کا ادب

حدیث قدسی میں وارد ہے

لولاك لما خلقت الافلاك

[اے محبوب ﷺ! اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا]

یعنی اگر محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے دنیا میں جلوہ افروز نہ ہوتا ہوتا تو یہ جن و بشر، شمس و قمر، شجر و حجر، بحر و بر، پھولوں کی مہک، چڑیوں کی چہک، ہنرے کی لہک، سماء و سمک، رفعت و پستی، خوشحالی و بدحالی، زمین کی نرمی، سورج کی گرمی، دریا کی روانی، کواکب آسمانی، خزاں و بہار، بیابان و مرغزار، نباتات و جمادات، جواہر و معدنیات، جنگل کے درندے، ہوا کے پرندے، غرض کائنات کی کسی چیز کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔

۔۔۔ مگر عرض و سہا کی محفل میں لولاک و لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

فخر موجودات سید الاولین محبوب رب العالمین ﷺ وہ ذات ستودہ صفات
ہیں کہ

- ۱۔ جن کی خاطر کائنات ہست و بود کو وجود ملا،
- ۲۔ جن کی برکت سے انسانیت کو شعور ملا،
- ۳۔ جن کے گلے میں لولاک کا ہار پہنایا گیا،
- ۴۔ جن کو رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا تاج پہنایا گیا،
- ۵۔ جن کے اسم گرامی سے جنتی درختوں کے ہر ورق کو زینت ملی،
- ۶۔ جن کے نام کی برکت سے سیدنا آدم ﷺ کی توبہ قبول ہوئی،
- ۷۔ جن کی برکت سے حضرت ابراہیم ﷺ کو سیادت کا تمغہ ملا
- ۸۔ جن کا کلمہ حضرت سلیمان ﷺ کی انگوٹھی پر کندہ تھا،
- ۹۔ جن کے حسن و جمال کا پر تو حضرت یوسف ﷺ کو ملا،
- ۱۰۔ جن کے صبر کا نمونہ حضرت ایوب ﷺ کو ملا،
- ۱۱۔ جن کے قرب کا ایک لمحہ حضرت موسیٰ ﷺ کو مکالمات کی صورت میں ملا،
- ۱۲۔ جن کے مرتبے کا ایک حصہ حضرت ہارون ﷺ کو وزارت کی صورت میں ملا
- ۱۳۔ جن کی نعت کا ایک مصرع حضرت داؤد ﷺ کا نغمہ بنا،
- ۱۴۔ جن کی عفت کا شجرہ عصمت مٹھی ﷺ کا جلوہ بنا،
- ۱۵۔ جن کے دفتر حکمت کی ایک سطر حضرت لقمان ﷺ کو نصیب ہوئی،
- ۱۶۔ جن کی رفعت و بلندی کی ایک جھلک حضرت عیسیٰ ﷺ کو نصیب ہوئی،
- ۱۷۔ جن کا وجود مسعود عائے خلیل اور نوید مسیحا بنا،
- ۱۸۔ جن کی آمد کی برکت سے لشکرِ ابرہہ کُفَّضَ مَائِجُوزِہ بنا،
- ۱۹۔ جن کی ولادت باسعادت سے فارس کے آتش کدے بجھے،

✽ - جن کی زبان فیضِ ترجمان سے گہوارے میں اللہ اکبر کے الفاظ صادر ہوئے

✽ - جن کو بخت سے قبل ہی صادق امین کا لقب ملا

✽ - جن کی انگشت مبارک کے اشارے پر چاند دلخست ہوا،

✽ - جن کی رسالت کی گواہی جمادات نے بھی دی،

✽ - جن کے حصے میں معراج کی عظمت آئی،

✽ - جن کے در اقدس کے خاک نشین صدیق اکبر ﷺ بنے،

✽ - جن کے خرمین ایمان کے ریزہ چمن فاروقِ اعظم ﷺ بنے،

✽ - جن کے حیا کی کرن سے عثمان ﷺ ذی النورین بنے،

✽ - جن کے بحرِ علم کی چھینٹوں سے علی المرتضیٰ ﷺ بابِ العلم بنے،

✽ - جن کے شہرِ کورب کائنات نے ”بلدِ امین“ کہا،

✽ - جن پر نازل ہونے والی کتاب کو ”کتابِ نبین“ کہا،

✽ - جن پر رب کریم اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں،

✽ - جن کی امت کو خیر الامم کے نام سے یاد کرتے ہیں،

اس خاصہ خاصانِ رسل کے آدابِ بجالانے کی تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۝ (فتح: ۹)

[یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا (تاکہ اے مسلمانو!) تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر

ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو]

قرآن مجید سے مثالیں

مثال نمبر ۱:

ادب نبوی ﷺ سے متعلق قرآن مجید میں کئی مثالیں موجود ہیں۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (الحجرات: ۲)

[اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی علیہ السلام کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ہی ان سے بلند آواز میں گفتگو کیا کرو۔ (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو]

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ”یعنی نبی کریم ﷺ کی مجلس میں شور نہ کیا کرو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چپک کر یا تزخ کر بات کرتے ہو۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ یہ طریقہ خلاف ادب ہے۔ آپ ﷺ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے، تعظیم و اکرام کے لہجہ میں، ادب و شائستگی کے ساتھ۔ دیکھو! ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے، لائق شاگرد اپنے استاد سے، مخلص مرید پیر و مرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کا مرتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ ﷺ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہئے کہ مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپ ﷺ کو تکدر پیش آئے حضور ﷺ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے۔ ایسی صورت

میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا خدشہ ہے۔

مسند بڑار میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت صدیق اکبر ؓ نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم اب تو میں آپ ﷺ سے اس طرح بات کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے“ تفسیر درمنثور میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر ؓ بہت دھیمی آواز کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ بخاری شریف میں حضرت انس ؓ بن مالک سے روایت ہے کہ انصار کے بلند آواز خطیب حضرت ثابت بن قیس ؓ نے جب یہ آیات سنیں تو گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ سعد بن معاذ ؓ نے ایک مرتبہ پوچھا۔ کیا حال ہے؟ تو کہنے لگے۔

شَرُّكَانِ يَرْفَعُ صَوْتَهُ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ

[برا حال ہے۔ میں تو نبی اکرم ﷺ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرتا تھا۔ میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں جہنمی بن گیا]

حضرت سعد بن معاذ ؓ نے جب یہ صورت حال نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسے جا کر کہہ دو کہ
إِنَّكَ لَسَتْ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَلَكِنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ
[آپ ہرگز جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہیں] (بخاری: ج ۲، ص ۷۱۸)

یعنی قدرنا بلند آواز شخصیت ہونے کی وجہ سے دوران گفتگو آواز قدرے بلند ہو گئی تو معاف کر دیا جائے گا تاہم اپنی طرف سے آواز پست رکھنے کی کوشش کرو کہ یہی ادب کا تقاضا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا یہ ادب جس طرح آپ ﷺ

کی حیات مبارکہ میں لازمی تھا آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی لازمی ہے۔ آج بھی مسجد نبوی ﷺ میں مواجہہ شریف کے سامنے والی دیوار پر یہ آیات لکھی ہوئی موجود ہیں۔ زائرین کو چاہئے کہ روضہ انور پر حاضری کے وقت صلوٰۃ والسلام پڑھتے وقت اپنی آواز کو پست رکھیں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

ادب گاہست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جھنجھٹ و بازید ایں جا

مثال نمبر ۲:

قرآن مجید میں جہاں سابقہ امتوں کی اپنے اپنے انبیاء کرام سے گفتگو بیان کی گئی ہے، وہاں غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ پیغمبر خدا کو نام لیکر مخاطب کیا کرتے تھے۔ مثلاً بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

يَا مُوسَىٰ لَنْ نُصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ (البقرة: ۶۱)
(اے موسیٰ! ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے)
اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے یوں کہا
يَا عِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ اَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ (مائدة: ۱۱۲)

(اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب ہمارے لئے آسمان سے مائدہ اتار سکتا ہے؟)

مندرجہ بالا دونوں آیات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک تو وہ لوگ نام لے کر پیغمبر خدا سے گفتگو کیا کرتے تھے، دوسرا انداز گفتگو بھی ایسا جیسا کہ وہ ایک دوسرے

سے ہمکلامی کر رہے ہوں۔ چونکہ یہ بات سوء ادب کے زمرے میں آتی تھی لہذا اللہ رب العزت نے امت محمدیہ کو ایسے طرز کلام سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۝

[تم رسول اکرم ﷺ کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو] (النور: ۶۳)

قربان جائیں صحابہ کرام کی اطاعت و فرمانبرداری اور حسن ادب پر کہ اس آیت کے نزول کے بعد جب بھی وہ نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے تو یا نبی اللہ، یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ کہتے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیتے فِداک امی و ابی (آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں) سبحان اللہ

مثال نمبر ۳:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَجَّيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِمُوا بَيْنَ يَدَيْهِ فَسَمِعْتُمُ

صَدَقَهُ (مجادلہ: ۱۲)

[اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہو تو پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو]

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ منافقین مدینہ نے لوگوں میں اپنی بڑائی ظاہر کرنے کیلئے یہ طریقہ اپنایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سرگوشی کے انداز میں بات کرتے۔ دیکھنے والوں کو یہ تاثر ملا کہ یہ بات کرنے والا بڑا اہم آدمی ہے اور کوئی خاص گفتگو کر رہا ہے۔ بعض سادہ لوح مسلمانوں نے بھی غیر اہم باتیں کرنے کے لئے اس روش کو اپنالیا۔ چونکہ یہ سب کچھ آداب نبوی ﷺ کے

خلاف تھا لہذا اللہ رب العزت نے حکم نازل فرمایا کہ اے ایمان والو! جب تم نبی اکرم ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہو تو پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔ جب لوگوں نے اپنی غلطی کا احساس ہونے پر یہ عادت ترک کر دی تو رب کائنات نے اس حکم کو منسوخ فرما کر مسلمانوں پر کشادگی فرمادی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب یہ حکم اترتا تو منافقین نے بخل کی وجہ سے وہ عادت چھوڑ دی اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں کرنا (تو خلاف ادب ہے جو) اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

مثال نمبر ۴:

ارشاد باری تعالیٰ ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْلِبُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (الحجرات: ۱)
[ایمان والو! ہرگز آگے نہ بڑھو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے (کسی بھی معاملے میں)]

رب العزت کی سچی فرمانبرداری اس کے رسول ﷺ کی سچی فرمانبرداری میں مضمر ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کا تعلق ادب سے ہوتا ہے لہذا اس آیت مبارکہ میں امت مسلمہ کو ادب نبوی ﷺ کی تعلیم دی گئی۔ صحابہ کرامؓ چونکہ نبی علیہ السلام کے صحبت یافتہ تھے لہذا انہوں نے دلوں کے تقویٰ کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ کے ظاہری ادب کا اس قدر لحاظ کیا کہ کسی کام میں نبی علیہ السلام سے پہل نہیں کیا کرتے تھے۔ بات کرتے تھے پست آواز کے ساتھ اور بیٹھتے تھے تو اس طرح کہ جیسے سر پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔ ان کے سینے عشق نبوی ﷺ سے معمور، ان کے روز و شب اعمال صالحہ سے بھرپور اور ان کی زندگیوں بے ادبی

سے کوسوں دور۔ اس لئے اس جماعت کے متعلق فرمان الہی صادر ہوا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ

عَظِيمٌ (حجرات: ۳)

[وہی ہیں جن کے دل جانچے اللہ نے ادب کے واسطے۔ ان کے لئے

معافی ہے اور بڑا اجر ہے]

مندرجہ بالا قرآنی آیات کو یکجا کر کے غور کیا جائے تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ پروردگار عالم نے ایک طرف تو آداب نبوی ﷺ بجالانے کی آیات نازل فرمائیں دوسری طرف ان تمام امور کی بیخ کنی فرمائی جو آداب نبوی ﷺ کے خلاف تھے۔ جہاں آداب بجالانے کا حکم دیا وہاں بے ادبی کی ممانعت بھی فرمادی۔ گویا پسندیدہ اور ناپسندیدہ دونوں طرح کے امور کی وضاحت فرمادی۔ صحابہ کرامؓ نے اس باب میں ایسی روشن مثالیں قائم کی ہیں کہ آج بھی امت مسلمہ کے لئے روشنی کے مینار کا کام دیتی ہیں۔ درج ذیل واقعات مشتمل نمونہ از خروارے کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے واقعات

مثال نمبر ۱:

صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر مصالحت کی غرض سے مکہ بھیجا۔ خود بنفس نفیس صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے قریش مکہ سے تفصیلی بات چیت کی مگر انہوں نے مسلمانوں کو عمرے کی اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا۔ کئی

دن کی مساعیء جمیلہ کے باوجود کوئی امید بر نہ آئی۔ صنادید قریش اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ چند ایک نے حضرت عثمان غنی ؓ کو پیشکش کی کہ اگر آپ خود عمرہ کرنا چاہتے ہیں تو ہماری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔ حضرت عثمان غنی ؓ نے فرمایا، یہ کیسے ممکن ہے کہ میرے آقا ﷺ کو طواف سے روک دیا جائے اور میں خود طواف کر لوں۔ قریش مکہ کے دلوں پر یہ بات بجلی بن کر گری۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ غلامان رسول ﷺ کو عشق و ادب میں اتنا کمال نصیب ہو چکا ہے۔ حضرت عثمان غنی ؓ جب واپس تشریف لائے تو بعض صحابہؓ نے پوچھا کہ کیا آپ طواف کر آئے ہیں؟ حضرت عثمان غنی ؓ نے جواب دیا:

”اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں وہاں ایک سال بھی ٹھہرا رہتا اور میرے آقا ﷺ حدیبیہ میں ہوتے تو میں اپنے محبوب ﷺ کے بغیر طواف نہ کرتا“

حضرت بصریؒ نے قصیدہ ہزیرہ میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

وابی بطوف بالبيت اذ لم يدن منه الى النبي فناء

فجزته عنها بيعت رضوان يد من نيه بيضاء

ادب عند مضاعف الاعمال بالتارك حذ الادباء

[حضرت عثمان ؓ نے بیت اللہ کے طواف سے انکار کیا چونکہ اس کی

کوئی طرف نبی اکرم ﷺ کے قریب نہ تھی۔ پس ان کو نبی اکرم ﷺ

کے یہ بیضانے بیعت رضوان میں اس نیک عمل کا بدلہ عطا کر دیا۔ (تہما

طواف نہ کرنا) ایسا جذبہء ادب تھا جس کے سبب ان کو (طواف سے)

دگنا ثواب ملا۔ اصحاب رسول ﷺ کیا خوب ادب کرنے والے تھے]

حضرت عثمان غنیؓ مفت حیاء و ادب میں دوسرے صحابہؓ پر سبقت لے گئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب سے میں نے نبی علیہ السلام سے بیعت کی اس وقت سے لے کر آج تک ادب کی وجہ سے میں نے دایاں ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔

مثال نمبر ۲:

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو نمائندہ بنا کر بھیجا تاکہ مصالحت کی شرائط طے کر جاسکیں۔ عروہ انتہائی ذہین اور جہاں دیدہ آدمی تھا۔ مسلمانوں کے لشکر میں پہنچتے ہی اس نے ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لینا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھ کر گفتگو کرنے کے دوران وہ کن آنکھیوں سے صحابہ کرامؓ کی حرکات و سکنات کو دیکھتا رہا۔ جب وہ قریش مکہ کے پاس واپس آیا تو اس نے شیعہ رسالت کے پروانوں کے بارے میں درج ذیل تاثرات بیان کئے۔

يا قوم والله لقد وفدت على الملوك و وفدت على قيصر و كسرى و النجاشي والله ان رايت ملكا قط يعظمه اصحابه ما يعظمه اصحاب محمد محمدا. و اذا امرهم ابتدروا امره و اذا توضعوا كادوا يقتلون على وضوئه و اذا تكلم خفضوا اصواتهم عنده و ما يجمدون عليه النظر تعظيما له (صحیح مسلم)

[اے میری قوم! اللہ کی قسم! میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ میں نے کبھی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ جس کے اصحاب اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی تعظیم محمد ﷺ کے اصحابؓ اپنی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم جب وہ تھوک بھی پھینکتے ہیں تو وہ اپن کے اصحابؓ میں سے کوئی نہ کوئی اپنے ہاتھ پر لے

لیتا ہے۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کا پانی لینے کے لئے اصحابؓ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کوئی حکم فرماتے ہیں تو ان کے اصحابؓ اس حکم کی تعمیل کے لئے دوڑتے ہیں۔ جب وہ کلام فرماتے ہیں ان کے اصحابؓ کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں۔ مزید برآں اصحابؓ انہیں بڑی محبت و الفت اور ادب کی نگاہوں سے دیکھتے رہتے ہیں۔]

صحابہ کرامؓ کے ادبِ نبوی ﷺ کی گواہی اس سے اچھے الفاظ میں دینی مشکل ہے۔ تعریف اگر کسی دشمن کی زبان سے نکلے تو اس کی اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے۔ آفرین ہے ان مقدس ہستیوں پر جنہوں نے اپنے آداب و اخلاق کا لوہا دشمنوں سے بھی منوالیا۔

ادب تا جیست از لطف الہی

بنہ بر سر بروہر جا کہ خواہی

[ادب ایک تاج ہے جو اللہ تعالیٰ کے لطف و مہربانی سے ملتا ہے۔ اسے

اپنے سر پر رکھ اور جہاں چاہے جا (عزت پائے گا)]

مثال نمبر ۳:

حضرت عباسؓ نبی اکرم ﷺ کے چچا تھے تاہم عمر میں کوئی زیادہ فرق نہ تھا۔

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا۔

ء انت اکبر منی (کیا آپ مجھ سے زیادہ بڑے ہیں؟)

یہ الفاظ سنتے ہی حضرت عباسؓ تڑپ اٹھے اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ انت اکبر و اعظم انا اسن

(اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ بڑے ہیں اور مرتبہ والے ہیں البتہ میری عمر زیادہ ہے)

اسی طرح کا ایک واقعہ اور بھی منقول ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے عمر کا تذکرہ کرتے ہوئے کسی صحابی سے پوچھا، تم بڑے ہو یا نبی اکرم ﷺ؟ انہوں نے جواباً کہا، نبی اکرم ﷺ مجھ سے بڑے ہیں البتہ میں پیدائش میں ان سے پہلے ہوں۔ (کشف الغمہ للشعرانی)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ عام گفتگو میں بھی کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتے تھے جس سے بے ادبی کا شائبہ ہو۔ نبی اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر کا جذبہ ان کے انگ انگ میں اس طرح سما چکا تھا کہ روانی کلام میں بھی خلاف ادب کوئی لفظ زبان سے نہیں نکلتا تھا۔

مثال نمبر ۴:

شامک ترمذی میں حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ اگر کسی شدید ضرورت اور تقاضے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو نبی اکرم ﷺ کے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا تو وہ ازراہ ادب اپنے ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔ مقصد یہ ہوتا کہ اطلاع بھی ہو جائے اور زیادہ آواز کہیں طبیعت میں گرانی کا باعث بھی نہ بنے۔

مثال نمبر ۵:

قریش مکہ کے سردار ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہوئیں تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں اپنی زوجیت میں قبول فرمالیا۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب معاہدہ حدیبیہ ختم ہونے کا وقت آیا تو قریش مکہ

نے اس کی مدت میں توسیع کروانی چاہی۔ اس اہم کام کے لئے انکی نظر انتخاب ابوسفیان پر پڑی۔ چنانچہ ابوسفیان قریش کے سفیر بن کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر وارد ہوئے۔ ایک چارپائی پر نبی اکرم ﷺ کا مبارک بستر بچھا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے جونہی اس پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جلدی سے بستر سمیٹ دیا اور خالی چارپائی کی طرف اشارہ کیا کہ ابا جان تشریف رکھیں۔ ابوسفیان اس صورتحال کو صحیح طرح سمجھ نہ سکے لہذا بیٹی سے پوچھا، کیا یہ بستر میرے قابل نہ تھا یا میں اس بستر کے قابل نہ تھا؟ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، ابا جان یہ رسول اللہ ﷺ کا بچھوتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا، پھر کیا ہوا وہ تیرے شوہر ہیں تو میں تیرا باپ ہوں۔ ام المومنینؓ نے کہا یہ تو ٹھیک ہے مگر آپ شرک ہیں اور نبی علیہ السلام کا بستر پاک ہے۔ مجھے گوارا نہیں کہ آپ کا نجس بدن میرے آقا ﷺ کے بستر پر لگے۔ اس واقعے سے عشق نبوی ﷺ اور آداب نبوی ﷺ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مثال نمبر ۶:

مسجد نبوی ﷺ میں خطبہ دینے کے لئے لکڑی کا ایک منبر بنایا گیا جس کے تین درجے تھے۔ نبی اکرم ﷺ جب خطبہ دینے کے لئے سب سے اوپر کے درجے پر بیٹھتے تو درمیانی درجے پر پاؤں مبارک رکھتے۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو خطبہ دینے کے لئے درمیانی درجے پر بیٹھتے جبکہ پاؤں مبارک نچلے درجہ پر رکھتے۔ جب عمر فاروقؓ خلیفہ بنے تو خطبہ دینے کیلئے سب سے نچلے درجے پر بیٹھتے جبکہ پاؤں زمین پر رکھتے۔ جب حضرت عثمان غنیؓ کا دور آیا تو انہوں نے منبر شریف کے درجات زیادہ کر دیئے، جب خطبہ دینے کی

ضرورت پیش آتی تو آپ ﷺ زیادت کے پہلے درجے پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا یہ عمل ادب کے معاملے میں سند رکھتا ہے۔

مثال نمبر ۷:

نبی اکرم ﷺ پر وصال مبارک سے پہلے جب مرض کا غلبہ ہوا تو آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ابو بکر صدیق ﷺ مسجد میں نمازوں کی امامت کروائیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کو نبی اکرم ﷺ کی حیات مقدسہ میں سترہ نمازیں پڑھانے کا شرف نصیب ہوا۔ وصال مبارک سے دو روز قبل حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نماز ظہر کی امامت کروا رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ شدید علالت کے باوجود حضرت علی ﷺ اور حضرت عباس ﷺ کے کندھوں کا سہارا لے کر جماعت میں شمولیت کے لئے مسجد تشریف لائے۔ حضرت ابو بکر ﷺ کو جب اندازہ ہوا کہ سید المرسلین ﷺ تشریف لے آئے ہیں تو وہ دوران نماز مضطرب سے پیچھے ہٹے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا "پیچھے مت ہٹو" پھر نبی علیہ السلام حضرت ابو بکر ﷺ کے برابر بیٹھ کر نماز ادا فرمانے لگے۔ حضرت ابو بکر ﷺ نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کرتے اور دوسرے تمام صحابہ حضرت ابو بکر صدیق کی اقتداء کرتے اور اس طرح یہ نماز مکمل ہوئی۔ نماز سے فراغت حاصل ہونے پر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر ﷺ سے پوچھا، آپ دوران نماز پیچھے کیوں ہٹے؟ حضرت ابو بکر ﷺ نے فرمایا:

ما کان لابن ابی قحافة ان یصلی بین یدی رسول اللہ ﷺ

[ابوقافہ کے بیٹے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھے]

حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے اپنے عمل کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ صحابہ

کرامؑ اجمعین لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ کے فرمان الہی پر کس بے ساختگی سے عمل کرتے تھے۔

مثال نمبر ۸:

ایک مرتبہ حضرت فضیلہ بن عبید اسلمیؓ اور حضرت ابن ورعؓ تیر اندازی میں باہم مقابلہ کر رہے تھے۔ کسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ ان دونوں کو تیر اندازی میں مشغول دیکھ کر خوش ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت فضیلہؓ سے فرمایا "اے بنی اسماعیل! تم تیر اندازی کرو چونکہ تمہارا باپ تیر انداز تھا۔ تم تیر پھینکتے جاؤ میں ابن ورعؓ کے ساتھ ہوں" یہ الفاظ سنتے ہی حضرت فضیلہؓ نے کمان رکھ دی اور عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ ابن ورعؓ کے ساتھ ہیں تو ادب کی بنا پر میں مقابلے میں تیر نہیں پھینک سکتا۔ یعنی مقابلے کا لفظ برابری کے زمرے میں آتا ہے مجھے کہاں زیب دیتا ہے کہ میں آپ ﷺ کی برابری کروں گو کہ وہ تیر پھینکتے ہی میں کیوں نہ ہو۔ (بخاری شریف)

مثال نمبر ۹:

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دسترخوان پر حاضر ہوتے تو اس وقت تک طعام کو ہاتھ نہ لگاتے جب تک نبی علیہ السلام شروع نہ فرماتے۔ چونکہ آقا کی موجودگی میں غلام کا کسی کام میں پہل کرنا بے ادبی سمجھی جاتی ہے اسی لئے صحابہ کرامؓ اجمعین کھانا کھانے میں بھی پہل نہ کیا کرتے تھے۔

مثال نمبر ۱۰:

حضرت ابو محذورہ ؓ کے سر کے سامنے کے حصہ میں بالوں کا اس قدر لمبا گچھا تھا کہ جب آپ ؐ زمین پر بیٹھ کر اپنے بال کھولتے تو وہ بال زمین سے لگ جاتے۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ ؐ ان بالوں کو کٹوا کیوں نہیں دیتے۔ آپ ؐ نے جواب دیا میرے ان بالوں کو نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ پیار سے پکڑا تھا۔ اس کے بعد سے میں نے انہیں کٹوانا چھوڑ دیا۔ عشق و ادب کی انتہا دیکھیے۔ اگر عام آدمی ظاہری نظر سے دیکھے تو اسے یہ بات معمولی نظر آئے گی مگر آداب و اکرام کی حدود میں بڑی وسعت ہے۔ ہر انسان کو اس کے نصیب کے بقدر حصہ ملتا ہے۔

مثال نمبر ۱۱:

نبی اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کے مکان پر قیام فرمایا۔ اس مکان کی دو منزلیں تھیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری ؓ مع اہل و عیال اوپر والی منزل میں ٹھہرے جب کہ نبی اکرم ﷺ غلی منزل میں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت ابو ایوب انصاری ؓ رات کو کو خواب تھے اچانک آنکھ کھلی۔ معادل میں خیال آیا کہ نبی اکرم ﷺ نیچے ہیں اور میں اوپر ہوں یہ تو صریحاً بے ادبی ہے۔ چنانچہ بستر سے اٹھ کر کمرے کی دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو بعد اصرار آپ ﷺ کو اوپر والی منزل میں ٹھہرایا اور خود مع اہل و عیال نیچے آ گئے۔

مثال نمبر ۱۲:

ذرا منثور کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غسل جنابت کی ضرورت پیش آئی۔ اسی حال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جلدی سے کہیں چھپ گئے۔ پھر غسل کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کہاں چلے گئے؟ عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے حدث لاحق تھا۔ اس ناپاکی کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا مجھے خلاف ادب محسوس ہوا۔ اب میں پاک صاف ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ فرمانا چاہا تو انہوں نے غسل کی حاجت لاحق ہونے کا عذر پیش کیا۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ناپاکی کی حالت میں نبی اکرم کے جسم اطہر سے اپنا ہاتھ ملانا خلاف ادب سمجھتے تھے۔

مثال نمبر ۱۳:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب بھی محفل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھنے کی سعادت ملتی تو وہ اپنی نگاہوں کو ادب کی بناء پر نیچا رکھتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب مہاجرین و انصار میں تشریف فرما ہوتے تو ان میں سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر نہ اٹھاتا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بہت خاص تھا۔ نبی علیہ السلام ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھ کر تبسم فرماتے۔ گویا عشق و محبت کے قلبی جذبات مسکراہٹوں کی

شکل میں نمودار ہوتے۔

مثال نمبر ۱۴:

ترمذی شریف کی ایک روایت میں حضرت علی ؓ محفل نبوی ﷺ کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں

”جس وقت نبی اکرم ﷺ کلام شروع فرماتے تو آپ ﷺ کے اصحابؓ اس طرح سر جھکا لیتے کہ گویا ان کے سروں پر پردے بیٹھے ہوں۔ جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے تب حاضرین میں سے کوئی ایک کلام کرنا اور دوران گفتگو آپ ﷺ سے بحث مباحثہ نہ کرتے“

دنیا کے بڑے بڑے امراء کی مجالس میں ان آداب کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان آداب کا تعلق قلبی محبت و عقیدت سے ہے۔ اہل دنیا کو یہ نعمت کہاں نصیب۔

مثال نمبر ۱۵:

سیدنا صدیق اکبر ؓ کے والد محترم حضرت ابو قحافہ ؓ بھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے کہ ایک دفعہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا کلمات کہہ دیئے۔ حضرت ابو بکر ؓ ان ناشائستہ الفاظ کو سن کر بہت خفا ہوئے حتیٰ کہ اپنے والد کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے حقیقت احوال واقعی معلوم کر نیکی غرض سے ابو بکر صدیق ؓ سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے ایسے کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس وقت میرے پاس تلواریں تھیں ورنہ ایسے نازیبا کلمات کہنے پر میں ان کی گردن اڑا دیتا۔ اس پر جبریل ؑ قرآن پاک کی

یہ آیتیں لے کر نازل ہوئے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ: (المجادله: ۲۲)

[اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائے گا۔ گو وہ ان کے باپ بیٹے بھائی یا کنبہ قبیلہ کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ انہی لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔ اور انکی تائید اپنی روح سے کی ہے۔ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی۔ وہ خدائی لشکر ہے۔ آگاہ رہو بیشک اللہ کے لشکر والے لوگ ہی کامیاب ہیں]

مثال نمبر ۱۶:

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر ؓ کا شانہ نبوت میں داخل ہوئے تو اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم ﷺ سے بلند آواز سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا۔ حضرت صدیق اکبر ؓ کو بارگاہ نبوت میں اپنی بیٹی کی یہ بے ادبی دیکھ کر سخت غصہ آیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک طمانچہ اس زور سے رسید

کیا کہ وہ نبی علیہ السلام کی اوٹ میں جا چھپیں۔

مثال نمبر ۱۷:

ایک مرتبہ منافقین نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا۔ نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر ؓ کے مکان پر جلوہ افروز ہوئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ اگر تم اس تہمت سے بری ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری برأت کا اعلان فرمادیں گے اور اگر تم سے کوئی لغزش ہو گئی ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور توبہ کرو کیونکہ بندہ جب توبہ کر لیتا ہے تو اس کے سارے گناہ دھل جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان سن کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد محترم سے عرض کیا کہ میری طرف سے نبی اکرم ﷺ کو جواب دے دیجئے۔ گو کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو اپنی بیٹی کی پاکدامنی کا یقین تھا مگر ادب نبوی ﷺ کی وجہ سے زبان نہ کھل سکی صرف اتنا کہا "میں نہیں جانتا کیا کہوں"

مثال نمبر ۱۸:

حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہم سے گفتگو فرماتے تھے پھر جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو ہم بھی (ازراہ ادب) کھڑے ہو جاتے۔ (نسائی۔ ابوداؤد)

مثال نمبر ۱۹:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الادب المفرد" میں نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ

سے نبوت کی ظاہری نشانیوں کے متعلق دریافت کیا۔ جب نبی اقدس ﷺ نے نشانیاں بیان فرمادیں تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو ادب و محبت سے بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

مثال نمبر ۲۰:

حضرت زراع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ وفد عبدالقیس کے لوگ جب مدینہ آئے تو جلدی جلدی اپنے کجاووں سے نکل کر نبی کریم ﷺ کے مبارک ہاتھوں اور پاؤں کو (وہو محبت و ادب سے) چومنے لگے۔ (احمد۔ ابوداؤد)

مثال نمبر ۲۱:

حضرت ابن عمر رحمہ اللہ ایک مرتبہ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے اور منبر نبوی ﷺ پر جو جگہ نبی کریم ﷺ کے بیٹھنے کی تھی اسے ہاتھ سے مس کیا اور تبرا اس ہاتھ کو اپنے چہرے پر پھیر لیا۔ (شفاء۔ طبقات ابن سعد)

مثال نمبر ۲۲:

حضرت عمر فاروق رحمہ اللہ اپنے دور خلافت میں بیت المال سے بعض اصحاب رضی اللہ عنہم کے روزینے مقرر کرنے لگے تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ کیلئے تین ہزار درہم سالانہ مقرر کئے اور حضرت اسامہ بن زید رحمہ اللہ کے لئے تین ہزار پانچ سو درہم مقرر کئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ اسامہ رحمہ اللہ کا روزینہ آپ نے مجھ سے زیادہ کیوں مقرر کیا؟ فرمایا کہ اس کا باپ ترے باپ اور وہ خود تجھ سے زیادہ نبی اکرم ﷺ کو پیارے تھے۔ میں نے نبی کریم ﷺ

کے پیارے کو اپنے پیارے پر فوقیت دی۔ عشق نبوی ﷺ اور ادب نبوی ﷺ کی یہ کتنی درخشندہ مثال ہے۔

وصال مبارک کے بعد ادب نبوی ﷺ

نبی اکرم ﷺ کا ادب جس طرح آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں واجب تھا اسی طرح وفات شریفہ کے بعد بھی واجب ہے۔ سلف و خلف کا یہی مذہب رہا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

مثال نمبر ۱:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اگر مسجد نبوی ﷺ کے کسی قرہی مکان میں میخ ٹھونکنے کی آواز سنتیں تو کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا نہ پہنچاؤ۔
(وقالوفا)

مثال نمبر ۲:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے لئے لکڑی کا دروازہ بنوانا تھا۔ آپ ﷺ نے کاریگر سے یہ شرط طے کی کہ وہ دور کی جگہ دروازہ تیار کریگا تاکہ تیاری کے دوران اوزار وغیرہ کی آواز سے نبی کریم ﷺ کو اذیت نہ پہنچے۔ جب دروازہ تیار ہو جائے گا تو اپنی جگہ پر نصب کر دیا جائے گا۔

مثال نمبر ۳:

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں مسجد نبوی ﷺ میں لیٹا ہوا تھا کہ کسی نے میری طرف کنکری پھینکی۔ جب سر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت

عمر فاروق ؓ کھڑے ہیں۔ آپ ؓ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جاؤ ان دونوں کو بلا لاؤ۔ جب وہ دونوں حاضر خدمت ہوئے تو حضرت عمر ؓ نے پوچھا۔ تم کون ہو؟ یا کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے بتایا طائف سے۔ آپ نے فرمایا، اگر تم لوگ شہر (مدینہ) کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں درے لگاتا۔ کیا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔

(بخاری شریف)

مثال نمبر ۴:

حضرت نافع ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق ؓ عشاء کے وقت مسجد نبوی ﷺ میں موجود تھے۔ اچانک کسی شخص کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ آپ نے اسے بلا کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا، میں قبیلہ بنو ثقیف سے ہوں۔ یہ سن کر آپ نے پوچھا، کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا میں طائف کا رہنے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ یاد رکھو اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں۔

(وفاء الوفاء)

مثال نمبر ۵:

ابن حمید سے روایت ہے کہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد نبوی ﷺ میں کسی بات پر مباحثہ کیا۔ اس وقت خلیفہ کے ہمراہ پانچ سوششیر بند بھی موجود تھے۔ دوران گفتگو جب خلیفہ کی آواز قدرے بلند ہوئی تو امام مالک نے فرمایا اے امیر المومنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند مت کرو..... نبی کریم ﷺ کا ادب و احترام وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ حیات

مبارک میں تھا۔ یہ سنتے ہی ابو جعفر کی آواز پست ہو گئی۔

مثال نمبر ۶:

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی مدینہ منورہ میں بسر کی۔ جب قضائے حاجت کی ضرورت پیش آتی تو آپ شہر سے باہر حدود حرم تک جاتے اور اس طرح بیٹھ کر فراغت حاصل کرتے کہ جسم تو حدود حرم میں رہتا تاہم فضلہ حدود سے باہر گرتا۔ کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں مدینہ منورہ سے باہر میری موت واقع نہ ہو جائے۔ ایک طرف تو دیار حبیب سے اتنا لگاؤ اور دوسری طرف ادب کی یہ انتہا کہ اپنے جسم کی نجاست مدینہ منورہ کی مٹی میں شامل کرنا گوارہ نہیں۔ محبت و ادب کا یہ امتزاج بہت کم دیکھا گیا ہے۔

مثال نمبر ۷:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے راستہ کے درمیان چلنے کی بجائے دیواروں کے قریب چلتے۔ پوچھنے پر فرمایا ممکن ہے کہ ان راستوں پر نبی علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشان موجود ہوں۔ اگر میرے قدم ان نشانوں پر آ گئے تو سخت بے ادبی ہوگی۔

مثال نمبر ۸:

ابام شافعہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کے پاس سواری کے لئے بہترین گھوڑے موجود ہیں مگر آپ مدینہ منورہ میں گھوڑے پر سوار کیوں نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا مجھے زیب نہیں دیتا کہ جس مقدس جگہ پر میرے آقا کے مبارک قدم لگے ہوں میں اس جگہ کو گھوڑے کے

سموں سے پامال کروں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جذب القلوب میں لکھا ہے ”امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ادب نبوی ﷺ کی وجہ سے مدینہ منورہ میں گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔“

مثال نمبر ۹:

ایک مرتبہ کسی شخص نے دوران گفتگو کہا کہ مدینہ منورہ کی مٹی خراب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر فتویٰ دیا کہ اسے تیس درے مارے جائیں اور کچھ عرصہ کیلئے قید کر دیا جائے۔ کسی نے پوچھا کہ اتنی سخت کیوں؟ فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اس کی گردن مار دی جائے۔ جس زمین میں اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ آرام فرما ہیں وہ اس کے متعلق گمان کرتا ہے کہ اس کی مٹی خراب ہے۔

(شفاء)

ایک شاعر نے کتنے خوبصورت الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کیا ہے:

ادب گاہست زیر آسمان از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

[آسمان کے نیچے عرش الہی سے بھی زیادہ نازک یہ ادب گاہ (روضہ

اقدس) ہے۔ جنید و بایزید رحمۃ اللہ علیہا جیسی ہستیاں بھی یہاں سانس

روک کر حاضری دیتی ہیں]

گویا اس بارگاہ اقدس میں زور سے سانس لینا بھی بے ادبی ہے۔ حضرت

نارنجی نے بھی کیسا خوبصورت شعر کہا ہے۔

یہ شور تنفس بھی ہمیں بار ہوا ہے

مثال نمبر ۱۰:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روضہ اقدس اور مسجد نبوی ﷺ کا بہت زیادہ ادب کرتے تھے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا:

لَوْ رَأَيْتُمْ مَا رَأَيْتُمْ لَمَا أَنْكَرْتُمْ عَلٰی مَا تَرَوْنَ

[اگر تم وہ دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں تو پھر میرے عمل پر اعتراض نہ کرتے]

یہ اسی ادب نبوی ﷺ ہی کی برکت تھی کہ آپ کو نبی اکرم ﷺ کا خواب میں کثرت سے دیدار ہوتا تھا۔ حضرت ابو سعدؓ حلیہ میں شفی بن سعیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں مجھے نبی اکرم ﷺ کا دیدار نصیب نہ ہوا ہو۔

مثال نمبر ۱۱:

حضرت ابو الفضل جوہری اندلیسی نے مدینہ طیبہ کے لمبے سفر کا قصد کیا۔ جب شہر کے مکانات نظر آنے لگے تو سواری سے اتر پڑے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے پیدل چلے۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَمْعًا مِّنْ لَّمْ يَدْعُ لَنَا
فُؤَادًا لِّعِرْفَانِ الرُّسُومِ وَلَا لُبًّا
نَزَلْنَا عَنِ الْأَكْوَارِ نَمْشِي بِكِرَامًا
لِّمَنْ بَانَ عَنْهُ أَنَّ نُلَيْمَ بِهِ رَحْبًا

[جب ہم نے اس ذات شریف کے آثار دیکھے جس نے آثار کی پہچان کے لئے نہ ہمارے پاس دل چھوڑا نہ عقل چھوڑی۔ پس ہم سواری سے

اتر پڑے اور ذات اقدس کی تعظیم کے لئے پیدل چلنے لگے جسکی زیارت
سواری کی حالت میں بعید از ادب ہے]

مثال نمبر ۱۲:

تح الاسلام حافظ ابو الفتح تقی الدین بن دقین العید، نبی اکرم ﷺ کی تعظیم
میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

يَا سَائِرًا نَحْوَ الْحِجَازِ مُسْمِرًا
إِجْهَدْ قَدَيْنَاكَ فِي الْمَسِيرِ وَفِي الشَّرَى
وَإِذَا سَهَرْتَ اللَّيْلَ فِي طَلَبِ الْعُلَى
فَحَذِرْ ثُمَّ حَذِرْ مِنْ خَدَعِ الْكِرَى
فَاقْصُدْ حَيْثُ النُّورِ يَشْرِقُ سَاطِعًا
وَالطَّرْفِ حَيْثُ تَرَى لِرَى مُتَعَطِّرًا
قِفْ بِالْمَنَازِلِ وَالْمَنَاهِلِ مِنْ لَدُنْ
وَادِي قُبَاءٍ إِلَى حِمَى أُمِّ الْقُرَى
وَرُتُوحِ آثَارِ النَّبِيِّ فَضَعُ بِهَا
مُتَشَرِّفًا خَدْيِكَ فِي عَفْرِ الشَّرَى
وَإِذَا رَأَيْتَ مَهَابِطَ الْوُحْيِ الَّتِي
نَشَرَتْ عَلَى الْأَفَاقِ نُورًا أَنْوَارَ
فَاعْلَمْ بِأَنَّكَ مَا رَأَيْتَ شَبِيهَا
مَذْكُوتٌ فِي مَاضِي الزَّمَانِ وَلَا تَرَى

(اے حجاز کی طرف چلنے والے!۔ میں تجھ پر فدا کہ تو رات دن چلنے میں کوشش کرتا)

(جب تو بزرگیوں کی طلب میں رات کو جاگے۔ تو اونگھ کے قریب سے بھی بچتا پھر بچتا)
 (تو اس جگہ کا قصد کرنا جہاں نورِ خوب چمک رہا ہے۔ اور جہاں کی خاک خوشبودار نظر آتی ہے)
 (تو ان منازل اور چشموں پر ٹھہر جانا۔ جو داوی قبا کے قریب ام القریٰ کے سبزہ زار تک ہیں)
 (پھر نبی اکرمؐ کے آثار کا قصد کرنا۔ انکی زیارت کرتے ہوئے دونوں رخسار کو خاک پر رکھ دینا)
 (جو تو وحی اترنے کی جگہ کو دیکھے۔ جنہوں نے تمام دنیا پر نور ہی نور پھیلا دیا)
 (تو جان لینا کہ تو نے اس کی مثل نہیں دیکھا۔ نہ اپنے ماضی میں اور نہ ہی آئندہ دیکھے گا)

مثال نمبر ۱۳:

بعض مشائخ عظام سفرِ مدینہ کے لئے پیادہ پا اپنے گھروں سے روانہ ہوئے۔ جب پوچھا گیا تو فرمایا کہ مفرد غلام اپنے آقا کے دروازے پر سوار ہو کر نہیں آتا۔ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو سر کے بل چل کے آتے۔ (الشفاء)

مثال نمبر ۱۴:

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا جب وقت وفات آیا تو بعض لوگوں نے سوچا کہ انہیں گنبدِ خضریٰ میں دفن کریں گے۔ جب یہ بات ان کے کانوں میں پڑی تو منع کرتے ہوئے فرمایا

”میرا نبی اکرم ﷺ کے نزدیک دفن ہونا میری گستاخی اور نبی علیہ السلام کی بے ادبی ہے۔ میری اوقات کیا ہے کہ میری قبر ان ﷺ کے قریب ہو“

مثال نمبر ۱۵:

علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کے ساتھ قبر

مبارک میں جو مٹی لگ رہی ہے وہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے۔ بانیء دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نہایت خوبصورت اور نازک اندام تھے۔ جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو جوتے نہیں پہنتے تھے۔ سنگلاخ زمین پر پیادہ چلنے سے پاؤں کے تلوے زخمی ہو گئے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت! جوتے کیوں نہیں پہن لیتے؟ فرمایا، جس دیار میں میرے آقا ﷺ کے مبارک قدموں کے نشانات ہوں میں انہیں جوتوں سے کیسے پامال کروں؟ یہ تو سراسر بے ادبی اور گستاخی ہے۔

یہ خاک مقدس ہے گلابوں کی جبین سے
آہستہ قدم رکھنا مدینہ ہے مدینہ

سفر حج سے واپسی پر آپ نے شان رسالت ﷺ میں ایک قصیدہ لکھا جس کے دو اشعار درج ذیل ہیں۔

امیدیں لاکھوں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگان مدینہ میں میرا شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مجھ کو مدینہ کے مرغ و مار

مثال نمبر ۱۶:

ایک شخص نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو سبز رنگ کا نہایت خوبصورت جوتا ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے ہدیہ کو سنت کی نیت سے قبول تو فرمایا مگر جوتے کو استعمال نہ کیا۔ کسی کے پوچھنے پر فرمایا قاسم کو زیب نہیں دیتا کہ گنبد خضریٰ کا رنگ

بھی سبز ہو اور میرے جوتے کا رنگ بھی سبز ہو۔ سبز رنگ کا جوتا پہننا میرے نزدیک بے ادبی ہے۔

مثال نمبر ۱:

کسی شخص نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک کپڑا پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ مدینہ سے لایا ہوں۔ آپ نے اس کپڑے کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔ ایک طالب علم نے کہا، حضرت یہ تو غیر ملکی کپڑا ہے، مدینے کا بنا ہوا تو نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا جس ملک کا بھی بنا ہوا ہے اسے دیا ر محبوب ﷺ کی ہوا تو لگی ہے ناں۔ عشق نبوی ﷺ اور ادب نبوی ﷺ کی کتنی عمدہ مثال ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کا ادب:

وہ شاہ اہم، وہ سراپا جود و کرم، وہ ماہ فضل و کمال، وہ سراپا حسن و جمال کہ جن کو اللہ رب العزت نے سب نبیوں سے پہلے پیدا فرمایا مگر سب سے آخر میں مبعوث فرمایا۔

- ۸۔ جنہوں نے یوم الست میں سب سے پہلے "بلی" کا نعرہ لگایا
- ۸۔ جن کی مدد و نصرت کی گواہی عالم ارواح میں انبیائے کرام سے لی گئی
- ۸۔ جن کی آمد کی خوشخبری ہر الہامی کتاب میں دی گئی
- ۸۔ جن کے ہنگاموں کو فرشتے ہلایا کرتے تھے
- ۸۔ جن کے نور ولادت نے دنیا کو جگمگایا
- ۸۔ جن کے حسن و جمال کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا
- ۸۔ جن کے لعاب مبارک نے کڑوے پانی کو میٹھا کر دیا
- ۸۔ جن کی مبارک انگلیوں سے پانی کا چشما اہل پردہ

- ۸۔ جن کی چشمِ مبارک اگر محو خواب ہوتی تو بھی دل مبارک بیدار رہتا تھا۔
- ۸۔ جن کا مبارک پسینہ مشک و عنبر سے بھی زیادہ خوشبودار تھا
- ۸۔ جن کے جسمِ اطہر پر کبھی بھی نہ بیٹھتی تھی
- ۸۔ جن کے بدن مبارک سے نکلنے والی نجاست بھی پاک تھی
- ۸۔ جن کی ولادت باسعادت پر شیاطین کو آسمان پر جانے سے روک دیا گیا
- ۸۔ جن کا قرین اور موکل جن بھی مسلمان ہو گیا
- ۸۔ جن پر درود و سلام بھیجتا امت پر واجب کر دیا گیا
- ۸۔ جن کو رحمت للعالین بنا کر بھیجا گیا
- ۸۔ جن کے سر پر نُصْرَت بِالرَّغْبِ کا تاج سجایا گیا
- ۸۔ جن کو وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا مژدہ سنایا گیا
- ۸۔ جن کا وجود مسعود اپنے مرقدِ اقدس میں حیاتِ حقیقہ کے ساتھ زندہ ہے
- ۸۔ جن کا مرقد مبارک عرشِ معلیٰ سے بھی افضل ہے
- ۸۔ جن کے مرقد مبارک پر موکل فرشتہ امت کا درود و سلام پہنچاتا ہے
- ۸۔ جن کے حجرہ اور منبر کا درمیانی حصہ بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے
- ۸۔ جن کو قیامت کے دن مقامِ محمود عطا کیا جائے گا
- ۸۔ جن کو حوضِ کوثر کا والی بنایا جائے گا
- ۸۔ جن کی امت قیامت کے دن سب امتوں سے زیادہ ہوگی
- ۸۔ جن سے دین کی تبلیغ پر قیامت کے دن گواہی طلب نہ کی جائے گی
- ۸۔ جن پر نازل ہونے والی کتاب جنہ میں بھی پڑھی جائے گی
- ۸۔ جن کی زبان عربی اہل جنہ کی زبانِ بنیادی جائیگی

۸۔ جن کے خیر مقدم کے لئے کائنات کو دہن کی طرح سجایا گیا بقول شخصے

کتاب فطرت کے سرورق پر جو نام احمد رقم نہ ہوتا
تو نقش ہستی ابھر نہ سکتا وجود لوح قلم نہ ہوتا
زمین نہ ہوتی فلک نہ ہوتا عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا
یہ محفل کن فکاں نہ ہوتی اگر وہ شاہ ام نہ ہوتا

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں فرماتے ہیں کہ وہ تمام چیزیں جن کو سیدنا رسول اللہ ﷺ سے نسبت ہے ان کی تعظیم مکرم کرنا، حرمین میں آپ ﷺ کے مشاہد و مساکن کی تعظیم کرنا اور وہ چیزیں جو آپ ﷺ کے نام سے پکاری جاتی ہوں یا جن کو آپ نے اپنے دست مبارک سے چھوا ہو، ان سب کا ادب اکرام کرنا درحقیقت نبی علیہ السلام ہی کے اکرام میں داخل ہے۔ سلف صالحین کا دستور تھا کہ جن محفلوں میں حدیث نبوی ﷺ سنی یا سنائی جاتی ان محفلوں میں با ادب اور باوقار بیٹھتے جس طرح صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں با ادب ہو کر بیٹھتے تھے۔ یہ سب اس لئے تھا کہ وہ حدیث رسول ﷺ کے ادب کو درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا ادب تصور کرتے تھے۔

حدیث مبارک پڑھنے یا پڑھانے اور سننے یا سنانے کی مجالس کے چند آداب درج ذیل ہیں

① افضل درجہ تو یہ ہے کہ غسل کر لیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم با وضو ہو کر شامل ہوتا۔

② جسم اور کپڑوں پر خوشبو لگانا۔

● دوزانو ہو کر بیٹھنا۔

- 4 پڑھنے والے کے لئے حدیث مبارک اونچی جگہ پر بیٹھ کر پڑھنا۔
- 5 جب حدیث مبارک پڑھی جائے تو آواز کو پست رکھنا۔
- 6 سننے والوں کے لئے حدیث مبارک خاموشی سے سننا۔
- 7 حدیث مبارکہ پڑھنے پڑھانے کے دوران اگر کوئی مہمان بھی آجائے تو اس کی تعظیم کے لئے نہ اٹھنا۔
- 8 اگر کوئی حدیث مبارکہ پہلے پڑھی یا سنی ہوئی ہو تو اسے بھی اس طرح پوری توجہ سے سنتا جیسے پہلی دفعہ سن رہا ہو۔

تعلیم حدیث ﷺ میں سلف صالحین کے چند واقعات

حدیث پڑھنے پڑھانے سے متعلق سلف صالحین کے چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

مثال نمبر ۱:

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد امام عبدالرحمن بن مہدی (المتوفی 198ھ) کا یہ معمول تھا کہ جب ان کے سامنے حدیث پاک پڑھی یا سنائی جاتی تو وہ لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ کہ اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو اور نیز یہ بھی فرماتے کہ حدیث شریف پڑھتے پڑھاتے وقت خاموش رہنا اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ ﷺ کے دنیا میں ارشاد فرماتے وقت لازم تھا۔

(مدارج النبوت)

مثال نمبر ۲:

رئیس التابین حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۳ ھ) یار ہونے کی وجہ سے ایک پہلو پر لیٹے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے ان سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور حدیث بیان کی۔ سائل نے کہا کہ آپ نے اتنی تکلیف کیوں کی۔ فرمایا میں اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث کروٹ کے بل لیٹے لیٹے بیان کروں۔

(مدارج النبوت: ج ۱، ص ۵۴۱)

مثال نمبر ۳:

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۱۸ ھ) اس امر کو مستحب سمجھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کیا حدیث با وضو ہی پڑھائیں۔

(مصنف عبدالرزاق: ج ۱، ص ۳۴۳)

مثال نمبر ۴:

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا جب وضو نہ ہوتا اور حدیث بیان کرنا چاہتے تو تیمم کر لیتے تھے۔ (جامع بیان العلم: ج ۲، ص ۱۹۸)

مثال نمبر ۵:

حضرت ضرار بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سلف صالحین اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ بے وضو نبی علیہ السلام کی حدیثیں بیان کریں۔

(جامع بیان العلم: ج ۲، ص ۱۹۸)

مثال نمبر ۶:

حضرت امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۷۵ھ) کتابت حدیث بھی وضو کر کے کیا کرتے تھے (مدارج النبوت ج ۱، ص ۵۴۳)

مثال نمبر ۷:

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے صحیح بخاری میں جو حدیثیں بھی درج کی ہیں اس سے پہلے میں نے غسل کیا ہے اور دو رکعت نماز پڑھی ہے

”مَا وَضَعْتُ فِي كِتَابِ الصَّحِيحِ حَدِيثًا إِلَّا غَسَلْتُ قَبْلَ ذَلِكَ وَصَلَّيْتُ رَكَعَتَيْنِ“ (مقدمہ حاشیہ بخاری: ص ۴)

مثال نمبر ۸:

خالد بن احمد الذہلی گورنر بخارا نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ گھر آ کر میرے لڑکوں کو صحیح بخاری اور تاریخ کبیر پڑھا دیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قاصد کو جواب دیا کہ میں علم کی توہین نہیں کر سکتا اور نہ لوگوں کے گمروں میں علم اور کتابیں لئے پھر سکتا ہوں۔ گورنر صاحب سے کہہ دیجئے کہ اگر ان کو علم کا شوق ہے تو وہ میری مسجد یا گھر میں آ کر مجھ سے پڑھ لیا کریں۔ گورنر صاحب کا پیغام آیا کہ اچھا آپ میرے لڑکے کیلئے ایک الگ مجلس منعقد کیا کریں جس میں کوئی دوسرا طالب علم شریک نہ ہو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں دین کے بارے میں یہ امتیازی رویہ ہرگز صحیح نہیں سمجھتا۔ گورنر صاحب نے جب یہ کھرا کھرا جواب سنا تو بعض علماء کو جنہیں امام بخاری رحمۃ اللہ

منیہ سے حسد تھا ان کے پیچھے لگا دیا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخارا کو خیر باد کہتے ہوئے سرقد تشریف لے گئے۔ وہیں کچھ عرصہ کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا اور سرقد سے چھ میل دور خرنگ کے مقام میں مدفون ہوئے۔ (بغدادی: ج ۲، ص ۳۳)

مثال نمبر ۹:

امام قیسہ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ (التوفی 215ھ) کے دروازے پر بادشاہ ابو دلف کا لڑکا مع اپنے خادموں کے حدیث کی روایات حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت قیسہ رحمۃ اللہ علیہ نے نکلنے میں کچھ دیر کی تو شہزادہ کے خادموں نے آواز دی۔ شہزادہ دروازے پر ہے اور آپ باہر نہیں آتے؟ حضرت قیسہ رحمۃ اللہ علیہ باہر نکلے تو انہوں نے اپنے تہبند کے کنارے پر خشک روٹی کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا۔ فرمایا کہ جو شخص دنیا سے صرف اس پر راضی ہو وہ شہزادے کو کیا جانتا ہے۔ بخدا میں (شہزادے کی بے ادبی کی وجہ سے) اس سے حدیث بیان نہیں کروں گا۔ (تذکرہ: ج ۱، ص ۳۴۰)

مثال نمبر ۱۰:

جب لوگ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے آتے تو ایک خادمہ ان لوگوں سے پہلے دریافت کرتی کہ حدیث مبارک کے لئے آئے ہو یا فقہی مسائل معلوم کرنے کے لئے؟ اگر وہ کہتے کہ مسائل معلوم کرنے کے لئے آئے ہیں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فوراً نکل آتے۔ اگر وہ کہتے کہ ہم حدیث مبارک کی سماعت کے لئے آئے ہیں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ غسل کر کے خوشبو لگاتے اور نیا لباس زیب تن کر کے باہر تشریف لاتے۔ آپ کے لئے ایک تخت

بچھایا جاتا جس پر بیٹھ کر آپ حدیث بیان فرماتے۔ اثنائے روایت مجلس میں عود (خوشبو) کی دھونی دی جاتی۔ کسی طالب علم نے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو فرمایا، ”میں چاہتا ہوں کہ اس طرح سیدنا رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تعظیم کروں۔“

مثال نمبر ۱۱:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ہم سے احادیث نبوی ﷺ بیان فرما رہے تھے۔ قرأت حدیث کے دوران آپ کا رنگ زرد ہو رہا تھا مگر آپ نے حدیث مبارک کو قطع نہ کیا۔ جب آپ روایت حدیث سے فارغ ہوئے تو مجھے فرمایا تھا کہ ذرا میری کر دیکھو؟ میں نے کپڑا ہٹایا تو دیکھا کہ ایک بچھونے سولہ مرتبہ ڈسا تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے بتا کیوں نہ دیا؟ فرمایا میں نے رسول اللہ کی عظمت کے لئے صبر کیا۔ (مواہب و الشفاء)

مثال نمبر ۱۲:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عقیق جا رہا تھا۔ دوران گفتگو میں نے ایک حدیث مبارک کی بابت پوچھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے جھڑک دیا اور فرمایا کہ مجھے آپ سے یہ توقع نہ تھی کہ راستہ چلتے ہوئے مجھ سے حدیث مبارک کی بابت سوال کرو گے۔ (ان کے نزدیک یہ ادب نبوی ﷺ کے خلاف تھا)

مثال نمبر ۱۳:

ایک مرتبہ ہشام بن عمار رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کھڑے

ہونے کی حالت میں ایک حدیث پوچھی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ حدیث نبوی ﷺ کی یہ بے ادبی اتنی ناگوار گزری کہ اسے سزا کے طور پر بیس کوڑے لگائے۔ پھر ترس کھا کر بیس حدیثیں روایت کیں۔ یہ دیکھ کر ہشام نے کہا کہ کاش! امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مجھے اور زیادہ کوڑے مارتے پھر اور اتنی زیادہ حدیثیں روایت کرتے۔

مثال نمبر ۱۴:

ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کسی جگہ کھڑے تھے۔ اسی دوران قاضی جریر بن عبد الحمید نے آپ سے ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے ان کے لئے چند دن کی قید کا حکم دے دیا۔ جب لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا ”قاضی اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے ادب سکھایا جائے“

مثال نمبر ۱۵:

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ خوش طبع شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک کا ذکر آتا تو ان پر ادب کی وجہ سے خشوع طاری ہو جاتا تھا۔

مثال نمبر ۱۶:

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ درس حدیث میں مشغول تھے کہ انہیں سخت پیاس کی وجہ سے حلق اتنا خشک محسوس ہوا کہ بولنا بھی مشکل ہو گیا۔ انہوں نے ایک طالب علم سے فرمایا پانی لے آؤ۔ طالب علم جب گھر پہنچا اور پینے کے لئے پانی طلب کیا تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بہت

پریشان ہوئے اور فرمایا "افسوس ہمارے خاندان سے علم رخصت ہو گیا" اہلیہ صاحبہ نے کہا کہ آپ جلدی نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے پانی کے گلاس میں سرکہ ملا کر بھیجا۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پی لیا اور انہیں پتہ ہی نہ چلا کہ پانی میں سرکہ ملا ہوا ہے۔ جب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ صورتحال معلوم ہوئی تو فرمایا "الحمد للہ ابھی ہمارے خاندان میں علم باقی ہے۔"



باب نمبر 4

شعائر اللہ کا ادب

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝ (الحج: ۳۲)
[جو شخص اللہ تعالیٰ کی یادگاروں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ کی

وجہ سے ہوتا ہے]

شعائر کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی یادگاروں کو یعنی اس کے دین کی نشانیوں، علامتوں اور اس کی نامزد چیزوں کو۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قلب میں جس درجہ کا تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت ہوگی اسی درجہ کی تعظیم اس سے سرزد ہوگی۔ تقویٰ اور فجور کا اصل منشا اور منبع قلوب ہیں۔ اعضاء ظاہری ان آثار کے مظہر ہیں۔ باطن کا اثر ظاہر سے نمایاں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم تقویٰ کی علامت ہے اور آثار تو حید میں سے ہے۔ اس لئے کہ عاشق کی شان یہ ہے کہ جو چیز اس کے محبوب کی طرف سے منسوب اور نامزد ہو دل و جان سے اس کا ادب و احترام کرے۔

قرآن مجید کے آداب

قرآن مجید کو چھونے کے آداب:

ارشاد باری تعالیٰ ہے

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (الواقعة: ۷۹)

(اس قرآن کو وہی ہاتھ لگائیں جو پاک ہوں)

قرآن مجید اتنی مقدس اور بابرکت کتاب ہے کہ جسے بغیر طہارت کاملہ کے چھونا جائز نہیں۔ طہارت کاملہ سے مراد حدث اکبر (جنابت، حیض و نفاس) اور حدث اصغر (بے وضو ہونا) دونوں سے پاک ہونا ہے۔ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم ؓ کو یہ فرمان لکھا۔ لا یمسہ الا طاهر (اسے نہیں چھوس سکتا مگر پاک) مراسل ابوداؤد میں ہے کہ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میں نے خود اس خط کو دیکھا ہے اور اس میں یہ جملہ پڑھا ہے۔

مشہور روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے اسلام لانے سے قبل اپنی بہن کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے پایا اور اوراق دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو بہن نے کہا تو نا پاک ہے اس لئے ان مقدس اوراق کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ چنانچہ حضرت عمر ؓ نے غسل کر کے طہارت حاصل کی پھر وہ اوراق پڑھے۔ قرآن مجید کو چھونے کے بارے میں چند فقہی مسائل درج ذیل ہیں۔

① ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے لئے حدث اکبر حدث اصغر سے پاک ہونا ضروری ہے۔

② قرآن مجید کا غلاف جو جلد کے ساتھ سلا ہو وہ بحکم قرآن ہے البتہ قرآن مجید کا جزو دان جو علیحدہ کپڑے کا ہوتا ہے اسے ہاتھ لگانا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں۔ (تفسیر مظہری)

③ جو کپڑا آدمی نے پہن رکھا ہو اس کی آستین یا دامن سے قرآن مجید کو بلا وضو چھونا بھی جائز نہیں۔ البتہ علیحدہ چادر اور رد مال سے چھوا جاسکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

④ ایسی کتابیں جن میں قرآنی آیات دوسری عبارات سے کم ہوں انہیں بلا وضو چھوا جاسکتا ہے۔ ان میں بعض کتب تفسیر بھی آجاتی ہیں۔ فقہائے احناف نے لکھا ہے۔ و الاصح انہ لا یکرہ عندہ ابی حنیفہ (زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ نہیں) البتہ خاص اس مقام کو جہاں قرآنی آیات لکھی ہوئی ہوں بغیر وضو کے چھونا گناہ ہے۔ علامہ شامی رد المحتار میں لکھتے ہیں۔ ان کتب التفسیر لا یجوز مس موضع القرآن منها (کتب تفسیر میں خاص آیات قرآن کے مواقع کو) بلا وضو چھونا جائز نہیں۔

⑤ کسی کتاب میں قرآن مجید کی آیات کا صرف ترجمہ کسی دوسری زبان میں لکھا گیا ہو تو حقیقت میں وہ قرآن مجید تو نہیں ہوتا مگر ادب قرآن کا تقاضا یہی ہے کہ اسے بھی بغیر وضو کے ہاتھ نہ لگایا جائے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

ولو کان القرآن مکتوبا بالفارسیۃ بکرہ لہم مسہ عند ابی حنیفہ و کذا عنہما۔

(اگر قرآن مجید صرف فارسی میں لکھا ہوا ہو تو اسے بلا وضو ہاتھ لگانا امام

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے)

⑥ نابالغ بچے کو جو قرآن مجید کے طالب علم ہوں وہ بغیر وضو کے قرآن مجید کو چھو سکتے ہیں۔ ان کے بار بار وضو کرنے سے جہاں تعلیم و تدریس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے وہاں یہ بھی خدشہ ہے کہ بچے عدم دلچسپی کا شکار نہ ہو جائیں۔ تفسیر مدارک میں ہے۔

لا باس بدفع المصحف الی الصبیان و ان کانوا محدثین

(بچوں کو اس حالت میں قرآن مجید پکڑانا کہ ان کا وضو نہ ہو جائز ہے)

تلاوت قرآن کے آداب:

قرآن مجید کی تلاوت کے آداب دو طرح کے ہیں۔ ایک آداب ظاہری اور دوسرے آداب باطنی۔ دونوں طرح کے آداب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

① آداب ظاہری:

آداب ظاہری کی تفصیل یہ ہے۔

● با وضو اور قبلہ رو ہو کر بیٹھے۔ اگر خوشبو بھی لگالے تو بہتر ہے۔

● تلاوت کرتے وقت لباس بھی پاکیزہ ہونا چاہئے۔

● ایسی جگہ نہ بیٹھے جہاں آنے جانے والوں کو تنگی ہو یا انکی پشت ہونے کا امکان

ہو۔

● قرآن مجید کو ہنسی۔ رحل یا اونچی جگہ پر رکھے۔

● تلاوت قرآن کا آغاز تعوذ اور تسبیح سے کرے۔

● جب دوران تلاوت کوئی سورت آجائے تو تعوذ پڑھنے کی ضرورت نہیں صرف

تسمیہ پڑھا جائے۔

● جب آغاز تلاوت سورۃ توبہ سے ہو تو تعوذ ضروری ہے اور تسمیہ میں اختیار ہے۔ چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے۔

● جب دوران تلاوت سورۃ توبہ آجائے تو تعوذ اور تسمیہ دونوں کا پڑھنا ضروری نہیں۔

● جہاں مختلف لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں وہاں زیر لب پڑھنا بہتر ہے۔

● اگر تنہائی نصیب ہو تو اونچی آواز سے تلاوت کر سکتا ہے۔ اگر کسی کی تکلیف کا اندیشہ ہو تو آہستہ پڑھے۔

● اونچی آواز سے تلاوت کرتے ہوئے اپنے کان یا رخسار پر ہاتھ نہ رکھے کیونکہ یہ گانے والوں کا طریقہ ہے۔

● قرآن مجید کو تجوید کے اصولوں کے مطابق عمدہ اور صحیح مخارج اور صفات کا لحاظ رکھتے ہوئے پڑھے۔

● جتنا ممکن ہو قرآن مجید کو ترتیل سے (مطمئنہ کر) پڑھے۔

● رموز و اوقاف کا خیال رکھ کر تلاوت کرے۔

● اپنی بساط کے مطابق خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرے تاہم راگ اور گانے کی طرز لگانا بے ادبی ہے۔

● آیات رحمت پر رحمت کی دعا کرے جبکہ آیات وعید پر مغفرت کی دعا کرے۔

● دوران تلاوت ادھر ادھر دیکھنا بے ادبی میں داخل ہے۔

● تلاوت کرتے وقت اپنے پاؤں پر ہاتھ نہ رکھے اور نہ ادھر ادھر کی چیزوں کے

ساتھ کھیلے۔ اگر ورق الٹنا پڑے تو انگلی پر تھوک زبان سے نہ لگائے کہ بے ادبی ہے۔

● دوران تلاوت ناک میں انگلی ڈالنا ادب کے خلاف ہے۔

● دوران تلاوت کسی سے بات نہ کرے۔ اگر ضروری ہو تو آیت مکمل کر کے قرآن مجید بند کر کے بات کرے۔ اگر ممکن ہو تو رکوۃ مکمل کر کے کلام کرے۔ دوبارہ تلاوت کرنے سے پہلے تعوذ ضرور پڑھے۔

● دوران تلاوت آیات عذاب پر رونے کی کوشش کرے تو بہتر ہے۔

● آیات جہدہ پر جہدہ کرے اگر فوراً نہیں تو بعد میں پہلی فرصت میں جہدہ کرے یہ ان آیات کا حق ہے۔

● جب طبیعت تلاوت کرتے کرتے تھک جائے تو رک جائے۔ تلاوت کے دوران طبیعت کا انشراح بہتر ہے۔

● قرآن مجید مکمل کرنے پر دعا کرنا سنت نبوی ﷺ ہے۔

2 آداب باطنی:

قرآن مجید کی تلاوت کے باطنی آداب درج ذیل ہیں۔

● کلام پاک کی عظمت دل میں رکھے کہ کیسا عالی مرتبہ کلام ہے۔

● اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کو دل میں رکھے کہ جس کا کلام ہے۔

● دل کو دوساوس اور خطرات سے پاک رکھے۔

● معافی کا تدبیر کرے اور لذت کے ساتھ پڑھے۔

● جن آیات کی تلاوت کر رہا ہے دل کو ان کے تابع بنادے مثلاً اگر آیت

رحمت زبان پر ہے تو دل سرور محض بن جائے اور اگر آیت عذاب زبان پر

ہے تو دل لرز جائے۔

●۔ اپنے کانوں کو اس درجہ متوجہ بنا دے کہ گویا اللہ تعالیٰ کلام فرما رہے ہیں اور یہ سن رہا ہے۔

تلاوت قرآن سننے کے آداب:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

(الاعراف: ۲۰۳)

(اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحمت ہو) دنیا کا دستور ہے کہ اگر کسی محفل میں حاکم کا فرمان پڑھ کر سنایا جائے تو سننے والے ہمہ تن گوش ہو کر سنتے ہیں اور اگر کوئی شور مچائے تو اسے سزا دی جاتی ہے۔ جب دنیا کے فانی حکام کی یہ شان ہوتی ہے تو پھر احکم الحاکمین کی عظمتوں کا کیا کہنا کہ زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجیاں جس کے ہاتھ میں ہیں۔ پس قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی ہو تو سامعین کو چاہئے کہ حاضر باش اور طالب صادق بن کر خاموشی اور ادب سے تلاوت سنیں اور اپنے سینوں کو رحمتوں کے خزانے بنائیں۔ کلام کا احترام صاحب کلام کی عظمت کے متناسب ہوتا ہے۔ یہ فقط انسانی فطرت کا تقاضا ہی نہیں بلکہ اس میں جنات بھی برابر کے شریک ہیں۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ اپنے اصحابؓ کے ہمراہ عکاظ کے بازار کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں نماز فجر ادا کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اونچی آواز سے تلاوت فرمائی۔ قریب سے گزرنے والے جنات نے جب نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے قرآن سنا تو ان کے دلوں پر اس کلام مقدس کا بڑا اثر ہوا۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے کو خاموشی سے سننے کی تلقین کرنے لگے۔ قرآن مجید میں

اس کا نقشہ یوں کھینچا گیا۔

وَإِذَا صَرَّفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ

(الاحقاف: ۲۹)

[اور یاد کرو جب کہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف متوجہ کیا وہ قرآن سن رہے تھے۔ پس جب ان کے پاس پہنچے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خاموش ہو جاؤ۔ پھر جب (قرآن کا پڑھنا) ختم ہو گیا تو اپنی قوم کو ڈرانے کے لئے واپس گئے]

مندرجہ بالا آیات سے متعلق چند مسائل و معارف درج ذیل ہیں۔

① نماز میں جب امام بلند آواز سے قراءت کرے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ خاموش رہ کر تلاوت سنیں۔ وَاِذَا قَرَأْتَ فَانصتُوا (مسلم شریف)

② خطبہ جمعہ کے دوران چونکہ قرآنی آیات کی بھی تلاوت ہوتی ہے لہذا سامعین کو چاہئے کہ خاموش رہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَا صُلُوۃَ وَلَا كَلَامَ (جب امام خطبہ کے لئے نکل آئے تو نہ نماز ہے نہ کلام)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب امام نماز میں یا خطیب خطبہ میں ایسی آیات کی تلاوت کر رہا ہو جو جنت یا دوزخ سے متعلق ہوں تو سننے والے کو جنت کی دعا اور دوزخ سے پناہ مانگنا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وعدہ اس شخص کیلئے ہے جو تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہے۔ جو خاموش نہ رہے اس سے وعدہ نہیں (تفسیر مظہری)

③ خطبہ جمعہ کی طرح خطبہ عیدین میں بھی خاموش رہنا سامعین پر واجب ہے۔ (معارف القرآن)

4. ایسی جگہ جہاں لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں یا آرام کرتے ہوں کسی کے لئے بلند آواز سے قرآن پڑھنا جائز نہیں۔ اگر پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔ سننے والے نہ سنیں تو گنجائش ہے۔ اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ وہ پھر بھی خاموش رہیں اور توجہ سے سنیں۔ علامہ ذاکر خالد محمود اپنی کتاب "آثار التذلل" میں لکھتے ہیں۔

"قرآن کے احترام کا تقاضا ہے کہ جب بھی اصلاح و ارشاد یا ذکر و عبادت کے طور پر پڑھا جا رہا ہو تو اس ارشاد کے سامعین اور اس عبادت کے شاملین پوری طرح خاموش رہیں اور ہمہ تن گوش بنیں۔ ہاں جو لوگ اس وقت مخاطب نہ ہوں یا وہ اس عبادت میں شامل نہ ہوں تو وہ اس حکم کے مکلف نہیں۔ طالب علم ایک جگہ بیٹھ کر سب کے سب اکٹھے پڑھتے ہیں۔ یہ پڑھنا بطریق ارشاد نہیں بلکہ بطریق مشق ہے۔ پس اس صورت میں یہ پابندی نہیں۔ ورنہ حفظ قرآن اور مشق ناظرہ دونوں متاثر ہوں گے۔ اسی طرح جب نماز ہو رہی ہو تو جو لوگ اس جماعت میں شامل نہیں وہ بھی اس حکم کے پابند نہیں۔ یہ قرآنی آیات انہی لوگوں کو پابند کر رہی ہیں جو شرکائے مجلس ہوں، واللہ اعلم بالصواب۔"

قرآن مجید کی بے ادبی کی مختلف صورتیں:

قرآن مجید کی بے ادبی کی مختلف صورتیں درج ذیل ہیں۔ ہر مسلمان کو ان سے حتیٰ الوسع اجتناب کرنا چاہئے۔

1. بغیر وضو قرآن مجید کو چھونا۔
2. کتب تفسیر یا عام کتابوں میں مرقوم قرآنی آیات پر بغیر وضو ہاتھ لگانا
3. نجس جگہ پر بیٹھے ہوئے زبانی یا ناظرہ قرآن مجید پڑھنا۔
4. جب تلاوت کی آواز کانوں میں پڑ رہی ہو تو اس کو خاموشی سے نہ سننا۔

5. قرآن مجید یاد کر کے بھول جانا۔
6. قرآن مجید کے اوپر کوئی کتاب رکھنا خواہ حدیث یافتہ ہی کی کیوں نہ ہو۔
7. قرآن مجید کے اوپر اپنی عینک، قلم یا ٹوپی وغیرہ رکھنا۔
8. قرآن مجید کی طرف پاؤں پھیلا نا۔
9. قرآن مجید نیچے ہونا اور خود قریب ہی اونچی جگہ پر بیٹھنا۔
10. قرآن مجید ایسی جگہ پر رکھنا جہاں آنے جانے والوں کی پشت ہوتی ہو۔
11. تلاوت کے دوران پاؤں کو ہاتھ لگانا یا تاک میں انگلی ڈالنا۔
12. بغیر شرعی عذر کے لیٹ کر قرآن مجید پڑھنا۔ خواہ ناظرہ ہو یا زبانی۔
13. قرآن مجید کا مطالعہ کرتے وقت حقہ یا سگریٹ پینا یا منہ میں نسوار رکھے ہوئے تلاوت کرنا۔
14. ناجائز کاروبار میں "برکت" کے لئے قرآن پڑھنا یا پڑھوانا۔
15. قرآنی حروف والی انگوٹھی پہن کر بیت الخلاء میں جانا۔
16. اخبارات میں قرآنی آیات کی اشاعت کرنا اور پھر انہیں عام کاغذوں کی طرح زمین پر پھینک دینا۔
17. اخبار و رسائل وغیرہ جن میں آیات قرآنی ہوں ان کو دسترخواں وغیرہ کیلئے استعمال کرنا۔
18. قرآن کریم کے نقوش والے کیلنڈر یا کتبوں کی طرف پاؤں پھیلا نا۔
19. مونوگرام یا کنٹ کی اشیاء وغیرہ پر آیات لکھنا کہ جس سے بے ادبی کا اندیشہ ہو۔
20. قرآن مجید کی آیات کو مصوری اور خطاطی کے مختلف ڈیزائنوں میں اس طرح لکھنا کہ پڑھنے والے نہ سمجھ سکیں اور قلم پڑھیں سخت بے ادبی ہے۔

21. قرآن مجید کو میت کے ساتھ قبر میں رکھنا۔

22. قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو عام کوڑا کرکٹ کے ڈھیر میں پھینکنا (اگر ضرورت پیش آئے تو ایسے اوراق کو جمع کر کے نہریا دریا کے پانی میں بہا دینا چاہئے)

23. قرآنی آیات والا کاغذ کھلی حالت میں بیت الخلاء لے جانا (اگر چاندی چمڑے وغیرہ میں بند ہو تو مستثنیٰ ہے)

24. آیات قرآنی یا قرآن مجید کو حقیر سمجھتے ہوئے آگ میں ڈالنا۔

25. لہو و لعب کی مجالس کی ابتدا تلاوت قرآن سے کرنا۔

26. جس نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور گمان کیا کہ کوئی شخص اس سے افضل چیز کا حامل ہے تو اس نے کلام اللہ کی توہین کی۔

سلف صالحین اور قرآن مجید کا ادب:

ایک مرتبہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں آدمیوں کو خرید و فروخت کے کسی معاملے میں جھگڑتے دیکھا۔ ان میں سے ایک نے یہ کہا کہ میری اور تمہاری مثال قرآن کی اس آیت کی طرح ہے۔

إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَفْجَةً وَلِي نَفْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا ○ (ص: ۲۳)

(یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دنیاویاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنیاوی ہے یہ کہتا ہے کہ یہ ایک بھی مجھے دے دو)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ دیکھا کہ ایک شخص چیختے چلاتے جھگڑا کرتے ہوئے اس طرح قرآن مجید کی آیت پڑھ رہا ہے جیسے کسی عام انسان کی

بات نقل کر رہا ہو تو غصہ اور افسوس کی وجہ سے ان پر خاص کیفیت طاری ہوگئی۔ جب طبیعت سنبھلی تو انہوں نے اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا:

اے شخص! تو اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں ڈرتا؟ تو نے کلامِ الہی کو معمولی بات چیت بنا لیا۔ قرآن پڑھنے والے کو چاہئے کہ خشوع سے پڑھے۔ ایسا نہ ہو کہ پروردگار کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔ تجھ میں کلامِ الہی کا ادب نہیں پایا جاتا۔ تیری عقل جاتی رہی ہے اور تو نے کلامِ الہی کو لہو لعب بنا لیا ہے۔

محمد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے قلبی کدورت تھی۔ وہ مجھے اس لئے ناپسند تھے کہ اربابِ اقتدار سے رابطہ رکھتے تھے۔ لیکن جس دن سے میں نے انہیں کلامِ الہی کا اتنا ادب کرتے دیکھا یہ انتباہ اس دن سے ختم ہو گیا اور مجھے ان سے محبت ہوگئی۔

(علمائے احناف کے حیرت انگیز واقعات)

بیت اللہ شریف کا ادب

کعبۃ اللہ چونکہ اول عالم وسط عالم اور مرکز عالم ہے، منبع انوار و تجلیات ہے اور شعائرِ اسلام میں سے ہے لہذا اس کا احترام درحقیقت اللہ تعالیٰ کا احترام ہے۔ بیت اللہ شریف میں معصیت کا ارتکاب عام جگہوں کی نسبت بہت سنگین ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يُرِدْ إِلَيْهِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نُدَقَهُ مِنْ عَذَابِ إِلِيمٍ (ج: ۲۵)

تفسیر ابن کثیر کے مطابق اس آیت میں الحاد سے مراد کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب حج کے لئے تشریف لے جاتے تو دو خیمے لگاتے۔ ایک حرم کے اندر اور دوسرا حرم سے باہر۔ اگر اپنے اہل و عیال یا خدام و متعلقین میں سے کسی کو کسی بات پر سرزنش کرنا چاہتے تو بیرون حرم والے خیمے میں کرتے۔ لوگوں نے دو خیموں کی مصلحت دریافت کی تو فرمایا کہ انسان عتاب و ناراضگی کے وقت کلاہ والہ۔ بلسی والہ کے الفاظ بولتا ہے تو یہ الحاد فی الحرم میں داخل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حرم کے علاوہ دوسری جگہوں میں محض گناہ کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں لکھا جاتا۔ جب تک کہ عمل نہ کرے۔ لیکن حرم میں گناہ کا پختہ ارادہ کر لینے پر بھی گناہ لکھا جاتا ہے۔

بیت اللہ شریف کی بے ادبی کی مختلف صورتیں:

- حد و حرم میں لڑنا جھگڑنا یا گالی گلوچ کرنا۔
- حد و حرم میں زنا کرنا یا بری نیت سے غیر محرم کو دیکھنا۔
- لبس پیاز وغیرہ بد بودار چیز کھا کر حد و حرم میں داخل ہونا۔
- تمباکو یا سگریٹ وغیرہ پینے کے بعد کلی کئے بغیر حرم محترم میں داخل ہونا۔
- پسینہ کی بد بو والے کپڑے پہن کر حرم محترم میں داخل ہونا۔
- اگر کسی خوش نصیب کو کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہونا نصیب ہو تو اس کے لئے چھت کی طرف دیکھنا بے ادبی ہے۔
- بغیر کسی عذر اور وجہ کے بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھنا۔
- حرم محترم کی نیت سے جانے والے لوگوں کو ایذا پہنچانا۔
- دنیاوی اغراض لے کر مکہ مکرمہ جانا اور حرم محترم کی زیارت نہ کرنا۔
- پیشاب پاخانہ کرتے وقت بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرنا۔

- اگر کوئی عورت چھوٹے بچے کو پیشاب کرواتے وقت قبلہ رخ کرے گی تو اس بے ادبی کا وبال اس عورت پر ہوگا۔
- بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے تھوکنا۔
- بیت اللہ شریف کی طرف پاؤں پھیلا کر بیٹھنا یا لیٹنا۔
- طواف کے دوران بیت اللہ شریف کی طرف بلاوجہ دیکھنا۔
- بغیر وضو بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہونا۔
- مسجد الحرام میں داخل ہو کر دنیا کی باتیں کرنا۔
- مسجد الحرام میں داخل ہو کر چیخنا یا چلانا۔
- مسجد الحرام میں بیٹھ کر ریح خارج کرنا۔



باب نمبر 5

والدین کا ادب

خالق کائنات نے اپنی صفت رحمت کا ایسا پرتو ماں باپ کے قلوب پر ڈالا ہوتا ہے کہ انہیں اولاد کے ساتھ فطری محبت و شفقت کا تعلق نصیب ہوتا ہے۔ اس محبت کے مناظر پرندوں اور چاندیوں تک میں نظر آتے ہیں۔ چڑیا ایک ننھی مٹی سی جان ہے مگر اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے لکھونسلہ بناتی ہے۔ دانہ دھکا جن کر لاتی ہے۔ اپنی چونچ میں پانی بھر بھر کر لاتی اور بچوں کو پلاتی ہے۔ مرغی کو دیکھئے کہ کنزور سہی مگر بچوں کی حفاظت کیلئے مٹی سے بھی ٹکرا جاتی ہے۔ انسان تو بہر حال اشرف المخلوقات ہے۔ عقل کے نور سے منور ہے۔ اسے اولاد کے ساتھ محبت کا ہونا ایک قدرتی اور قابل فہم بات ہے۔ اسی محبت کی بنا پر ماں باپ اپنا سب کچھ اولاد کے لئے قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ ذرا غور کرنے سے یہ بات طشت از بام ہو جاتی ہے کہ جب والدین اپنی اولاد کی پرورش کے لئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے تو اولاد کو بھی چاہئے کہ ماں باپ کا ادب و احترام کریں اور ان کی خدمت و اطاعت میں کوئی کسر نہ اٹھارکھیں۔ تمام آسمانی کتابوں میں اس

حقیقت کو اچھی طرح واضح کیا گیا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

تورات میں حکم الہی:

◉ تورات میں حقوق العباد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

”تو اپنے والدین کو عزت دے تاکہ تیری عمر اس زمین پر جو تیرا خداوند تجھے دیتا ہے دراز ہو“

◉ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

تم میں سے ہر ایک اپنے والدین سے ڈرتا رہے (احبار 3-18)

◉ ایک اور جگہ فرمایا:

”اور جو کوئی اپنے باپ اور اپنی ماں پر لعنت کرے وہ مار ڈالا جائے گا۔ جس نے اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کی ہے اس کا خون اسی پر ہے“

انجیل میں حکم الہی:

◉ متی کی انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور جو کوئی ماں باپ پر لعنت کرے وہ جان سے مارا جائے۔ مگر تم یہ کہتے ہو کہ جو کوئی اپنے ماں باپ سے کہے کہ جو کچھ مجھے تمہیں دینا واجب ہے سو خدا کی نذر ہوا اور اگر کوئی اپنے ماں باپ کی عزت نہ کرے تو گویا اس نے حکم الہی کو باطل کیا“

انبیائے سابقین کے حالات:

① امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”مکاشفۃ القلوب“ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

"اے موسیٰ! جس نے والدین کی فرمانبرداری کی مگر میری نافرمانی کی میں پھر بھی اسے نیک لوگوں میں لکھ دیتا ہوں۔ لیکن جو میرا فرمانبردار ہونے کے باوجود اپنے والدین کا نافرمان ہو میں بھی اسے نافرمانوں میں شمار کرتا ہوں"

[2]. ایک مرتبہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے گھر تشریف لائے تو وہ استقبال کے لئے کھڑے نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ آپ نے اپنے والد کے ادب میں کمی کی۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں آئندہ تمہاری صلب سے کوئی نبی پیدا نہیں کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی بے ادبی کا اثر آئندہ نسل و نسب پر بھی پڑتا ہے۔
(سیرت النبی از علامہ شبلی نعمانی)

قرآن مجید میں حکم الہی:

[1] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِذَا
يَسْلَفَنَ عَنْكَ الْكِبَرُ أَخَذَهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍ
وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَخَفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ
الدَّلِيلِ مِنَ الرِّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۝

(الاسراء ۲۳، ۲۴)

[اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔ اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرو۔ اگر

تمہارے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں کبھی اف بھی نہ کہو اور یوں دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی]

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہاں ”قضی“ کے معنی حکم فرمانے کے ہیں۔ تاکیدِ حکم الہی جو کبھی ملنے والا نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنے والدین کی اطاعت کرو۔ اس آیت مبارکہ میں والدین کے پانچ آداب سکھائے گئے ہیں۔

ادب نمبر ۱:

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أَفٍ (پس ان کے سامنے ”اف“ بھی نہ کرو) تفسیر بیان القرآن میں اف کا مطلب ”اوہوں“ کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اف سے مراد ایسا کلمہ کہنا ہے جس سے والدین کو ناگواری ہو۔ یہاں تک کہ والدین کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا جس سے ناگواری ظاہر ہو وہ بھی کلمہ ”اف“ میں داخل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ایذا رسانی میں اگر ”اف“ سے بھی کوئی کم درجہ ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بھی ذکر کیا جاتا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگر والدین بوڑھے ہو جائیں اور تمہیں ان کا پیشاب پاخانہ دھونا پڑ جائے تو بھی اف نہ کرو۔ خود ہی سوچو کہ وہ بچپن میں تمہارا پیشاب پاخانہ دھوتے ہوئے اف تک نہیں کیا کرتے تھے۔

ادب نمبر ۲:

فرمایا وَلَا تَنْهَرُ هُمَا (ان دونوں کو انکار نہ کرو)

اگر والدین کسی ایسی بات کا تقاضا کریں جو شرعی حدود و قیود کے مطابق ہو اور اولاد تھوڑی بہت پریشانی اٹھا کر وہ تقاضا پورا کر سکتی ہو تو بھی ماں باپ کو انکار نہ کرے۔ اولاد کی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ والدین کوئی بھی جائز کام کہیں تو اس کے جواب میں ہمیشہ منہ سے ہاں ہی نکلے۔ گویا اپنی بساط کے مطابق "ناں" کے لفظ پر لکیر پھیر دے۔

ادب نمبر ۳:

فرمایا:

وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (اور ان سے ادب سے بات کرو)

- اکابرین امت سے "قول کریم" کی درج ذیل تفصیلات منقول ہیں۔
- ♦ حضرت حسن ؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ قول کریم کا کیا مطلب ہے انہوں نے ارشاد فرمایا، ان کو اماں ابا کہہ کر خطاب کرے۔ نام لے کر نہ پکارے۔
- ♦ حضرت زبیر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے قول کریم کی تفسیر میں لکھا ہے
- إِذَا دَعَاكَ فَقُلْ لَبَّيْكُمْ وَسَعْدَيْكُمْ (درمنثور)
- (جب ماں باپ تجھے بلائیں تو کہو میں حاضر ہوں اور قلیل کے لئے موجود ہوں)
- ♦ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنا ہاتھ ان کی طرف بے ادبی سے نہ بڑھانا بلکہ عزت اور احترام کے ساتھ ان سے بات چیت کرنا نرمی اور تہذیب سے گفتگو کرنا ان کی رضامندی کے کام کرنا دکھ نہ دینا وغیرہ۔
- ♦ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ قرآن مجید میں حسن

سلوک کا حکم تو کئی جگہ پر ہے اور میں اسے سمجھ گیا ہوں، لیکن قولاً کسریٰ کا مطلب نہیں سمجھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر آقا بہت جابر اور سخت مزاج ہو تو جس طرح اس کا زرخید اور خطا کا غلام نرمی اور لجاجت سے بات چیت کرتا ہے اس طرح ماں باپ سے بات کی جائے۔

♦ درمنثور میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ قولاً لینا سہلا (نرم لب و لہجہ میں سہل طریقہ سے بات کرو)

پس والدین سے گفتگو کرتے ہوئے عاجزی اور ادب کا ہر دم لحاظ رکھے۔ سہلا اس لئے فرمایا کہ والدین سے گفتگو اس طرح کرے کہ انہیں بار بار پوچھنا نہ پڑے کہ کیا کہا؟ کیا مطلب ہے؟ یعنی کسی طرح کی الجھن محسوس نہ کریں۔

ادب نمبر ۴:

فرمایا وَ اخْفِضْ لَّهُمَا جَنَاحَ الذَّلٰی مِنَ الرُّحْمَةِ (اور ان کے سامنے شفقت اور انکساری سے جھک رہنا)۔ اکابرین امت سے اس آیت کی درج ذیل تفصیلات منقول ہیں۔

● تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ والدین کے سامنے تواضع، عاجزی، فروتنی اور خاکساری سے رہنا بات چیت کرتے وقت نیچے اوپر ہاتھ نہ اٹھانا (جیسے ہم عمر لوگوں میں بیٹھ کر کرتے ہیں)

● درمنثور میں حضرت زبیر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان نقل کیا گیا ہے کہ والدین اگر تجھے گالیاں دیں اور برا بھلا کہیں تو جواب میں یوں کہو: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔

● حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں والدین کے سامنے جھکنے کا حکم فرمایا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟

انہوں نے فرمایا۔ اگر وہ کوئی بات تیری ناگواری کی کہیں تو ترجھی نگاہ سے انکو مت دیکھو۔ یہ اس لئے کہا کہ آدمی کی اول ناگواری اس کی آنکھ ہی سے پہچانی جاتی ہے۔ نگاہ بھر کر دیکھنا تو بالکل ظاہر باہر گستاخی ہے۔ ترجھی نگاہ سے اس وقت دیکھا جاتا ہے جب اپنی نفرت کو چھپانا مقصود ہوتا ہے۔ تو فرمایا کہ ترجھی نگاہ بھی گستاخی ہے اسے معمولی نہ سمجھیں۔

ادب نمبر ۵:

فرمایا:

وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۝ (الاسراء: ۲۴)

(اور کہو اے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرما کیونکہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی)

سبحان اللہ! کیا خوب آداب سکھائے گئے۔ پہلے اور دوسرے ادب میں (اف نہ کہنے اور جھڑکنے کی مذمت) میں والدین سے منفی انداز اختیار نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ تیسرے اور چوتھے ادب (قول کریم اور عاجزی) میں مثبت انداز اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ پانچویں اور آخری حکم میں دعائیہ کلمات کہنے کا حکم دیا گیا۔ گویا جب انسان وہ سب کچھ کر لے جو اس کے بس میں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا مانگے اور یوں سمجھے کہ اتنا کچھ کر کے بھی میں والدین کی خدمت کا حق ادا نہیں کر سکا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو کمر پر اٹھائے ہوئے طواف کروا رہا تھا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں نے اس طرح خدمت کر کے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک سانس کا حق بھی ادا نہیں ہوا۔

② ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ
بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (الانعام: ۱۵۱)

[آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں سناتا ہوں جو کچھ تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کیا ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو]

اس آیت کی تفسیر میں مختلف مفسرین کے اقوال درج ذیل ہیں۔

❖ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہی وہ آیات حکمت ہیں جن پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام شریعتیں متفق رہیں۔ ان میں سے کوئی چیز کسی شریعت میں منسوخ نہیں ہوئی۔

❖ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت دیکھنا چاہتا ہے وہ مندرجہ بالا آیت (قل تعالوا) کو پڑھ لے۔

❖ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ سورہ انعام میں چند آیات حکمت ہیں جو ام الکتاب ہیں پھر قل تعالوا والی آیت پڑھتے تھے۔

❖ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے کون مجھ سے تین باتوں کا وعدہ کرے گا۔ پھر نبی علیہ السلام نے قُلْ تَعَالَوْا والی آیتیں آخر تک پڑھیں اور فرمایا جو ان تین باتوں کی تعمیل کرے گا اس کا اجر اللہ پر ثابت ہے۔ اور جو تعمیل میں کوتاہی کرے گا تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں سزا دے اور اگر معاملے کو آخرت تک اٹھا رکھے تو اس کی مرضی۔ چاہے عذاب دے چاہے معاف کر دے۔

③ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا. (بقرہ: ۸۳)

(اور جب ہم نے عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور والدین کے ساتھ نیک کا سلوک کرو گے)

اس آیت مبارکہ میں بھی توحید باری تعالیٰ پر عہد لیا گیا اور اسی آیت میں والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔

④ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (نساء: ۳۶)
(اور اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو)

درمنثور میں ہے کہ حضرت حسن ؓ سے کسی نے پوچھا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کس طرح کیا جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ تو ان پر اپنا مال خرچ کر اور وہ تجھے جو حکم بھی دیں اس کی تعمیل کر۔ ہاں اگر گناہ کا حکم کریں تو وہ کام نہ کر۔
⑤ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ (لقمان: ۱۴)
(تو میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی)

فقیر ابو الیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب تنبیہ الغافلین میں بعض تابعین کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ماں باپ کا شکر ادا کرنے سے مراد ان کے لئے دن میں پانچ مرتبہ دعا کرنا ہے۔

مولانا مفتی عاشق الہی بلند شہری اپنی کتاب "حقوق الوالدین" میں لکھتے ہیں۔

"جس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر صرف زبان سے چند کلمات شکر کہنے سے ادا نہیں ہوتا بلکہ پوری زندگی میں ظاہر و باطن سے احکام کی تعمیل کا نام شکر ہے۔ اسی طرح ماں باپ کی شکر گزاری فقط اچھے بول بول دینے سے انکی تعریف کر دینے سے، اور ان کی تکالیف کا اقرار کرنے سے نہیں ہوتی بلکہ ماں باپ کی فرمانبرداری اور جان و مال سے انکی خدمت گزاری اور ان کی نافرمانی سے بچنا ہی ان کی شکر گزاری ہوتی ہے"

قرآن مجید کی مندرجہ بالا پانچ آیات میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ آج کی ترقی یافتہ قومیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان آداب کی ایک جھلک بھی ان کے معاشرے میں نظر نہیں آتی۔ یورپی ممالک میں جب اٹھارہ سال کی عمر پوری ہوتی ہے تو بچے اپنے ماں باپ سے یوں الگ ہو جاتے ہیں جیسے انہوں نے دشمنوں سے رہائی حاصل کر لی ہو۔ بعض تو اپنی جوانی کے نشے میں سرشار ہو کر ماں باپ کو اس طرح بھول جاتے ہیں جس طرح آج کا انسان گناہ کبیرہ کر کے بھول جاتا ہے۔ جدید سائنسی علوم اور مادی ترقی کے باوجود دلوں میں ایثار اور وفاتام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ بقول شاعر:

۔ اٹھ گئی وفا یوں زمانے سے
کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں

انسانیت رہتی دنیا تک محسن انسانیت فخر دو عالم ﷺ کی مقروض رہے گی جنہوں نے اخلاق و آداب کا انمول درس دے کر نفرتوں کو محبتوں سے اور دشمنیوں کو دوستیوں سے بدل ڈالا۔ اولاد کو والدین کے آداب اس حد تک سکھائے کہ اگر

کوئی بچہ اپنے والدین کے چہرے پر محبت و عقیدت کی نظر ڈالے تو ہر نگاہ کے بدلے حج مقبول کا ثواب پائے۔

حدیث پاک میں آتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ 'مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍ يَنْظُرُ إِلَى وَالِدَيْهِ نَظْرَةً رَحْمَةً إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَبَّةَ مَبْرُورَةٍ.'

قَالُوا وَإِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ قَالَ نَعَمْ اللَّهُ أَكْبَرُ وَأَطْيَبُ

[حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنے والی اولاد جب بھی الفت و رحمت کی نظر سے ماں باپ کو دیکھے تو ہر نظر کے عوض اللہ تعالیٰ اس کے لئے مقبول حج کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔ حاضرین مجلس نے پوچھا، اگر روزانہ سو مرتبہ نظر کرے (تب بھی یہی بات ہے) نبی علیہ السلام نے فرمایا ہاں اللہ بہت بڑا ہے (جس کو جو چاہے دے اس کو کوئی زوک نہیں سکتا) اور وہ بہت زیادہ پاک ہے (اس کی طرف نقصان اور کمی کی نسبت درست نہیں ہے) (مشکوۃ المصابیح: ج ۲، ص ۴۲۱)

اولاد کا والدین سے محبت کرنا ایک فطری جذبہ ہے کسی کے بس کی بات نہیں۔ لیکن رحمت الہی کا اندازہ لگائیں کہ اس فطری باہمی محبت کے اظہار پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا اجر عطا فرماتے ہیں۔

ایک دلچسپ اور نصیحت آموز واقعہ:

قرطبی نے اپنی اسناد متصل کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ

میرے والد نے میرا سب مال لے لیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے والد کو بلا کر لاؤ۔ اسی وقت جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! جب اس لڑکے کا والد آ جائے تو آپ ﷺ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں جو اس نے دل میں کہے ہیں۔ اس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سنا۔ جب وہ نوجوان اپنے والد کو لے کر آیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا مال چھین لیں۔ والد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ اسی سے پوچھ لیں کہ میں اس کی پھوپھی خالہ یا اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایسے (بس حقیقت معلوم ہوگئی) اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے والد سے دریافت فرمایا وہ کلمات کیا ہیں جو تم نے دل میں کہے اور تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر ہمارا ایمان اور یقین بڑھا دیتے ہیں۔ (یعنی جو بات کانوں نے نہیں سنی اس کی آپ ﷺ کو اطلاع ہوگئی) پھر اس نے کہا کہ میں نے چند اشعار دل میں پڑھے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ اشعار ہمیں بھی سناؤ۔ اس صحابی علیہ السلام نے درج ذیل اشعار پڑھے۔

غَدُوْنُكَ مَوْلُوْدًا وَصَتُّكَ يَابِلًا
تَعْلُ بِمَا اَجْنَبِيْ عَلَيْكَ وَتَنْهَلُ
اِذَا لَيْلَةٌ صَافَتْكَ بِالسُّقْمِ لَمْ اَبْثُ
لِسُقْمِكَ اِلَّا سَاهِرًا اَتَمَلُّنَلُ
كَأَنِّيْ اَنَا الْمَطْرُوْقُ دُوْنَكَ بِاللَّيْلِ
طَرَقْتُ بِهٖ دُوْنِيْ فَعِنِّيْ تَهْمَلُ

تَخَافُ الرُّدَى نَفْسِي عَلَيْكَ وَأَنْهَا
لَتَعْلَمُ أَنَّ الْمَوْتَ وَفْتُ مُوَجِّلُ
فَلَمَّا بَلَغْتَ السِّنَّ وَالْفَايَتِ الْيُسْ
إِلَيْهَا مَدَى مَا كُنْتُ لِيكَ أَوْقِلُ
جَعَلْتُ جَزَائِي غِلْظَةً وَفَظَاطِرُ
كَأَنَّكَ أَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ
فَلَيْتَكَ إِذْ لَمْ تَرَعْ أَبُوبِي
فَعَلْتُ كَمَا الْجَارُ الْمُضَاقِبُ يَفْعَلُ
فَأَوْلَيْتَنِي حَقَّ الْجَوَارِ وَلَمْ تَكُنْ
عَلَيَّ بِمَالٍ ذُوْنَ مَالِكَ تَبْخُلُ

میں نے تجھے بچپن میں غذادی اور جوان ہونے کے بعد بھی۔ تمہاری ہر ذمہ داری اٹھائی تمہارا سب کچھ میری کمائی سے تھا۔
جب کسی رات تمہیں کوئی بیماری پیش آگئی تو میں نے رات نہ گزاری۔ وہ رات مگر سخت بیداری اور بیقراری کے عالم میں۔
مگر ایسے جیسے کہ بیماری تمہیں نہیں مجھے لگی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے تمام شب روتے ہوئے گزار دیتا۔

میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا اور پیشک۔ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے۔

جب تم اس عمر اور اس حد تک پہنچ گئے کہ جس عمر کی میں تمنا کیا کرتا تھا۔
پھر تم نے میرا بدلہ سخت روٹی اور سخت گوئی بنا لیا۔ گویا کہ تم ہی مجھ پر احسان و انعام کر رہے ہو۔

کاش! اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہو سکتا تو کم از کم اتنا ہی کر لیتے جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے۔
تو نے کم از کم مجھے پڑوسی کا حق دیا ہوتا۔ میرے ہی مال میں مجھ سے بخل سے کام نہ لیا ہوتا۔

حضور اکرم ﷺ نے جب یہ سنا تو تو بیٹے کا گریبان پکڑ کر فرمایا:
اَنْتَ وَمَالُكَ لِابْنِكَ (کہ تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے)

(معارف القرآن بحوالہ تفسیر قرطبی)

والدین کے ادب کے ثمرات:

واقعہ نمبر ۱:

بنی اسرائیل کا ایک یتیم بچہ ہر کام اپنی والدہ سے پوچھ کر انکی مرضی کے مطابق کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک خوبصورت گائے پالی اور ہر وقت اس کی دیکھ بھال میں مصروف تھا۔ ایک مرتبہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں اس بچے کے سامنے آیا اور گائے خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ بچے نے قیمت پوچھی تو فرشتے نے بہت تھوڑی قیمت بتائی۔ جب بچے نے ماں کو اطلاع دی تو اس نے انکار کر دیا۔ فرشتہ ہر بار قیمت بڑھاتا رہا اور بچہ ہر بار اپنی اماں سے پوچھ کر جواب دیتا رہا۔ جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو بچے نے محسوس کیا کہ میری والدہ گائے بیچنے پر راضی نہیں ہیں لہذا اس نے فرشتے کو صاف انکار کر دیا کہ گائے کسی قیمت پر نہیں بیچی جاسکتی۔ فرشتے نے کہا کہ تم بڑے خوش بخت اور خوش نصیب ہو کہ ہر بات اپنی والدہ سے پوچھ کر کرتے ہو۔ عنقریب تمہارے پاس کچھ لوگ اس گائے کو خریدنے کے لئے آئیں گے تو تم اس گائے کی خوب بھاری قیمت لگاتے۔

دوسری طرف بنی اسرائیل میں ایک آدمی کے قتل کا واقعہ پیش آیا اور انہیں گائے کی قربانی کا حکم ملا وہ اسی بچے کی گائے تھی۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے : جب اس بچے سے گائے خریدنے کیلئے آئے تو اس بچے نے کہا کہ اس گائے کی قیمت اس کے وزن کے برابر سونا ادا کرنے کے برابر ہے۔ بنی اسرائیل کے لوگوں نے اتنی بھاری قیمت ادا کر کے گائے خرید لی۔ تفسیر عزیز ی اور تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن میں لکھا ہے کہ اس بچے کو یہ دولت والدین کے ادب اور ان کی اطاعت کی وجہ سے ملی۔ تفسیر طبری میں بھی اسی طرح کا واقعہ منقول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی خدمت و ادب کا کچھ صلہ اس دنیا میں بھی دے دیا جاتا ہے۔

واقعہ ۲:

بنی اسرائیل کے تین آدمی اکٹھا سفر کر رہے تھے کہ اچانک موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ تینوں نے بھاگ کر ایک قرعہ پہاڑ کی غار میں پناہ لے لی۔ اسی دوران ایک چٹان اوپر سے گری جس سے غار کا منہ بند ہو گیا۔ غار کے اندر اندھیرا ہو گیا۔ سانس گھٹنے لگا حتیٰ کہ تینوں کو موت سامنے کھڑی نظر آرہی تھی۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ کیوں نہ بارگاہ الہی میں اپنے اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کیا جائے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا، اے پروردگار عالم! تو جانتا ہے کہ میرے والدین بوڑھے تھے، میں سارا دن بکریاں چراتا تھا اور شام کو گھر واپس آ کر ان بکریوں کا دودھ اپنے والدین کو پلاتا تھا۔ ایک دن گھر واپس آنے میں تاخیر ہو گئی تو میں نے دیکھا کہ والدین سو چکے ہیں۔ اے اللہ! میں دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیکر انتظار کرتا رہا کہ جب ان کی آنکھ کھلی تو دودھ پیش کروں گا۔ اسی حال میں میری ساری رات گزر گئی۔ رب کریم! اگر میرا عمل آپ کی نظر میں مقبول

ہے تو اس کی برکت سے چٹان کو دور فرما۔ چنانچہ چٹان اپنی جگہ سے سرک گئی اور غار کے منہ کا تیسرا حصہ کھل گیا۔ پھر دوسرے اور تیسرے نے دعا مانگی حتیٰ کہ چٹان ہٹ گئی اور ان لوگوں کی جان میں جان آئی۔ (بخاری شریف: ج ۱، ص ۴۹۳)

واقعہ ۳:

ایک نوجوان اپنے والدین کا بڑا ادب کرتا تھا اور ہر وقت ان کی خدمت میں مشغول رہتا تھا۔ جب والدین کافی عمر رسیدہ ہو گئے تو اس کے بھائیوں نے مشورہ کیا کہ کیوں نہ اپنی جائیداد کو والدین کی زندگی ہی میں تقسیم کر لیا جائے تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا نہ کھڑا ہو۔ اس نوجوان نے کہا کہ آپ جائیداد کو آپس میں تقسیم کر لیں اور اس کے بدلے مجھے اپنے والدین کی خدمت کا کام سپرد کر دیں۔ دوسرے بھائیوں نے برضا و رغبت یہ کام اس بھائی کے سپرد کر دیا۔ یہ نوجوان سارا دن محنت مزدوری کرتا پھر گھر آ کر بقیہ وقت اپنے والدین کی خدمت اور بیوی بچوں کی دیکھ بھال میں گزارتا۔ وقت گذرتا رہا حتیٰ کہ اس کے والدین نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

ایک مرتبہ یہ نوجوان رات کو سو رہا تھا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا اسے کہہ رہا ہے، اے نوجوان! تم نے اپنے والدین کا ادب کیا، انکو راضی و خوش رکھا، اس کے بدلے تمہیں انعام دیا جائے گا۔ جاؤ فلاں چٹان کے نیچے ایک دینار پڑا ہے وہ اٹھا لو۔ اس میں تمہارے لئے برکت رکھ دی گئی ہے۔ یہ نوجوان صبح کے وقت بیدار ہوا تو اس نے چٹان کے نیچے جا کر دیکھا تو اسے ایک دینار پڑا ہوا مل گیا۔ اس نے دینار اٹھا لیا اور خوشی خوشی گھر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک مچھلی فروش کی دوکان کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے خیال آیا کہ اس دینار کے بدلے میں ایک بڑی سے مچھلی خرید لی جائے تاکہ بیوی

بچے آج اس کے کباب بنا کر کھائیں۔ چنانچہ اس نے دینار کے بدلے ایک بڑی مچھلی خرید لی۔ جب گھر واپس آیا تو اس کی بیوی نے مچھلی کو پکانے کیلئے کاٹنا شروع کیا۔ پیٹ چاک کیا تو اس میں سے ایک بہت قیمتی ہیرا نکلا۔ نو جوان اس ہیرے کو دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ جب بازار جا کر اس ہیرے کو بیچا تو اتنی قیمت ملی کہ اس کی ساری زندگی کا خرچہ پورا ہو گیا۔

واقعہ ۴:

ایک بزرگ رات دن عبادت الہی میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی دوست سے ملاقات کرنی چاہئے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نو جوان اپنی بکریوں کو چرا رہا ہے اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ یہ نو جوان اللہ کا دوست ہے تم اس سے ملاقات کر لو۔ وہ بزرگ بیدار ہوئے تو انہیں اس نو جوان سے ملاقات کی جستجو ہوئی۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ وہ نو جوان اپنی بکریوں کا ریوڑ لیکر راستے سے گزر رہا ہے۔ وہ بزرگ اس نو جوان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں چند دن آپ کے گھر مہمان بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ نو جوان نے بھی خوشی کا اظہار کیا اور اس بزرگ کو اپنے گھر لے آیا۔ رات کے وقت دونوں آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ اس بزرگ نے نو جوان سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا اور پوچھا کہ تمہارا کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا ہے کہ تمہیں اس پروردگار نے اپنے دوستوں میں شامل کر لیا ہے؟ یہ سن کر وہ نو جوان آبدیدہ ہو گیا۔ پھر اس نے قریب کا کمرہ کھول کر دکھایا کہ اس میں دو مسخ شدہ چہروں والے انسان بندھے ہوئے تھے۔ وہ بزرگ حیرت زدہ رہ گئے اور پوچھنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ نو جوان نے کہا کہ یہ میرے غافل اور گنہگار والدین ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں

ایسی گستاخی کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کو مسخ کر دیا۔ میں سارا دن بکریوں کا ریوڑ چراتا ہوں اور جب واپس گھر آتا ہوں تو پہلے والدین کو کھانا کھلاتا ہوں بعد میں خود کھاتا ہوں۔ گوانہوں نے اپنے جرم کی سزا دنیا ہی میں پائی مگر میرا فرض بنتا ہے کہ ان کی خدمت کروں۔ آخر میرے تو والدین ہیں۔ وہ بزرگ حیران ہوئے اور انہوں نے نوجوان کو سینے سے لگا کر کہا کہ ہم نے ساری ساری رات عبادت کی اور سارا سارا دن روزہ رکھا مگر اس مقام تک نہ پہنچ سکے جس مقام پر آپ کو والدین کے ادب اور ان کی خدمت کی وجہ سے پہنچنا نصیب ہوا۔

(حقوق والدین)

واقعہ ۵:

حضرت اویس قرنی ؓ جلیل القدر تابعین میں سے تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ تو پایا مگر دیدار جمال نبوی ﷺ سے مشرف نہ ہو سکے۔ ہر وقت اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک مرتبہ والدہ سے اجازت طلب کی کہ مدینہ منورہ حاضر ہو کر شرف صحبت حاصل کر سکوں۔ والدہ نے کہا کہ بیٹا جاؤ مگر جلدی واپس آ جانا۔ حضرت اویس قرنی ؓ مدینہ منورہ حاضر ہوئے مگر نبی علیہ السلام کسی غزوہ کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ والدہ کے حکم کی وجہ سے انتظار میں زیادہ نہ رک سکے اور واپس گھر چنے آئے۔ جب نبی کریم ﷺ واپس تشریف لائے اور آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ قبیلہ قرن کا ایک نوجوان آپ ﷺ کے دیدار کے لئے حاضر ہوا تھا مگر والدہ کے حکم کی وجہ سے واپس چلا گیا تو نبی علیہ السلام نے اپنا جبہ مبارک حضرت عمرو حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کو دیا اور فرمایا کہ میری طرف سے یہ ہدیہ اویس قرنی کو پہنچا دینا اور اسے کہنا کہ یہ جبہ پہن کر میری گناہ گار امت کے لئے مغفرت

کی دعا کرے۔ تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ وصال نبوی ﷺ کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے وہ جبہ اوّل قرنیؓ کو پہنچا دیا۔

واقعہ ۶:

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بھائی نہایت عبادت گزار تھے اور رات دن عبادت میں مشغول رہتے تھے جبکہ آپ کا بیشتر وقت والدین کی خدمت و اطاعت میں گزرتا تھا۔ ایک رات جب آپ کے بھائی ذکر و عبادت میں مشغول تھے تو ایک ندا سنی کہ کسی کہنے والے نے کہا ”ہم نے تمہارے بھائی کی مغفرت کی اور اس کی برکت سے تمہیں بھی بخش دیا“ یہ بھائی بڑے حیران ہوئے کہ ذکر و عبادت میں تو میں ہر وقت مشغول رہتا ہوں مگر مجھے ابوالحسن کے طفیل بخش دیا گیا۔ ندا آئی کہ ہمیں تیری عبادت کی حاجت نہیں بلکہ محتاج ماں کی خدمت کرنے والے کی اطاعت ہمیں مطلوب ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء)

والدین کا ادب اور نقوش اسلاف:

- ① طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں کمجور کے درختوں کی قیمت بہت بڑھ گئی یہاں تک کہ ایک درخت ایک ہزار درہم یا دینار میں بکنے لگا۔ ایک دن اسامہ بن زیدؓ نے ایک درخت کا تنا کاٹ کر اس کا مغز نکالا۔ لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ اتنے قیمتی درخت کو کیوں ضائع کر رہے ہیں؟ حضرت اسامہؓ نے جواب دیا کہ میری والدہ نے اس کی فرمائش کی ہے اور وہ جس چیز کا حکم دیتی ہیں اس کی تعمیل کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ (تذکار صحابیات)
- ② حضرت سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو بھی مراتب عطا کئے وہ میری والدہ کی دعاؤں کے صدقے عطا کئے۔ کسی نے

بچھا کہ وہ کیسے؟ فرمایا کہ لڑکپن میں ایک مرتبہ والدہ نے پانی مانگا۔ جب میں لے کر گیا تو والدہ سوچکی تھیں۔ میں پیالہ ہاتھ میں لے کر ساری رات کھڑا رہا۔ سردی اتنی شدید تھی کہ جسم کپکپا رہا تھا۔ جب والدہ کی آنکھ کھلی اور انہوں نے مجھے یوں کھڑے انتظار کرتے دیکھا تو خوش ہو کر بہت دعائیں دیں۔ ان دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ولایت کے دروازے کھول دیئے۔

③ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کا بہت ادب و احترام کیا کرتے تھے۔ جب کبھی ان کی والدہ صاحبہ کو مسئلہ معلوم کرنا ہوتا تو وہ ایک سن رسیدہ فقیہ سے دریافت کرتیں۔ ایسے موقع پر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کو اونٹ پر سوار کرتے اور خود نکیل پکڑ کر پیدل چلتے۔ جب لوگ دیکھتے تو ادب و احترام کی وجہ سے راستے کے دونوں طرف کھڑے ہو کر سلام کرتے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ان سے مسئلہ دریافت کرتیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ معمر فقیہ کو مسئلہ کا صحیح حل معلوم نہ ہوتا تو وہ زیر لب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھ لیتے۔ پھر اونچی آواز سے آپ کی والدہ کو بتا دیتے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع اور ان کا ادب کا یہ عالم تھا کہ ساری زندگی اپنی والدہ پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ جو مسائل آپ ان سے پوچھتی ہیں وہ میں ہی تو بتاتا ہوں۔ یہ سب اسلئے تھا کہ والدہ صاحبہ کی طبیعت جس طرح مطمئن ہوتی ہے ہونی چاہئے۔ اس ادب و احترام کے صدقے ہی امام اعظم بنے۔

④ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ جب لڑکپن میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے آئے تو تھوڑے دن پڑھ کر جانے لگے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ بھائی اتنی جلدی کیوں؟ مولانا نے عرض کیا کہ والدہ کی اجازت اتنی ہی تھی۔ والدہ

کے ادب میں نے مولانا کو صاحب کشف بزرگ بنا دیا۔

خلاصہء کلام:

اگرچہ والدین کا ادب و احترام عمر کے ہر حصے میں واجب ہے لیکن جب دونوں شباب کی بہاروں، رعنائیوں اور توانائیوں سے محروم ہو کر بڑھاپے کی زندگی گزار رہے ہوں تو اولاد کو چاہئے کہ ان کا زیادہ خیال رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ اولاد کی ذرا سی بے رخی والدین کے لئے دل کا روگ بن جائے۔ جب والدین اولاد کے رحم و کرم کے محتاج ہوں تو حالات کے ان بے رحم تھپیڑوں میں اولاد پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ کوئی ایسا قولی یا فعلی رویہ اختیار نہ کرے جس سے والدین کو ایذا پہنچے۔ بلکہ اس وقت انسان اپنے بچپن کو یاد کرے کہ جب وہ اپنے والدین کی شفقت اور حسن سلوک کا اس سے زیادہ محتاج تھا۔ اپنے ننگے بدن کو حانپ نہیں سکتا تھا، خود اپنی مرضی سے کروٹ نہیں بدل سکتا تھا، اپنی غذا کا بندوبست نہیں کر سکتا تھا، حتیٰ کہ اپنے بدن کے ساتھ لگی نجاست کو نہیں دھو سکتا تھا۔ اس بے بسی کے عالم میں باپ کی شفقت اور ماں کی مامتا نے شجر سایہ دار کی مانند اسے اپنی محبت کی گھنی چھاؤں سے نوازا۔ یہ ماں ہی تو تھی جو بچے کو پہلے کھلاتی تھی پھر خود کھاتی تھی۔ جو بچے کو پہلے پلاتی تھی بعد میں خود پیتی تھی۔ جو بچے کو پہلے سلاتی تھی بعد میں خود سوتی تھی۔ جو اپنے سر کی چادر کے ایک کونے سے بیٹے کے جوتوں کو صاف کرتی تھی۔ جو اپنے ہاتھوں سے بچے کے پاؤں میں جوتا پہناتی تھی۔ آج اس ماں کے احسانات کا بدلہ چکانے کا وقت آ پہنچا۔ پس اولاد کو چاہئے کہ والدین کے ادب و احترام کا خیال رکھے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الْجَنَّةُ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ

(جنت ماؤں کے قدموں کے تلے ہے)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

رَضِيَ الرَّبُّ فِي رَضَى الْوَالِدِ وَ سَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ
[رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی
میں ہے] (مشکوٰۃ: ج ۲، ص ۴۱۹)

سچ تو یہ ہے کہ اولاد اپنے والدین کی جتنی خدمت کرے ان کے احسانات کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ بلکہ اگر ساری کائنات کی نعمتوں کا ایک لقمہ بنا کر والدین کے منہ میں دے دے تو بھی والدہ کے سینے سے پیئے ہوئے دودھ کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ باپ بیٹے کی محبت میں کتنا فرق ہے؟ فرمایا بیٹا بیمار ہو اور لا علاج مرض میں گرفتار ہو جائے تو باپ اس کی درازی عمر کی رو کر دعا میں کرتا ہے اس کے بس میں ہو تو اپنی بقیہ زندگی کے ایام اپنے بیٹے کو دے کر خود موت کو قبول کر لے لیکن جب باپ بیمار ہو اور لا علاج ہو جائے تو چند دن ہی میں بیٹا مایوس ہو کر دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ! میرے بوڑھے باپ کو اپنے پاس بلا لے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ وفا کے بدلے میں اتنی جفا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں والدین کے ادب و احترام اور خدمت و اطاعت کی توفیق عطا فرمادے۔



باب نمبر 6

طلباء کے لئے آداب

حدیث پاک میں آتا ہے اَلْعِلْمُ نُورٌ (علم ایک روشنی ہے) جب سینہ اس نور سے روشن ہو جاتا ہے تو انسان کو فضل و کمال کی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ علم نہ ہو تو انسان اور حیوان میں فرق ختم ہو جاتا ہے۔ تاہم حصول علم کے بھی کچھ تقاضے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے پوچھا گیا کہ علم افضل ہے یا مال؟ فرمایا علم۔ پوچھا گیا اس کی دلیل کیا ہے؟ فرمایا، اَلْعِلْمُ مِیْرَاثُ الْاَنْبِیَاءِ علم انبیاء کی میراث ہے اور مال فرعون و قارون کی۔

۱۔ علم سے دوست بنتے ہیں جب کہ مال سے حاسد بنتے ہیں۔

۲۔ علم کے چوری ہونے کا خدشہ نہیں جبکہ مال کو امن نہیں۔

۳۔ علم پرانا ہو تو رائج ہو جاتا ہے جب کہ مال پرانا ہو تو کم قیمت ہو جاتا ہے۔

۴۔ صاحب علم کی کرامت بڑھتی ہے جبکہ صاحب مال کی فحالت بڑھتی ہے۔

۵۔ علم کو خرچ کیا جائے تو بڑھتا ہے جبکہ مال خرچ کیا جائے تو گھٹتا ہے۔

۶۔ روزِ محشر علم کا حساب نہ لیا جائے گا جبکہ مال کا حساب دینا پڑے گا۔

۷۔ علم سے دل روشن ہوتا ہے جبکہ مال سے دل سیاہ ہوتا ہے۔

۸۔ علم انسان کی حفاظت کرتا ہے جبکہ مال کی حفاظت انسان کو کرتا پڑتی ہے۔

۹۔ اللہ تعالیٰ مال ہر ایک کو دیتا ہے۔ جب کہ علم اپنے محبوب بندوں کو دیتا ہے۔

۱۰۔ کثرت علم سے نبی کریم ﷺ نے مَا عَبْدُنَاكَ حَقَّ عِبَادِيكَ کہا کثرت مال سے فرعون نے اَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ کہا۔

یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ مال سے دنیا کے چند بڑے فائدے تو حاصل کئے جاسکتے ہیں مگر ہر مشکل میں تو مال کام نہیں آتا۔ مثلاً

♣ مال سے ہم عینک تو خرید سکتے ہیں مینائی نہیں خرید سکتے۔

♣ مال سے ہم نرم بستر تو خرید سکتے میٹھی نیند نہیں خرید سکتے۔

♣ مال سے ہم کتابیں تو خرید سکتے ہیں علم نہیں خرید سکتے۔

♣ مال سے ہم خوشامد تو خرید سکتے ہیں کسی کی محبت نہیں خرید سکتے۔

♣ مال سے ہم زیورات تو خرید سکتے ہیں حسن نہیں خرید سکتے۔

♣ مال سے ہم گھر میں نوکر تو لا سکتے ہیں بیٹا نہیں لا سکتے۔

♣ مال سے خضاب تو خرید سکتے ہیں شباب نہیں خرید سکتے۔

پس انسان کو چاہئے کہ طالب مال بننے کے بجائے طالب علم بن کر دنیا اور

آخرت میں سرخروئی حاصل کرے۔ حصول علم کے چند آداب درج ذیل ہیں۔

①۔ اخلاص نیت:

طالب علم کو چاہئے کہ علم کے حاصل کرنے میں کوئی فاسد نیت اور دنیوی غرض

نہ ہو۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اگر نیک نیت ہو تو طالب علم سے

افضل کوئی نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر عمل کا بدلہ نیت پر موقوف

ہے اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہوتی ہے۔

بہت سے اعمال بظاہر شکل و صورت میں دنیاوی امور کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن حسن نیت کی وجہ سے وہ اعمال آخرت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جبکہ بہت سے اعمال اپنی ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے اعمال آخرت کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن نیت کی خرابی کی وجہ سے دنیاوی اعمال میں شمار ہوتے ہیں۔ جمع الفوائد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے علم اللہ کے علاوہ کسی غیر کے لئے سیکھا اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہئے۔

ابوداؤد و شریف کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، علم اس لئے حاصل نہ کرو کہ علماء پر فخر کرو، جبلاء سے بحث کرو اور مجلس میں اونچی جگہ بیٹھو۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کے لئے دوزخ ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر ﷺ کو وحی نازل فرمائی کہ ان لوگوں سے کہہ دو جو علم دین کو عمل کے لئے حاصل نہیں کرتے بلکہ عمل آخرت کے ذریعے دنیا کماتے ہیں گویا تم وہ ہو جو آدمیوں کے سامنے بھیڑ کی کھال اوڑھ کر جاتے ہو حالانکہ تمہارے سینوں میں بھیڑیوں کے دل چھپے ہوئے ہیں۔ تمہاری زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں مگر دل زہر کی طرح کڑوے ہیں۔ تم مجھے دھوکا دیتے اور مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہو۔ اچھا! میں تمہیں ایسے فتنے میں ڈالوں گا جس سے بڑے بڑے دانا اور سمجھدار ہکا بکارہ جائیں گے۔

یزید بن حبیب کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ مخفی ہوس کیا ہے؟ فرمایا آدمی علم حاصل کرے اور دل میں خواہش ہو کہ لوگ اس کی درباری کریں۔ مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ لوگ ذرا دینی شعور اور اخروی نقطہ نظر سے اپنی اولاد کو اللہ کے دین کا خادم بنانے کا عزم تو کر لیں اور پھر

دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ کیا ہوتا ہے۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا والی کریمانہ شان کا تجربہ انشاء اللہ ہر شخص کو ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر اہل علم اپنے علم کی عزت کرتے اور اپنا عمل اس کے مطابق رکھتے تو اللہ اور اللہ کے فرشتے اور صالحین ان سے محبت کرتے۔ تمام مخلوق پر انکا رعب ہوتا لیکن انہوں نے اپنے علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ بھی ان سے ناراض ہو گیا اور وہ مخلوق میں بھی بے وقعت ہو گئے۔

ایک وقت تھا جب لوگ علم حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کرتے تھے آج مال حاصل کرنے کیلئے علم خرچ کرتے ہیں۔ چٹائی پر رات بسر کرنے والے وہ لوگ جو عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے آج ان کی اولادیں نرم بستر پر شب باشی کی عادی ہو چکی ہیں۔ جو لوگ اتنا مطالعہ کرتے تھے کہ ان کے چراغ کے تیل کا خرچہ ان کے کھانے پینے کے خرچے سے زیادہ ہوتا تھا آج ان کے شاگرد اخبار بنی کے شوق میں آدھا آدھا دن بسر کر دیتے ہیں۔ خدا طلبی کی بجائے دنیا طلبی عام ہو چکی ہے۔ یہ سب فساد نیت کا ثمر ہے۔

نظام الملک نے جب مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی تو کثیر تعداد میں طلباء نے داخلہ لیا۔ چند سال تو بہت علمی ماحول رہا مگر آہستہ آہستہ طلباء کے دینی ذوق و شوق میں کمی آتی گئی۔ کسی نے نظام الملک سے شکایت کی کہ آپ طلباء کی سہولت کے لئے اتنی کثیر رقم خرچ کر رہے ہیں مگر خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا۔ نظام الملک نے صحیح صورت حال معلوم کرنے کیلئے ایک دن بھیس بدلا اور عشاء کے بعد مدرسہ پہنچ گیا۔ دیکھا کہ طلباء نکرار کے لئے دو دو اور تین تین کی ٹولیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ نظام الملک ان میں ایک طالب علم کے پاس گیا اور سلام کرنے کے

بعد پوچھا کہ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ طالب علم نے کہا کہ ہم علم حاصل کرنے آئے ہیں۔ پوچھا، کس لئے علم حاصل کرنا چاہتے ہو؟ طالب علم نے کہا، میرے والد بڑے مفتی ہیں میں علم حاصل کرنے کے بعد انکی جگہ سنبالوں گا۔ نظام الملک نے دوسرے طالب علم سے پوچھا کہ آپ کیوں علم حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ میرے والد فلاں مسجد کے خطیب ہیں میں علم حاصل کرنے کے بعد خطابت کا منصب سنبالوں گا۔ نظام الملک مختلف طلباء کے پاس جا جا کر یہی سوال پوچھتا رہا۔ ہر طالب علم کا یہی جواب تھا کہ علم حاصل کرنے سے ہمیں فلاں عہدہ ملے گا، عزت ملے گی اور لوگوں میں عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔

نظام الملک یہ سب سن کر بہت آزرده ہوا کہ افسوس یہ طالب علم نہیں طالب دنیا ہیں۔ ان کے لئے اتنی کثیر مقدار میں مال و دولت خرچ کرنے کا کیا فائدہ۔ بہتر ہے کہ مدرسے کو بند کر دیا جائے اور یہی مال کسی دوسرے کار خیر میں صرف کر دیا جائے۔ انہی خیالات کا تانا بانا بننے ہوئے نظام الملک مدرسہ کے دروازے پر واپس پہنچا تو دیکھا کہ ایک طالب علم چراغ جلائے الگ تھلگ اپنی کتاب کا مطالعہ کرنے میں مشغول ہے۔ نظام الملک نے سوچا چلو اس سے بھی یہی پوچھتے چلیں۔ چنانچہ اس نے طالب علم کے پاس جا کر سلام کیا۔ طالب علم نے زبان سے سلام کا جواب تو دیا مگر آنکھ اٹھا کر یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ سلام کرنے والا کون ہے۔ نظام الملک بڑا حیران ہوا۔ پوچھا کہ میاں کیا بات ہے ہماری طرف توجہ ہی نہیں کرتے کوئی بات تو کرو۔ طالب علم نے ٹکا سا جواب دیا کہ جناب! میں یہاں آپ سے باتیں کرنے نہیں آیا۔ نظام الملک نے پوچھا کہ آخر یہاں کس مقصد کے لئے آئے ہو۔ طالب علم نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ میں کیسے کروں۔ یہ علم ان کتابوں میں موجود ہے۔ میں یہ علم حاصل

کرنے کیلئے یہاں آیا ہوں۔ اب آپ کی مہربانی آپ خواہ مخواہ سوالات پوچھ کر میرا وقت ضائع نہ کریں۔ نظام الملک یہ جواب سن کر اتنا خوش ہوا کہ اس نے ارادہ کر لیا کہ جب تک اس جیسا ایک بھی طالب علم موجود ہے میں مدرسے کے اخراجات میں کمی نہیں کروں گا۔ یہی لڑکا بڑا ہوا تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بنا۔

②. طالب علم کو چاہئے کہ اپنے نفس کو بری صفات اور ناپسندیدہ عادات سے پاک کرے:

احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جس طرح نماز جو کہ ظاہری اعضاء کی عبادت ہے بغیر طہارت کے درست نہیں ہوتی اسی طرح علم جو باطنی عبادت ہے بغیر باطنی طہارت کے حاصل نہیں ہوتا۔

سلف صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص زمانہ طالب علمی میں گناہوں سے احتیاط نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کو تین چیزوں میں سے ایک چیز میں ضرور مبتلا کر دیتے ہیں۔ یا تو وہ عین جوانی میں مر جاتا ہے یا پھر وہ باوجود فضل و کمال کے ایسی جگہوں پر مارا مارا پھرتا ہے جہاں اس کا علم ضائع ہو جاتا ہے اور علم کی اشاعت نہیں کر پاتا یا کسی بادشاہ اور رئیس کی کاسہ لیسے اور خدمت کی ذلتیں برداشت کرتا ہے۔ جس طرح چراغ جلانے بغیر روشنی نہیں ہوتی اسی طرح علم بھی عمل کے بغیر فائدہ نہیں دیتا۔ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کو تین باتوں پر عمل کئے بغیر فائدہ نہیں ہوتا خواہ اسی صندوق کتابوں کے پڑھ لے۔

1. دنیا سے محبت نہ رکھے کیونکہ یہ مسلمان کا گھر نہیں
2. شیطان سے دوستی نہ کرے کیونکہ وہ مسلمان کا رفیق نہیں ہے
3. کسی کو تکلیف نہ دے کیونکہ یہ مسلمان کا پیشہ نہیں ہے

میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ علم کا پڑھنا اور اس کا بڑھنا ہے فائدہ ہے جب تک کہ اطاعت و خوف بھی ساتھ ساتھ نہ بڑھے۔

علم چنداں کہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانش مند
چار پائے برد کتابے چند

عبدالرحمن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیس سال تک رہا۔ ان میں سے اٹھارہ سال ادب و اخلاق کی تعلیم میں خرچ ہوئے اور دو سال علم کی تحصیل میں۔ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علم حاصل کرتے ہوئے روتے رہا کرو کیونکہ تم فقط علم حاصل نہیں کر رہے بلکہ اپنے اوپر حجت الہی کو اچھی طرح قائم کر رہے ہو۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں بازار سے صرف روٹی خریدتے اور سالن اس وجہ سے نہ لیتے تھے کہ دکانوں میں جو سالن پکنا تھا اس میں آچور کا ڈالنا لازم تھا اور آموں کے باغات کی بیج کا جو رواج تھا وہ شرعاً ناجائز تھا اس لئے سالن کے بغیر ہی روٹی کھا لیتے تھے۔

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ محدث سہارنپوری مدرسہ کے کسی کام کی وجہ سے کلکتہ گئے۔ احتیاط کا یہ عالم کہ وہاں کسی عزیز سے ملنے کے لئے گئے تو رکشے کے پیچھے اپنے پاس سے دیئے۔ حالانکہ ان سے ملنے میں مدرسہ کا بھی فائدہ تھا۔ حضرت مولانا غلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ کی کوئی چیز اپنے اوپر

استعمال نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مدرسہ کے فرش پر بھی مدرسہ کے کام کے علاوہ نہیں بیٹھتے تھے۔ بعض حضرات کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ دارالعلوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ناظم مطبخ بننے مگر اپنا کھانا گھر سے منگا کر کھاتے۔

ایک طالب علم نے نماز عشاء کے تھوڑی دیر بعد ایک چراغ بجھا کر دوسرا چراغ جلایا اور مطالعہ کے لئے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے ایک صاحب وہاں موجود تھے۔ انہوں نے وجہ دریافت کی تو طالب علم نے کہا کہ یہ مسجد کا چراغ ہے جتنی دیر اس کے جلنے کی اجازت ہے اتنی دیر اس کو جلاتا ہوں بعد میں اپنا تیل جلا کر مطالعہ کرتا ہوں۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے تھے کہ طالب علم اگر طالب علمی کے زمانے میں صاحب نسبت نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا۔ طالب علم کو چاہئے کہ اتباع سنت کا بہت التزام کرے۔ دو طالب علموں نے تحصیل علم کے لئے سفر کیا۔ جب دو سال بعد واپس آئے تو ایک فقیہ کامل تھا اور دوسرا علم و کمال سے خالی تھا۔ شہر کے علماء نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ جو فقیہ کامل بنا وہ اتباع سنت کا زیادہ اہتمام کرتا تھا۔

طالب علم کو چاہئے کہ کھانے پینے میں احتیاط برتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ (مؤمنون: ۵۱) مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ اکل طیب کو اسی لئے مقدم کیا کہ عمل صالح کرنے میں اسے بڑا دخل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِزْقًا طَیِّبًا وَ عِلْمًا نَّافِعًا وَ عَمَلًا مُّقْتَبَلًا۔ معلوم یہ ہوا کہ اکل حلال کے بغیر علم نافع اور عمل صالح کا حصول نہیں ہوتا۔ آج کل بعض طلباء تو دوسروں کی چیزیں بلا اجازت مال غنیمت سمجھ کر کھاتے ہیں۔ مدرسہ کی چیزوں کو تو اپنی میراث سمجھتے ہیں۔ اگر تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی گزاریں تو دنیا کی نعمتیں خود بخود ان کے قدموں میں آئیں۔ ایک طالب علم کا قصہ کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ دہلی کے ایک مدرسہ میں پڑھتا

تھا مگر کسی مسجد میں رات کے وقت قیام کرتا تھا۔ قریبی محلہ میں ایک لڑکی اپنے رشتہ داروں کے یہاں کسی کام کی غرض سے جا رہی تھی کہ اچانک فرقہ وارانہ فساد ہو گیا۔ لوگوں کا جھوم اور کشت و خون کو دیکھ کر وہ لڑکی گھبرائی اور مسجد میں داخل ہو کر پناہ حاصل کی۔ عشاء کے بعد کا وقت تھا طالبعلم اس کو دیکھ کر گھبرایا اور اس سے معذرت کی کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ لوگ دیکھیں گے تو میری ذلت ہوگی۔ مجھے مسجد سے بھی نکال دیں گے میری تعلیم کا بھی نقصان ہوگا۔ لڑکی نے کہا کہ باہر جو ہنگامہ ہو رہا ہے وہ آپ سے مخفی نہیں۔ باہر نکلنے میں میری جان کا بھی خطرہ ہے اور عزت و ناموس کا بھی خطہ ہے۔ مسجد اللہ کا گھر ہے مجھے یہاں امان نہ ملی تو کہاں ملے گی۔ طالبعلم لا جواب ہو کر کہنے لگا کہ چلو ایک کونے میں بیٹھ جاؤ۔ کمرہ چونکہ چھوٹا تھا لہذا طالبعلم دوسرے کونے میں بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہو گیا۔ مطالعہ کے دوران بار بار اپنی انگلی چراغ کی بتی پر رکھ دیتا۔ ساری رات اسی طرح گزاری۔ لڑکی دوسرے کونے میں بیٹھی یہ سب ماجرا دیکھتی رہی۔ جب صبح قریب ہوئی تو طالبعلم نے کہا فساد اپنے اپنے گھر چلے گئے اس وقت راستہ صاف ہے آپ چلے میں آپ کو گھر پہنچا دوں۔ لڑکی نے کہا کہ میں اس وقت تک نہ جاؤں گی جب تک آپ مجھے اس کاراز نہ بتا دیں گے کہ آپ بار بار انگلی چراغ کی بتی میں کیوں رکھ دیتے تھے۔ طالبعلم نے کہا کہ آپ کو اس سے کیا غرض۔ لڑکی نے جب اصرار کیا تو طالبعلم نے بتایا کہ شیطان بار بار میرے دل میں دوسے ڈال رہا تھا اور مجھے گناہ کی ترغیب دے رہا تھا۔ جب نفس کی خواہش بھڑکتی میں اپنی انگلی چراغ کی لو سے جلاتا اور اپنے نفس کو مخاطب کرتا کہ اے نفس تو دنیا کی آگ کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا بھلا جہنم کی آگ کی تکلیف کیسے برداشت کرے گا۔ لڑکی یہ سن کر حیران ہوئی اور گھر چلی گئی۔ گھر جا کر اس نے والدین کو

سارا قصہ من وعن سنایا۔ لڑکی کا والد بہت مالدار اور دیندار تھا۔ لڑکی بھی مہ پارہ اور مہ جبین تھی۔ بڑے بڑے مالدار لڑکوں کے رشتے آرہے تھے۔ مگر لڑکی نے والدین سے کہا کہ اگر آپ اس طالب علم سے میرا نکاح کر دیں تو میں ساری زندگی اسکی خدمت کرنا اپنی سعادت سمجھوں گی۔ چنانچہ طالب علم سے اسکا نکاح ہو گیا اور وہ اس گھر کا مالک بن گیا۔ سچ ہے جو حرام سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ وہ نعمت حلال طریقے سے عطا فرما دیتے ہیں۔ طالب علم کو چاہئے کہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کرے تاکہ عبادت میں خشوع کی توفیق نصیب ہو اور علم کی حلاوت سے حصہ لے۔

③ طالب علم کو چاہئے کہ اساتذہ کا ادب و احترام اپنے اوپر لازم سمجھے

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بوزھے مسلمان، عالم دین، حافظ قرآن، عادل بادشاہ اور استاد کی عزت کرنا تعظیم خداوندی میں داخل ہے۔ ابن وہب کہا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ ملا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ادب کی وجہ سے ملا۔ طالب علم کو چاہئے کہ استاد کی بات توجہ سے سنے۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو ادب سے پوچھ لے۔ استاد کے سامنے زیادہ بولنا بے ادبی میں داخل ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ادب کی وجہ سے اپنے استاد کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ ان کا ذکر ان کی کنیت کے ساتھ کرتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے دل میں کوئی خواہش ہے؟ فرمایا، میرا جی چاہتا ہے کہ میرے استاد علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ حیات ہوتے اور میں جا کر ان کی صحبت اختیار کرتا۔ امام ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنے استاد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کبھی پانی پینے کی جرات نہ ہوئی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ادب کی وجہ سے کتاب کا ورق آہستہ آہستہ لٹاتا تھا کہ میرے استاد کو اس کی آواز نہ سنائی

طالب علم کو چاہئے کہ اگر استاد اسے کوئی نکتہ بتائے اور وہ اسے پہلے سے معلوم تھا تب بھی یہ ظاہر نہ کرے کہ مجھے پہلے سے معلوم تھا۔ استاد کو کسی حال میں بھی برا نہ کہے ورنہ تلامذہ اسے بھی برا کہا کریں گے۔

استاد کا یہ بھی حق ہے کہ طالب علم اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد بھی ملاقات کرتا رہے۔ ”شرح الطریقۃ المحمدیہ“ میں لکھا ہے کہ جس وقت امام حلوانی رحمۃ اللہ علیہ بخارا سے دوسری جگہ تشریف لے گئے تو امام زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اس علاقہ کے تمام شاگرد سفر کر کے ان کی زیارت کو گئے۔ مدت کے بعد امام زرنوجی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے غیر حاضری پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے معذرت پیش کی کہ ماں کی خدمت کی وجہ سے نہیں آسکا۔ اس وقت امام حلوانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ کو عمر تو لمبی نصیب ہوگی مگر درس نصیب نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شاہ عبدالرحمن محدث پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ طالب علمی میں پانی پت سے سہارنپور پہنچے۔ رخصت ہوتے وقت سب اساتذہ سے اچھی طرح ملے مگر ایک استاد جن سے ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں ان سے نہ مل سکے۔ جب سہارنپور پہنچ کر کتابیں شروع کیں تو سبق یاد کرنے میں مشکل پیش آئی۔ کئی دن اسی پریشانی میں گزر گئے۔ ایک دن خیال آیا تو انہوں نے فوراً اپنے استاد کو معذرت نامہ لکھ بھیجا۔ استاد نے جواب میں لکھا کہ جب آپ دوسرے سب اساتذہ سے مل کر گئے اور مجھے نہ ملے تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید آپ مجھے چھوٹا استاد سمجھتے ہوئے نظر انداز کر گئے ہوں۔ اب آپ کے معذرت نامے سے مجھے شرح صدر حاصل ہوا۔ میں آپ کے لئے دعا گو ہوں۔ جیسے ہی یہ خط آپ کو ملا آپ کو ذہنی سکون نصیب ہوا اس کے بعد آپ کو سبق یاد کرنے میں کوئی مشکل پیش

نہ آئی۔

طالب علم کو چاہئے کہ استاد کی شان میں کوئی گستاخی ہو جائے تو انتہائی عاجزی سے فوراً معافی مانگ لے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کسی وجہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ گفتگو کے دوران ان کے استاد ابراہیم بن طہمان کا ذکر آیا۔ ان کا نام سنتے ہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فوراً سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا یہ نازیبا بات ہوگی کہ بڑوں کا نام لیا جائے اور ہم ٹیک لگا کر بیٹھے رہیں۔ طالب علم کے لئے یہ بھی ضروری ہے استاد کے متعلقین سے بھی محبت کرے۔ ان سے ادب و احترام سے پیش آئے۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ طالب علم کے عمل میں کوتاہی کی نشانی یہی کافی ہے کہ وہ استاد کا ادب نہ کرے۔ جب استاد کا انتقال ہو جائے تو اس کے وظیفہ یا قیام گاہ کے حصول کی کوشش کرے۔ استاد کی اولاد سے ان امور میں مقابلہ کرے اور اپنے آپ کو ان سے زیادہ مستحق سمجھے۔

إِنَّ الْمُعَلِّمَ وَالطَّبِيبَ كِلَا هُمَا
لَا يَنْصَحَانِ إِذَا هُمَا لَمْ يُكْرَمَا
فَاصْبِرْ لَذَانِكَ إِنْ جَفَوْتَ طَبِيبًا
وَأَفْتَعْ بِجَهْلِكَ إِنْ جَفَوْتَ مُعَلِّمًا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن حسن سے کتاب الزکوٰۃ پڑھنا شروع کی تو استاد نے فرمایا کہ تمہارے لئے علم حدیث کا پڑھنا مناسب ہے کیونکہ میں تمہارے اندر اس کی مناسبت پاتا ہوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مشورہ قبول کر لیا اور پھر دنیا نے دیکھا کہ وہ علم حدیث میں امیر المومنین بنے۔

تعلیم الحکم میں لکھا ہے کہ جو طلباء اساتذہ کو بدلتے رہتے ہیں کبھی کسی کے پاس، کبھی کسی کے پاس چلے گئے اس سے علم کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے علم حدیث کی سند حضرت حاجی محمد افضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی تھی۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تحصیل علم سے فراغت کے بعد حاجی صاحب نے اپنی کلاہ جو پندرہ برس تک آپ کے عمامہ کے نیچے رہ چکی تھی مجھے عنایت فرمائی۔ میں نے رات گرم پانی میں وہ ٹوپی بھگو دی۔ صبح تک وہ پانی جو املاس کے شربت سے زیادہ سیاہ ہو گیا تھا۔ میں اس کو پی گیا۔ اس پانی کی برکت سے میرا دل ایسا روشن ہو گیا کہ کوئی کتاب مشکل نہ رہی۔

اساتذہ کی ٹوپیاں اچھالنے والے اور مدرسہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی سکیس بنانے والے طلبہ ذرا ان باتوں پر غور فرمائیں۔

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ درس حدیث دے رہے تھے کہ ایک مقام کو حل کرنے میں مشکل پیش آئی۔ کافی دیر غور و خوض کرنے کے بعد بھی کوئی نکتہ یاد نہ آیا۔ طلباء انتظار میں تھے کہ حضرت نے فرمایا کہ عزیز طلباء! مجھے اس مقام کو حل کرنے میں دقت پیش آرہی ہے، آپ تھوڑی دیر انتظار کریں، میں فلاں استاد (جو حضرت کے شاگرد رہ چکے تھے) سے پوچھ کر آتا ہوں۔ طلباء حیران تھے کہ اتنے جلیل القدر استاد کی بے نفسی کا یہ عالم!!! حالانکہ چاہتے تو اس بات کو اگلے دن پر بھی موخر کر سکتے تھے۔ مگر خلوص اور للہیت بھی عجیب نعمت ہے۔ جب حضرت! کمرے سے نکل کر دوسرے استاد کے دروازے پر پہنچے تو وہ دیکھتے ہی باہر آ گئے اور پوچھا کہ حضرت آپ کیسے تشریف لائے؟ فرمایا، مولانا! مجھے ایک مقام پر بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی میں نے سوچا

کہ آپ سے پوچھ لوں۔ وہ بھی آپ ہی کے صحبت یافتہ تھے۔ انہوں نے کتاب ہاتھ میں لے کر بات یوں شروع کی 'حضرت! جب میں نے یہ کتاب آپ سے پڑھی تھی تو اس وقت آپ نے اس سوال کا جواب یوں دیا تھا۔ یہ الفاظ کہہ کر مشکل مقام کا حل تفصیل سے بیان کر دیا۔

طالب علم اپنے استاد کے ادب کے بغیر نہ علم حاصل کر سکے گا نہ ہی اس سے نفع اٹھا سکے گا۔ جو شخص منزل مقصود پر پہنچا وہ ادب ہی کی وجہ سے پہنچا اور جو گرا وہ بے ادبی کی وجہ سے گرا۔ مثل مشہور ہے۔

الاذبُ خَيْرٌ مِنَ الطَّاعَةِ (ادب عبادت سے بہتر ہے)

اے مخاطب! کیا تو سنے نہیں دیکھا کہ انسانؑ ناہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں ہوتا بلکہ گناہ کو ہلکا سمجھنے کی وجہ سے اور بے ادبی کی وجہ سے کافر ہوتا ہے۔ شیخ امام سعد الدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص چاہے کہ اس کا بیٹا عالم ہو جائے تو اسے چاہئے کہ مسکین علماء کی تمہبانی کرے، ان کی تعظیم کرے اور انہیں کھلائے پلائے۔ اگر اس کا بیٹا عالم نہ ہوا تو پوتا ضرور عالم ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بعض اوقات اپنے استاد حضرت زید بن ثابت ؓ کی سواری پکڑ لیتے تھے یہ سب ادب کی وجہ سے تھا۔

حضرت علی ؓ استاد کی تعظیم کے متعلق فرماتے تھے۔

أَنَا عَبْدٌ مِّنْ عِلْمَنِي حَرْفًا وَاحِدًا إِنْ شَاءَ بَاعَ وَإِنْ شَاءَ أَعْتَقَ
وَإِنْ شَاءَ اسْتَرْقَى۔ (تعلم لعلوم)

[میں اس شخص کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف پڑھایا۔ اگر وہ چاہے تو مجھے بیچ دے اگر چاہے تو آزاد کر دے اور اگر چاہے غلام بنا لے]

کسی شاعر نے حقوق استاد کے بارے میں عجیب اشعار لکھے ہیں۔

رَأَيْتُ أَحَقَّ الْحَقِّ حَقَّ الْمُعَلِّمِ
وَأَوْجِبُهُ حِفْظًا عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ
لَقَدْ حَقَّ أَنْ يُهْدَى إِلَيْهِ كَرَامَةٌ
لِتُعَلِّمَ حَرْفٍ وَاحِدٍ أَلْفَ دِرْهَمٍ

[میں نے تمام حقوق سے زیادہ استاد کا حق دیکھا ہے۔ میں استاد کے حق کی حفاظت کرنا تمام مسلمانوں پر زیادہ ضروری سمجھتا ہوں۔ بے شک حق یہ ہے کہ استاد کے ایک حرف کی تعلیم کے بدلے میں ادب کی بناء پر ہزار درہم بدیہ پیش کیا جائے تو بھی کم ہے]

④ . طالب علم کو چاہئے کہ اپنے استاد کی خدمت کو اپنے لئے فلاح دارین کا ذریعہ سمجھے۔

حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہمیشہ عاتکہ فرماتی ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے گھر کی روٹی دھنتے تھے۔ اور ہمارا دودھ..... ترکاری خرید کر لاتے تھے۔ اور اس طرح کے بہت سے کام کیا کرتے تھے۔ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ اس وقت کیا کوئی سمجھ سکتا تھا کہ حماد بن سلمہ کے گھر کا یہ خدمتکار شاگرد تمام عالم کا مخدوم بنے گا۔

خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے کو حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تربیت کے لئے بھیجا۔ ایک دن جب ملنے کے لئے گئے تو دیکھا کہ شہزادہ پانی ڈال رہا ہے اور حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں دھو رہے ہیں۔ ہارون الرشید نے اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں نے تو بیٹے کو

تربیت کے لئے بھیجا تھا اگر آپ اس کو ادب سکھاتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ پانی ڈال تو رہا ہے۔ ہارون رشید نے کہا کہ حضرت آپ اسے حکم فرماتے کہ یہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوتا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ ان کے استاد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مہمان زیادہ آگئے۔ بیت الخلاء ایک ہی تھا۔ مہمانوں کا کئی دن قیام رہا۔ حضرت مدنی روزانہ رات کو آکر بیت الخلاء صاف کر جاتے اور صبح کے وقت مہمانوں کو بیت الخلاء بالکل صاف ملتا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مالٹا کی جیل میں تھے کہ سردیوں کا موسم شروع ہو گیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو پانی بہت زیادہ ٹھنڈا ہوتا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقہ سوچا کہ رات کو سوتے وقت برتن میں پانی بھر لیتے اور پھر سجدے کی حالت میں سو جاتے۔ جبکہ برتن کو اپنے پیٹ اور بازوؤں کے درمیان رکھ لیتے۔ پانی چونکہ ہر طرف سے ڈھانپ لیتے لہذا جب تہجد کا وقت ہوتا تو وہ پانی نیم گرم حالت میں ہوتا۔ یہ پانی وضو کے لئے اپنے استاد کو پیش کرتے۔ کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ ایک دن تھکاوٹ ایسی تھی کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر نیند غالب آگئی۔ جب تہجد کے لئے اٹھے تو ٹھنڈے پانی سے وضو کر دانا پڑا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کیا پانی وہیں سے لائے ہو جہاں سے پہلے لاتے تھے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ آج مجھ سے غفلت ہوئی، رات کو بھر کر نہیں رکھ سکا۔ تب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو یہ راز معلوم ہوا کہ شاگرد

اپنے استاد کو گرم پانی مہیا کرنے کی خاطر ساری رات سجدے کی حالت میں گزار دیا کرتا تھا۔

قاضی امام فخر الدین ارسا بندیؒ شہر "مرو" کے امام الائمہ تھے۔ بادشاہ ان کی بہت تعظیم کیا کرتا تھا۔ قاضی صاحب فرماتے تھے کہ میں اپنے استاد قاضی امام ابو یزید دہلویؒ کی بہت خدمت کرتا تھا۔ میں نے تیس برس ان کا کھانا پکایا اور اس میں سے کچھ بھی نہ کھایا۔ استاد کی اس خدمت کی وجہ سے مجھے یہ رتبہ ملا کہ بادشاہ میرے ساتھ ادب و تعظیم سے پیش آتا ہے۔

⑤. طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ دینی کتابوں کا ادب و احترام کرے

طالب علم کو چاہئے کہ کسی کتاب کو بغیر طہارت کے نہ چھوئے۔ شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ ہمیں جو علم حاصل ہوا اس میں ادب و احترام کا بڑا عمل دخل ہے۔ میرا یہ حال تھا کہ کبھی کسی کتاب کو بلا وضو نہیں چھوتا تھا۔ امام سرخسیؒ باوجود ریاحی امراض میں مبتلا ہونے کے بغیر وضو کے ہاتھ میں کتاب نہ اٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ مطالعہ کے دوران سترہ بار وضو کرنا پڑا۔

کسی کتاب کی طرف پاؤں نہ پھیلانے۔ تفسیر کے نیچے حدیث کی کتاب اور حدیث کے نیچے فقہ کتاب اور اس کے نیچے دوسرے فنون کی کتابیں رکھے۔ کتاب اٹھانی ہو تو ادب سے اٹھائے۔ کسی کو دینی ہو تو پھینک کر نہ دے۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے درس کے دوران طلباء سے سوال پوچھا تاؤ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اتنے مایہ ناز عالم کیسے بنے؟ طلباء نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق جواب دیا۔ جس طالب علم کو تفسیر سے شغف تھا اس نے کہا کہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے مفسر تھے۔ جس طالب علم کو حدیث سے شغف تھا اس نے کہا کہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند پایہ محدث تھے۔ جس طالب علم

کو اشعار سے لگاؤ تھا اس نے کہا کہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند پایہ شاعر تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہے۔ طلباء نے پوچھا کہ حضرت! آپ ہی اس سوال کا جواب بتادیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کیسے بنے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں کتابوں کے ادب کی وجہ سے حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بنا۔ طلباء نے کہا کہ حضرت کتابوں کا ادب تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ فرمایا جتنا ادب میں کرتا ہوں اتنا ادب شاید نہ کرتے ہوں۔ میں نے بغیر وضو کبھی کسی دینی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔ مطالعہ کے دوران کتاب کو اپنے تابع کر نیکی بجائے اپنے آپ کو کتاب کے تابع کیا۔ مثلاً اگر بخاری شریف کا مطالعہ کر رہا ہوں اور حاشیہ کی عبارت پڑھنی ہو تو میں کتاب کو اپنی جگہ پڑے رہنے دیتا ہوں اور خود اپنی جگہ بدل کر چاروں طرف سے حاشیہ پڑھ لیتا ہوں۔ میں نے چار پائی پر بیٹھے ہوئے بھی کبھی کسی دینی کتاب کو پامنتی کی طرف نہیں رکھا ہمیشہ سرہانے کی طرف رکھا ہے۔ کبھی تاریخ کی کتابوں کو فن کی کتابوں پر نہیں رکھا، کبھی فنون کی کتابوں کو فقہ کی کتابوں پر نہیں رکھا، کبھی فقہ کی کتابوں کو حدیث کی کتابوں پر نہیں رکھا، اور کبھی حدیث کی کتابوں کو تفسیر کی کتابوں پر نہیں رکھا۔ بلکہ ترجمہ و تفسیر قرآن کو قرآن مجید کے اوپر نہیں رکھا۔ کتابوں کے ادب نے مجھے انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بنا دیا۔

کبھی کسی کتاب کے اوپر مستعمل چیز نہ رکھے۔ شیخ الاسلام برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کتاب کے اوپر دوات رکھنے کے عادی تھے تو ہمارے شیخ نے فرمایا کہ تم اپنے علم سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہو۔

کتاب کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اسپر بے کار اور لایعنی باتیں نہ لکھے

اکثر مدارس کے طلباء کی عادت ہو گئی ہے کہ اسپر خوب لکھتے ہیں جس سے علم کی برکت سے محروم ہوتے ہیں۔

ایک دن بلعلم سفر کے دوران اپنے سامان کی گٹھڑی اس طرح باندھے ہوئے تھا کہ اس نے لنگی میں پہلے کتابوں کو رکھا پھر اوپر اپنے کپڑوں کو رکھا پھر گٹھڑی باندھ لی۔ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تو تنبیہ فرمائی کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔

ایک عالم نے دو طالب علموں کو دو حال میں پایا۔ ایک تکیہ کا سہارا لئے مطالعہ کر رہا تھا اور دوسرا دوزانو مستعد بیٹھا کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا اور کچھ کاغذ پر لکھتا جا رہا تھا۔ استاد نے یہ ماجرا دیکھ کر اول کی نسبت فرمایا اِنَّهُ لَا يَبْلُغُ دَرَجَةَ الْفَضْلِ (یہ فضیلت کے درجے کو نہیں پہنچے گا)۔ دوسرے کے متعلق فرمایا سَبَّحُصْلُ الْفَضْلِ وَ يَكُونُ لَهُ شَأْنٌ فِي الْعِلْمِ (یہ عنقریب فضل حاصل کرے گا اور اس کے علم میں بڑی شان ہوگی)۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ امام حلوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس علم کو تعظیم کے ذریعے حاصل کیا حتیٰ کہ سادہ کاغذ بھی بغیر وضو کے ہاتھ میں نہیں لیا کرتے تھے۔

[6]. طالب علم کو چاہئے کہ اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے حقوق کا خیال رکھے

اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔ ان کی دل آزاری کا سبب نہ بنے۔ اگر اس کا ساتھی غلط عبارت پڑھے تو اس پر ہرگز نہ ہنسنے۔ ممکن ہے ساتھی نے غلط فہمی اور ناواقفیت کی وجہ سے غلط پڑھا ہو۔ ہنسنے سے اسے سبکی محسوس ہوگی اور خود اس کے اندر عجب اور تکبر پیدا ہوگا۔ اگر کسی ساتھی کو کتاب سمجھنے میں وقت پیش آئے تو ٹھہر کر کے دوران اسے سمجھا دے۔ یاد رکھے کہ تکبر کے ساتھ علم کا حاصل کرنا

جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

اَلْعِلْمُ حَزْبٌ لِلْفَتَى الْمُتَعَالَى . كَالسَّيْلِ حَزْبٌ لِلْمَكَّانِ الْعَالَى
[جس طرح ایک بلندء کمان کو سیلاب پاش پاش کر دیتا ہے اسی طرح تکبر
عالم کے علم کو ختم کر دیتا ہے]

حضرت خذائے عظمیٰ ایک مرتبہ نماز میں امام بنے اور سلام پھیر کر کہنے لگے صا
جوا! اپنے لئے کوئی دوسرا امام تجویز کر لو کیونکہ اس وقت میرے دل میں خطرہ گزرا
کہ چونکہ میرے برابر جماعت میں کوئی دوسرا نہ تھا اس لئے امام تجویز کیا گیا۔
طالب علم کو چاہئے کہ اپنے اندر مکارم اخلاق پیدا کرے جن کی تعلیم کے لئے
نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے۔ وہ درج ذیل ہیں۔

1. سچ بولنا۔
 2. سچائی کا معاملہ کرنا۔
 3. سائل کو عطا کرنا۔
 4. احسان کا بدلہ دینا۔
 5. صلہء رحمی کرنا۔
 6. امانت کی حفاظت کرنا۔
 7. روزی کا حق ادا کرنا۔
 8. ساتھی کا حق ادا کرنا۔
 9. مہمان کا حق ادا کرنا۔
 10. ان سب کی جزا اور اصل حیا ہے۔
- طالب علم کو چاہئے کہ اپنے کمرہ میں رہنے والے ساتھیوں سے جھگڑا فساد
کرے۔ ان سے کوئی غلطی ہو تو اس پر حتی الوسع صبر کرے۔ غریب ساتھی کی حتی
المقدور مدد کرے۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ دوران سفر دو مسواکیں بنائیں۔ ٹیڑھی
مسواک اپنے پاس رکھ لی اور سیدھی اور خوبصورت مسواک اپنے رفیق سفر کو عطا
کی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ اچھی اور خوبصورت مسواک
آپ اپنے پاس رکھ لیں۔ فرمایا، میرا بھی یہی دل چاہتا ہے کہ اچھی مسواک

میرے ساتھی کے پاس ہو۔

خواجہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دو ساتھیوں کو حکومت وقت نے قید کر لیا اور ان کے قتل کا فیصلہ کر دیا۔ جب تینوں حضرات کو جلاد کے سامنے پیش کیا گیا تو ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے اور جلاد کے قریب ہو گئے۔ حاکم نے پوچھا کہ آپ نے جلد بازی کیوں کی؟ فرمایا، میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ جلاد جتنی دیر میں مجھے قتل کرے گا اتنے لمحے میرے ساتھیوں کو اور زندہ رہنے کا موقع مل جائے گا۔ حاکم یہ سن کر حیران ہوا اور اس نے تینوں کو رہا کر دیا۔

⑦. طالب علم کو چاہئے کہ حصول علم کے لئے خوب محنت کرے۔ سستی کا بلی کو قریب نہ آنے دے اور اپنے اوقات کو ضائع نہ کرے۔
عربی کا مقولہ ہے

مَنْ طَلَبَ شَيْئًا وَجَدَ وَجَدَ

[جس نے کسی چیز کو طلب کیا اور محنت کی تو اسے پالیا]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے

الْجِدُّ فِي كُلِّ أَمْرٍ شَابِعٌ. وَالْجِدُّ يَفْتَحُ كُلَّ بَابٍ مُغْلَقٍ
[انسان کو شش کے بعد ہر مشکل کام کو سرانجام دے لیتا ہے۔ جس طرح
ہر بند دروازہ کو شش کے بعد کھلتا ہے]
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

الْعِلْمُ لَا يُعْطِيكَ بَعْضُهُ حَتَّى تُعْطِيَهُ كُلُّكَ

[علم تمہیں کچھ حصہ نہ دے گا جب تک تم پورے طور پر اپنے آپ کو اس
کے حوالے نہ کر دو گے]

تحصیل علم کے لئے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

۸۔ مطالعہ:

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ تم اتنے ذہین تو نہ تھے مگر تمہاری کوشش و مداومت نے تمہیں آگے بڑھا دیا۔

بستان الحدیث میں لکھا ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ماموں امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھا کرتے تھے۔ بعض اوقات سبق یاد کرنے میں بہت مشکل پیش آتی۔ ایک مرتبہ ماموں نے عار دلائی کہ تم کتنے کند ذہن ہو، بات کیوں نہیں سمجھتے؟ امام طحاوی کو یہ سن کر بہت قلق ہوا چنانچہ آپ نے فقہ میں اس قدر محنت کی کہ لوگوں نے آپ کو امام طحاوی کے نام سے یاد کرنا شروع کر دیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک رات امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مہمان ہوئے تو دیکھا کہ آپ ساری رات مطالعہ میں منہمک رہے۔ کبھی بیٹھ کر مطالعہ کرتے پھر قنوی دیر لیٹ کر غور و خوض کرتے رہتے۔ پھر بیٹھ کر مطالعہ کرتے پھر لیٹ کر سوچ و بچار میں مشغول ہو جاتے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فجر کی نماز پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ ساری رات با وضو رہے اور جاگتے رہے۔ بعض لوگوں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کم سونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا۔

كَيْفَ اَنَامَ وَقَدْ نَامَتْ عَيْنُ الْمُسْلِمِينَ تَوَكَّلَا عَلَيْنَا يَقُولُونَ اِذَا

وَقَعَ لَنَا امْرٌ رَقَعْنَاهُ اِلَيْهِ فَيَكْشِفُهُ لَنَا فَاِذَا نِمْتُ فَفِيهِ نَضِيعُ الْبَنِينَ

[میں کیسے سو جاؤں۔ سب لوگ اس لئے اطمینان سے سو رہے ہیں کہ

جب کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو ہم ان (امام محمد) کے پاس جا کر معلوم کر

لیں گے۔ اگر میں بھی سو گیا تو اس میں دین کا نقصان ہوگا]

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک وعظ میں ہے کہ دہلی کے ایک

غریب طالب علم نے دکاندار سے کہا میں رات کو آپ کی دکان کا پہرہ دوں گا آپ مجھے اتنا تیل دے دیا کریں کہ رات بھر مطالعہ کر سکوں۔ دکاندار بہت خوش ہوا کہ اتنی کم اجرت پر پہرہ دار مل گیا۔ جب کہ طالب علم نے سجدہ شکر ادا کیا کہ میرے مطالعے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنی آسانی پیدا کر دی۔ ایک رات یہ طالب علم مطالعہ میں مشغول تھا کہ بادشاہ کی سواری اپنے باجے گا بجے سمیت ادھر سے گزری۔ لوگوں کا جم غیر جشن دیکھنے کے لئے اکٹھا ہو گیا۔ ایک صاحب نے طالب علم سے پوچھا ”کیا بادشاہ کی سواری چلی گئی؟“ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں البتہ ایک شور ضرور ہوا تھا۔

ایک مرتبہ مظاہر العلوم کے ناظم کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ انہوں نے ایک شاگرد سے کہا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع کر دو کہ اگر تکلیف نہ ہو تو تشریف لا کر دعا کر دیں اور بچے کے کان میں اذان دے دیں۔ طالب علم نے کہا حضرت رات کے دو بج رہے ہیں۔ اس وقت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما رہے ہوں گے۔ ناظم صاحب نے فرمایا جا کر دیکھو تو سستی۔ جب طالب علم گیا تو دیکھا کہ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ مطالعہ میں مصروف تھے۔ حضرت قاری عبدالرحمن محدث پانی پتی کے حالات میں ہے کہ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ ایک دن اچھی طرح مطالعہ نہ کر سکے تو والد صاحب نے سبق نہ پڑھایا۔ آپ کو اتنا صدمہ ہوا کہ کھانا نہ کھایا اور اسکے بعد مطالعہ میں کبھی ناغہ نہ ہوا۔

بِقَدْرِ الْكَدِّ تَكْتَسِبُ الْمَغَالِبُ - وَمَنْ طَلَبَ الْعُلَى سَهَرَ اللَّيَالِي

وَمَنْ رَامَ الْعُلَى مِنْ غَيْرِ كَيْدٍ - أَضَاعَ الْعُمْرَ فِي طَلَبِ الْمُحَالِ
[تم اپنی کوشش کے مطابق ہی بلند مقام تک پہنچ سکو گے۔ جو بلندیوں کا طلبگار ہو اسے راتوں کو جاگنا چاہئے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بغیر مشقت

کے بلندی مل جائیگی تو وہ ایک محال بات کی طلب میں زندگی بسر کر رہا

[ہے]

حکیم جالینوس سے کسی نے پوچھا کہ تم اپنے ساتھیوں سے علم و حکمت میں ممتاز کیسے ہو گئے؟ جواب دیا کہ میں نے کتاب بنی کے لئے چراغ پر اس سے زیادہ خرچ کیا جتنا لوگ شراب پر خرچ کرتے ہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جب مطالعہ کے لئے بیٹھتے تو ان کے ارد گرد کتابوں کا ڈھیر لگا ہوتا۔ انہماک اس قدر ہوتا کہ انہیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ ہوتی۔ بیوی کو یہ بات کب گوارا تھی۔ ایک روز ناراض ہو کر کہنے لگی۔ وَاللّٰہِ ہٰؤَلاءِ الْکُتُبُ اَشَدُّ عَلٰی مِنْ ثَلٰثِ حَرَائِرَ (اللہ کی قسم یہ کتابیں میرے لئے تین سو کنوں سے زیادہ بھاری ہیں)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر شاگرد امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد کی ایک کتاب کا پچاس برس مطالعہ کیا اور خود ہی ناقل ہیں کہ ہر مرتبہ کے مطالعہ میں مجھے نئے نئے فوائد حاصل ہوئے۔ ابوالعباس ثعلب نے بغداد میں اسحاق موصلی کے کتب خانہ میں ایک ہزار جزوفن لغت کے دیکھے جو سب کے سب اسحاق کے سماع میں آچکے تھے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو افسوس ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت علمی مشاغل سے خالی جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے تھے۔

وَاللّٰہِ اِنِّیْ اَتَّاسَفُ فِی الْفَوَاتِ عَنِ الْاِشْتِغَالِ بِالْعِلْمِ فِیْ وَقْتِ الْاَحْلِ فَاِنَّ الْوَقْتَ وَالزَّمَانَ عَزِیْزٌ۔

[اللہ کی قسم مجھے کھانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے پر افسوس

ہوتا ہے کیونکہ وقت بہت ہی عزیز چیز ہے]

آج کل کے طلباء کے اپنے کھانے پینے کی چیزیں پکانے سے ہی فرصت نہیں

ملتی۔ رہی سہی کسر گپ شب سے پوری ہو جاتی ہے اسی لئے کہتے ہیں کہ مطالعہ کے لئے وقت ہی نہیں ملتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ طالب علمی کا حال یوں بیان فرماتے ہیں:

”دریں اثناء مطالعہ کے وقت از نیم شب درمی مطالعہ گزشت والد قدس سرہ مرا فرمودی زد ابا باچی کئی کئی“

(جب مجھے مطالعہ کرتے آدھی رات سے زیادہ وقت گزر جاتا تو والد صاحب فرماتے بھلا کب تک جاگو گے)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ مطالعہ میں ایسا انہماک ہوتا تھا کہ پاس رکھا ہوا کھانا کوئی اٹھا کر لے جاتا تو آپ کو خبر نہ ہوتی۔ شاہ اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ جب ناظم اعلیٰ مظاہر العلوم سہارنپور فرمایا کرتے تھے کہ فراغت کے بعد بھی میرے مطالعہ کا اوسط ایک ہزار صفحات یومیہ ہوتا تھا۔ حضرت مولانا اعجاز علی رحمۃ اللہ علیہ کو کتب بینی کا اتنا شوق تھا کہ جب بیمار ہوتے تو بھی سر ہانے کتابوں کا انبار لگا رہتا۔ فرمایا کرتے کہ میری بیماری کا علاج کتب بینی ہے۔ علامہ صدیق احمد کشمیری رحمۃ اللہ علیہ زمانہ طالب علمی میں صرف روٹی مطبخ سے لیتے سالن نہ لیتے تھے۔ روٹی جیب میں ڈال لیتے جب موقع ہوتا کھا لیتے۔ یہ صرف اس لئے تھا کہ سالن کے ساتھ روٹی کھانے میں وقت صرف ہوتا تھا۔

مولانا منہاج الدین حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ زمانہ طالب علمی میں لاہور سے دہلی گئے تو دوکانداروں کے چھوٹے موٹے کام کر کے ان سے آٹا اور تھمی لے لیا کرتے تھے۔ رات کو آٹے کا چراغ بنا کر اس میں تھمی ڈالتے اور اس کی روشنی میں رات بھر مطالعہ میں مشغول رہتے۔ دن میں

اس کی نکلیاں پکا کر کھا لیتے اور اسی پر قناعت کرتے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اتنی شہرت پائی کہ سلطان بہلول لودھی کے عہد حکومت میں دہلی کے مفتی مقرر ہوئے۔

انسان کو بنانا ہے اکمل مطالعہ
 ہے چشم دل کے واسطے کا جل مطالعہ
 دنیا کے ہر ہنر سے ہے افضل مطالعہ
 کرتا ہے آدمی کو مکمل مطالعہ
 یہ تجربہ ہے خوب سمجھتے ہیں وہ سبق
 جو دیکھتے ہیں غور سے اول مطالعہ
 اسعد مطالعہ میں گزاروں تمام عمر
 ہے علم و فضل کے لئے مشعل مطالعہ

8- سبق کی پابندی:

طالب علم کو چاہئے کہ سبق کا کبھی ناغہ نہ کرے اس سے بے برکتی ہوتی ہے۔
 بس اوقات اس ناقدری کی وجہ سے انسان علم سے محروم ہو جاتا ہے۔ امام ابو
 یوسف رحمۃ اللہ علیہ برسوں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر رہے۔ امام
 صاحب رحمۃ اللہ علیہ نماز فجر کے بعد درس شروع کر دیا کرتے تھے۔ امام ابو یوسف
 رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بجز بیماری کے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بھی
 امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جدا نہ ہوتا تھا۔ مجلس علم کی شرکت مجھے اتنی محبوب تھی۔
 مناقب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے:

مَا بَأْسَ لِي فَلَمْ أَحْضَرْ حَنَازَةَ وَلَا دَفْنَا وَتَرَكْتُهُ عَلَى جِيرَانِي
 وَ أَقْرَبَانِي مَخَافَةَ أَنْ يُفَوِّتَنِي مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ شَيْءٌ وَلَا تَذْهَبُ
 حُسْرَتُهُ ابْنًا

[میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا لیکن میں نہ جاسکا اور نہ جنازہ و تجہیز و تکفین میں شامل ہو سکا۔ یہ کام اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے سپرد کر دیا۔ یہ کام اس اندیشہ سے کیا کہ کہیں امام صاحب کے درس کا کوئی حصہ چھوٹ نہ جائے۔ کہ جس کی حسرت کبھی ختم نہ ہو]

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں سبق میں شریک ہونے کے لئے اس قدر دوڑا کرتا تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میرا سانس پھول جاتا تھا۔ ایک مرتبہ مدینہ میں شور ہوا کہ ہاتھی آ گیا۔ اس آواز کو سنتے ہی طلباء درس چھوڑ کر بھاگ گئے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ان کا ایک شاگرد یحییٰ الطمینان سے بیٹھا سبق پڑھ رہا ہے۔ پوچھا اے یحییٰ! آپ ہاتھی دیکھنے نہیں گئے۔ عرض کیا، حضرت! میں نے علم حاصل کرنے کیلئے اپنا وطن چھوڑا تھا ہاتھی دیکھنے کے لئے نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خوش ہو کر اسے عاقل اہل اندلس کا لقب دیا۔ یہی طالب علم بعد میں تافل موطا امام مالک بنے۔ آج ایسا وقت آ گیا ہے طلباء، ریچھ اور بندر دیکھنے کے لئے سبق قضا کر دیتے ہیں۔

حضرت مولانا عبد القادر رانپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے حالات زندگی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ زمانہ طالب علمی میں جب دیوبند حاضر ہوا تو ناظم صاحب نے بتایا کہ قصبہ کے لوگ جتنے طلباء کی روٹی کا انتظام کر سکتے ہیں اتنے طلباء کو داخلہ دے دیا گیا ہے۔ ہم آپ کو داخلہ نہیں دے سکتے چونکہ ہمارے ہاں مطبخ کا انتظام نہیں ہے، طلباء کی روٹی کا انتظام مختلف گھروں سے ہوتا ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ اگر میں اپنی روٹی کا ذمہ خود قبول کر لوں تو کیا سبق میں حاضری کی اجازت مل سکتی ہے۔ ناظم صاحب نے داخلہ دے دیا۔ جب آپ روزانہ اسباق سے فارغ ہوتے تو رات ہو چکی ہوتی اور اکثر طلباء سو جاتے۔ آپ اس وقت

مدرسے سے باہر جاتے اور پھلوں کی دکان کے ساتھ پڑے ہوئے چھلکے اٹھا لیتے پھر انہیں دھو کر کھا لیتے۔ سارا سال پھلوں کے چھلکے کھا کر گزارا کیا مگر اسباق قضا نہ ہونے دیئے۔ آپ کی قناعت کا یہ عالم تھا ایک دفعہ راستے میں جاتے ہوئے دیکھا کہ ایک آدمی اپنا کبل کوڑے کرکٹ میں پھینکنا چاہتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ اسے کیوں پھینک رہے ہو۔ اس نے کہا کہ یہ پرانا ہو گیا ہے۔ آپ نے کہا کیا یہ کبل میں لے سکتا ہوں۔ اس نے کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ وہ کبل اٹھا کر لائے اسے دھویا۔ سردیوں میں آدھا نیچے بچھا لیتے آدھا اوپر اوڑھ لیتے۔ جب گرمیاں آتیں تو سارا تہہ کر کے نیچے بچھا لیتے۔ اسی حال میں پندرہ سال گزار دیئے۔

8۔ تکرار اور مذاکرہ:

سلف صالحین کا قول ہے کہ:

لِكُلِّ شَيْءٍ بَابٌ وَبَابُ الْعِلْمِ تَكَرُّارٌ

(ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور علم کا دروازہ تکرار ہے)

اور ایک اور قول یہ بھی ہے

اَلْعِلْمُ يَزِيدُ بِالتَّكْرَارِ (یعنی علم تکرار کرنے سے زیادہ ہوتا ہے)

حضرت علقمہ ؓ فرماتے تھے کہ حدیث کا مذاکرہ کرو کیونکہ مذاکرہ سے علم جوش مارتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر ؓ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس ؓ مجھے حدیثیں سنایا کرتے تھے۔

عون بن عبد اللہ ؓ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم ام الدرداء ؓ کی خدمت میں پہنچے اور دیر تک علمی باتیں دریافت کرتے رہے۔ پھر عرض کیا کہ شاید آپ

اکتا گئی ہوں گی۔ فرمانے لگیں کیا کہتے ہو؟ ہر کام میں میری نیت عبادت کی ہوتی ہے۔ علمی مذاکرہ سے زیادہ مجھے کسی کام میں لذت نہیں ملتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "علم میں گفتگو کرتے رہا کرو تا کہ تمہارے رتبے ظاہر ہوں"

(جامع البیان)

تعلیم الحکیم میں لکھا ہے کہ طالب علم کو چاہئے کہ گذشتہ سبق کا تکرار پانچ مرتبہ کرے، اس سے پہلے کا چار مرتبہ، اس سے پہلے کا تین مرتبہ، اس سے پہلے کا دو مرتبہ اور چھٹے روز کا ایک مرتبہ روزانہ تکرار کرے۔ یہ علم محفوظ رکھنے کا بہترین طریقہ ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ جب تک گذشتہ سبق کو تکرار کر کے یاد نہ کرے اس وقت تک دوسرا سبق ہرگز نہ پڑھے۔

طالب علم کو سبق کے تکرار میں کوئی حجاب اور عار نہیں ہونا چاہئے۔ عطا خراسانی کے حالات میں لکھا ہے۔

إِذَا لَمْ يَجِدْ أَخَذَ أَتَى الْمُسْكِينِ فَخَدَّ نَهْمُ

(جب کوئی نہ ملتا تو غرباء و مسکین کے پاس جا کر ان کو دین کی باتیں سناتے)

میر سید شریف جرجانی کا مشہور قصہ ہے کہ علامہ قطب الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب وہ سن رسیدہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے آپ کو اپنے شاگرد عزیز ملا مبارک شاہ کے پاس بھیج دیا۔ عام طور پر لوگ ان کو مبارک شاہ منطقی کہا کرتے تھے۔ انہوں نے میر صاحب کو اپنے حلقہ درس میں صرف سماع کی اجازت دی۔ پوچھنے اور قرأت کرنے کی اجازت نہ دی۔ ایک دن مبارک شاہ رات یہ دیکھنے چپ چاپ نکلے کہ طلباء کیا کر رہے ہیں۔ جس حجرے میں میر صاحب رہتے تھے۔ وہاں سے آواز آرہی تھی

کہ کتاب کے مصنف نے تو یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے۔ استاد نے یوں بیان کیا ہے اور میں اس مسئلہ کی تقریر یوں کرتا ہوں۔ مبارک شاہ کان لگا کر کافی دیر سنتے رہے اور محفوظ ہوتے رہے۔

تکرار کرنے والے طلباء اپنے علم میں اتنے پختہ ہو جاتے ہیں کہ گزشتہ سال کی کتابیں طلباء کو پڑھا سکتے ہیں۔ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی اپنے بارے میں لکھتے ہیں۔

وَكُلَّمَا فَرَعْتُ مِنْ تَحْصِيلِ كِتَابٍ شَرَعْتُ فِي تَذْرِيبِهِ

(جس کتاب کے پڑھنے سے فارغ ہو جاتا اس کو پڑھانا شروع کر دیتا)

بعض حضرات کے زمانہ طالب علمی کے حالات میں لکھا ہے کہ جب انہیں کوئی طالب علم تکرار کے لئے نہ ملتا تو دیوار کے سامنے بیٹھ جاتے اور دیوار کو مخاطب کر کے سبق کا تکرار کر لیتے۔ پھر فرض کر لیتے کہ مخاطب نے بات نہیں سمجھی تو انداز بدل کر بات سمجھاتے۔ اس طرح کئی مرتبہ تکرار کرنے سے سبق ازبر ہو جاتا۔

8. طالب علم کو علم کا حریص ہونا چاہئے۔ اگر وطن میں مواقع میسر نہ ہوں تو سفر کرنے سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

عزت اسے ملے جو گھر سے نکل گیا

وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”مومن کو علم سے سیری حاصل نہیں ہوتی یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جائے“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ علم کب تک حاصل کرنا چاہئے فرمایا جب

تک زندگی ہے۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک حدیث کے

لئے کئی دن اور کئی رات کا سفر کیا کرتا تھا۔ معنی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ
 ”اگر کوئی شخص ملک شام کے آخر سے چل کر یمن کے آخر تک محض اس
 لئے سفر کرے کہ علم کی ایک بات سن لے تو میرے نزدیک اس کا سفر
 ضائع نہیں ہوا“

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

”جو کوئی طلب علم کے سفر کو جہاد نہیں سمجھتا اس کی عقل میں نقص ہے“

ابن ابی غسان کا مقولہ ہے

”آدمی اس وقت تک عالم ہے جب تک طالب علم ہے جب طالب علمی کو
 خیر باد کہہ دے تو جاہل ہے“

ابو اسامہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں

مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَطْلُبُ الْعِلْمَ فِي الْأَفَاقِ مِنْ ابْنِ الْمُبَارِكِ

[میں نے عبداللہ بن مبارک سے زیادہ ملک در ملک گھوم کر طلب علم
 کرنے والا نہیں دیکھا]

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جب پہلی مرتبہ طلب علم کے لئے نکلے تو سات سال
 تک سفر ہی میں رہے۔ بحرین سے مصر پھر ملکہ وہاں سے طرطوس کا سفر پیدل کیا۔
 اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ ابن المقرئ فرماتے ہیں کہ میں نے صرف
 ایک نسخہ کی خاطر ستر منزل کا سفر کیا۔ ان بزرگوں کے دل میں شوق علم کی ایسی بے
 تاب تھی جو انکو کسی شہر یا ملک میں قرا نہیں لینے دیتی تھی۔ ایک سمندر سے دوسرے
 سمندر اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم کا سفر تحصیل علم کے لئے کرتے تھے۔

⑨. طالب علم کو علم حاصل کرنے میں جو دشواریاں پیش آئیں انہیں بخوشی برداشت کرے:

ایک حدیث پاک میں ہے کہ طالب علم اگر تحصیل علم کی حالت میں مرتا ہے تو شہید مرتا ہے۔ اصحاب صفہ کا حال اس راستے کی تکالیف برداشت کرنے کی عمدہ مثال ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ علم حاصل نہیں ہوتا جب تک اس راستہ میں فقر و فاقہ کی لذت نہ چکھی جائے۔ پھر اپنے استاد ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ مدینہ منورہ کے کوڑے بکرکٹ سے چیزیں اٹھا کر انہیں صاف کر کے کھا لیتے تھے۔ مگر حصول علم میں اپنے آپ کو مشغول رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جب مکہ مکرمہ میں سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھتے تھے تو ایک دن خلاف معمول سبق میں دیر سے پہنچے۔ ساتھیوں کے پوچھنے پر بتایا کہ کپڑے چوری ہو گئے لہذا پریشانی ہوئی۔ ایک ساتھی نے اشرفی پیش کی کہ چاہیں تو قرض لے لیں چاہیں تو ہدیہ قبول فرمائیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کر دیا۔ ساتھی نے کہا اچھا میرے لئے کچھ کتابت کر دیں۔ تب انہوں نے ایک مخطوطہ لکھا اور اشرفی کو عوض کے طور پر قبول کیا۔ علی بن جہم لوگوں کو یہ مخطوطہ دکھاتے اور پھر یہ واقعہ بیان کرتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ طالب علمی میں رات کو جہاں بازار کی لائین جلتی تھی وہاں جا کر بیٹھ جاتے اور مطالعہ کرتے۔ بعض اوقات سردی سے ہڈیاں کپکپا اٹھتیں۔ رات کو مسجد کی چھت میں لپٹ کر سو جاتے۔

ابن المقرئ، ابوالشیخ اور طبرانی رحمہم اللہ تینوں ایک زمانے میں مدینہ

طیبہ میں طالب علم تھے۔ ایک بار اتنے فاقے آئے کہ روزے پر روزہ رکھا حتیٰ کہ بھوک نے مضطرب کر دیا۔ تو حضور کے روضے پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! الجوع (اے اللہ کے رسول ﷺ! بھوک نے ہمیں ستا رکھا ہے)۔ اس کے بعد طبرانی تو وہیں بیٹھ گئے اور ابوالشیخ اور ابن المقری قیام گاہ پر لوٹ گئے۔ وہ صدا خالی کب جاتی۔ تھوڑی دیر کے بعد مکان کے دروازے پر دستک ہوئی تو دیکھا کہ ایک آدمی اپنے خدام سمیت بہت سارے ساز و سامان لے کر کھڑا ہے۔ پوچھا کیسے آئے ہو کہنے لگا، میں علوی النسب ہوں مجھے خواب میں نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ یہ سامان تمہارے پاس پہنچا دوں۔

امام ابوعلیٰ بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب عسقلان میں تھے تو خرچ سے اس قدر تنگ ہو گئے کہ کئی کئی فاقوں کی نوبت آئی اور ضعف کی بناء پر لکھتا مشکل ہو گیا۔ جب بھوک سے بہت زیادہ پریشان ہوئے تو نان بائی کی دکان پر اس غرض سے جا بیٹھے کہ روٹی کی خوشبو سونگھ کر دل کو فرحت نصیب ہو اور طبیعت بہل جائے۔

میر مبارک محدث بلگرامی ایک مرتبہ شدت بھوک سے نڈھال ہو کر گر پڑے بہت استفہار کے بعد فرمایا کہ تین دن سے بھوکا تھا۔ ان کا شاگرد میر طفیل کھانا لے کر آیا تو میر مبارک نے انکار کر دیا کہ میرے نفس میں امید قائم ہو گئی تھی لہذا اشراف نفس کی وجہ سے کھانا جائز نہیں۔ میر طفیل نے کھانا اٹھا لیا اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ حاضر خدمت ہو کر کہا کہ حضرت! اب تو آپ کو امید نہ رہی ہوگی۔ آپ نے بخوشی کھانا تناول فرمایا اور شاگرد کی حسن تدبیر پر بہت خوش ہوئے۔

اس قسم کے ہزاروں واقعات کتب میں منقول ہیں جن بندگان خدا نے اپنے زمانہ طالب علمی میں معوبتیں اور مشقتیں برداشت کیں انہی سے اللہ تعالیٰ نے دین کا کام لیا۔

⑩. طالب علم کو چاہئے کہ زمانہ طالب علمی میں کسی شیخ کامل سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرے:

نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَإِذَا فَرَعْتَ فَإِنْصَبْ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ (انشراح: ۸۰، ۷۷)

(جب آپ اپنے منصب سے فارغ ہوں تو محنت کریں اور اپنے رب کی طرف رغبت کریں)

علماء چونکہ ورثہ الانبیاء ہیں لہذا انہیں بھی ذکر، فکر، مراقبہ اور محاسبہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حالات زندگی میں لکھا ہے
 ”مجھے سب سے افضل مشغلہ تعلیم و تدریس کا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ٹوٹنے
 سے معلوم ہوا کہ میری تمام تر توجہ ان علوم پر ہے جو دنیا میں فائدہ
 پہنچانے والے زیادہ ہیں۔ میں نے اپنی نیت کو ٹٹولا تو اس میں طلب جاہ
 و حصول شہرت کو پایا۔ پس مجھے اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ میں نے یوں
 محسوس کیا کہ غار کے کنارے کھڑا ہوں اگر اصلاح احوال کی کوشش نہ کی
 تو بڑا خطرہ ہے“

پس یہ خیال آنے کے بعد آپ گیارہ سال تک تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی
 محنت میں مشغول رہے حتیٰ کہ باطن تمام آلائشوں سے پاک ہو گیا۔



باب نمبر 7

آداب الحسین

① استاد کو چاہئے کہ علم سکھانے میں اجرت کا خواہاں نہ ہو۔
محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے یہ کام کرے اور بزبان حال یوں کہے۔
يَقُومُ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا. اِنْ اَجْرِي اِلَّا عَلَى اللّٰهِ.
[اے میری قوم! میں آپ سے اس پر بدلہ نہیں چاہتا، میرا بدلہ تو اللہ کے
ذمے ہے]

لوگوں کی جیب پر نظر رکھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے خزانوں
پر نظر رکھے۔ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ علماء کو وہیں سے رزق دیتا ہے جہاں سے انبیاء
کو رزق دیا کرتا تھا۔

محض دنیاوی راحت اور آرام کی خاطر اور تنخواہ کی زیادتی یا کمی کی وجہ سے
ایک درگاہ کو چھوڑ کر دوسری درگاہ میں نہ جانا چاہئے۔ اس کو معمولی نہ سمجھیں کہ
- من تعلم علم دنیا طلبی کا ذریعہ بنانا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِّمَّا يُتَنَفَّى بِهِ وَجْهُهُ اللّٰهُ لَا يَتَعَلَّمُهُ اِلَّا لِيُطْلَبَ

عرضاً من الدنيا لم يجد عرف الجنة (ابوداؤد وابن ماجہ)

ا جس نے ایسا علم سیکھا جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اس کا مقصد دنیا ہے تو ایسے شخص کو جنت کی ہوا بھی نہ لگے گی [

تکئی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ علم و حکمت سے جب دنیا طلب کی جائے تو ان کی رونق چلی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو اس کو دین میں متہم سمجھو اس لئے کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اس میں گھسا کرتا ہے۔

بِنَسِ الْمَطَاعِمِ حِينَ الذَّلْ تَكْسِبُهَا - الْقِدْرُ مُنْتَضِبٌ وَالْقَدْرُ
مُخْفُوضٌ

ا وہ کھانے کس قدر برے ہیں جن کو تو ذلت کے ساتھ حاصل کر رہا ہے

کہ ہانڈی تو چولھے پر چڑھی ہے اور عزت خاک میں مل رہی ہے [

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے کفایہ میں نقل کیا ہے کہ مشہور حافظ حدیث حماد بن سلمہ کا ایک شاگرد کافی امیر تھا۔ اس نے ایک مرتبہ آپ کو کافی چیزیں بطور ہدیہ پیش کیں۔ حضرت حماد نے فرمایا دو باتوں میں سے ایک کو قبول کر لو۔ چاہو تو آپ کے یہ تحائف قبول کر لوں مگر آج کے بعد تمہیں حدیث نہیں پڑھاؤں گا۔ اور اگر پابستے ہو کہ تمہیں حدیث پڑھاؤں تو پھر یہ ہدیہ قبول نہ کروں گا۔

(کفایہ: ص ۱۵۴)

ابو عبد الرحمن سلمیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عمر بن حریش نے کچھ اونٹ بطور ہدیہ پیش کئے۔ انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ ہم نے تمہارے لڑکے کو قرآن پڑھایا ہے۔ کتاب اللہ پر اجرت لینا مناسب نہیں۔ (طبقات ابن سعد)

حدیث کے مشہور راوی زکریا عدی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ ان کی آنکھیں دکھنے لگیں۔ ایک شخص سرمہ لے کر حاضر ہوا۔ پوچھا، کیا تم مجھ سے حدیث پڑھتے ہو۔ اس نے کہا جی ہاں۔ فرمایا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں حدیث پڑھانے پر اجرت لوں۔

ایک مرتبہ مولانا مرتضیٰ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! تنخواہ لینے میں میری طبیعت کو الجھن ہوتی ہے یہ تو صاف دین فروشی ہے۔ حکیم الامت نے جواب دیا کہ تنخواہ لینا چاہئے کیونکہ اس سے طبیعت پر بوجھ رہے گا کہ کام اچھی طرح کرنا چاہئے۔ مولانا نے عرض کیا، یہ تو ہوئی مصلحت مگر اس ضرر کا کیا علاج ہے کہ اس میں دین فروشی ہے۔ حکیم الامت نے جواب دیا کہ تنخواہ میں دین فروشی ہے یا نہیں اس کی بہترین پہچان یہ ہے کہ اگر کسی جگہ گزارہ کی تنخواہ ملتی ہے مگر دوسری جگہ زیادہ کی صورت نظر آئی مگر دینی خدمت کا موقع زیادہ نہیں تو اگر پہلی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے گا تو دین فروشی ہوگی۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ریاست بہاولپور میں بہت زیادہ مشاہرہ پر کام کر رہے تھے۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ نے خط لکھا کہ حضرت! آپ امیروں کی بریائی تو کھاتے رہتے ہیں ہم فقیروں کی دال بھی قبول فرمائیں۔ حضرت کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر کسی تفصیل معلوم کئے وہاں استغنیٰ پیش کیا اور بقیہ زندگی جامعہ اشرفیہ میں دینی خدمت کرتے کرتے گزاری۔

ریاست بہاولپور میں جب جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی تو نواب صاحب نے علماء کرام سے پوچھا کہ اس مدرسے کی آبادی کی کیا صورت ہوگی؟ انہوں نے

جواب دیا کہ ہم آپ کو ایک عالم باعمل کا نام بتا دیں گے۔ آپ انہیں کام کے لئے یہاں لے آنا تو مدرسہ خود بخود آباد ہو جائے گا۔ نواب صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے میرا آپ چنیں قیمت میں لگا دوں گا۔ جب عمارت مکمل ہو گئی تو نواب صاحب نے پوچھا کہ کس عالم کو یہاں کا انتظام و انصرام سپرد کرنا ہے۔ علمائے کرام نے حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام پیش کیا۔ نواب صاحب نے پوچھا کہ دیوبند میں کیا مشاہرہ لے رہے ہوں گے۔ جواب ملا دو یا تین روپے ماہانہ۔ نواب صاحب نے کہا کہ آپ وفد کی صورت میں جا کر انہیں دعوت دیں اور بتائیں کہ انہیں یہاں تعلیم و تدریس کی ہر آسانی ہوگی۔ مزید برآں انہیں سو روپے ماہانہ مشاہرہ بھی پیش کیا جائے گا۔ علمائے کرام نواب صاحب کی اس فراخ دلی پر بہت خوش ہوئے اور کچھ عرصے کے بعد ایک وفد کی صورت میں دیوبند حاضر ہوئے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی خصوصیات نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیں۔ نواب صاحب کی دیندارانہ اور فیاضانہ طبیعت کا نقشہ بھی خوب کھینچا اور یہ بھی بتایا کہ وہاں جانے کی صورت میں آپ کو سو روپے ماہانہ مشاہرہ عطا کیا جائے گا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر جواب دیا کہ یہاں میرا مشاہرہ تین روپے ماہانہ ہے۔ دو روپے میرے گھر کا خرچہ ہے اور تیسرا روپیہ میں فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ اگر میں بہاولپور چلا گیا اور مجھے ماہانہ سو روپے ملے تو دو روپے تو میرے گھر کے خرچہ کے ہوں گے اور بقیہ انھانوں کے روپے مستحق لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے سارا دن اسی کام میں مشغول رہنا پڑے گا۔ میں پھر تعلیم تدریس کا کام کیسے کروں گا؟ لہذا میں وہاں جانے سے محذور ہوں۔ علمائے کرام یہ جواب کر کے لا جواب ہو گئے۔

دین کی محنت کرنے والے حضرات جس قدر استغناء سے کام کریں گے اسی قدر دینی محنت کے گہرے اثرات ہوں گے۔ انہیں چاہئے کہ امراء کو استغناء کی چھری سے ذبح کریں۔ دنیا سے جتنی بے رغبتی ہوگی دین کی شان و شوکت اتنی زیادہ ہوگی۔ سلف صالحین تو ایسے شاگرد سے ہدیہ بھی قبول نہ فرماتے تھے جس پر دین کا رنگ نہ چڑھا ہو یا جو احسان جتا کر ہدیہ دے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے ہدیہ پیش کیا آپ نے معذرت کر دی۔ اس نے بہت اصرار کیا لیکن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بھی انکار کرتے رہے۔ جب اس نے دیکھا کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی تو واپس گھر جانے لگا۔ جب مسجد سے باہر نکلنے لگا تو اس کی نظر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے جوتوں پر پڑی اس نے وہ تمام رقم حضرت کے جوتوں میں چھپا دی۔ دل میں یہ خیال تھا کہ جب حضرت گھر جانے کے لئے جوتے پہنیں گے تو رقم کو خواہ مخواہ قبول کرنا پڑے گا۔ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسجد سے باہر نکلے اور رقم جوتے میں پڑی دیکھی تو حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ جو آدمی دنیا کو دور دھکیلتا ہے دنیا اس کے جوتوں میں ذلیل و خوار ہو کر آتی ہے۔ پہلے یہ بات کتابوں میں پڑھتے تھے آج الحمد للہ اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے بیعت کی جو حکومت کے کسی بڑے عہدے پر تعینات تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے ایک لاکھ روپیہ ہدیہ منی آرڈر کے ذریعے بھیجا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے واپس بھیج دیا ان صاحب کو ہرگز ہرگز یہ توقع نہ تھی۔ انہوں نے خط میں لکھا کہ میں نے ایک لاکھ روپے بھیجے جو آپ نے واپس کر دیئے۔ آپ کو مجھ جیسا کوئی مرید نہ ملے گا۔ حضرت نے جواب میں لکھا کہ میں نے پیسے واپس بھیج دیئے ہیں آپ کو بھی مجھ جیسا کوئی پیر

نہیں بنے گا جو ایک لاکھ روپے کو ٹھوکر مار دے۔

انہی سلفِ صالحین کی شان تھی کہ دنیا ذلیل ہو کر ان کے قدموں میں جگہ ڈھونڈتی تھی۔

اَتَتْهُمْ الدُّنْيَا وَهِيَ رَٰغِمَةٌ (دنیا ان کے پاس ذلیل خوار ہو کر آتی ہے)
تعلیم و تدریس اور دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والے اگر اپنے دلوں میں دنیا کی بے وقعتی پیدا کر لیں اور استغناء کے ساتھ دین کا کام کریں تو آج بھی اس کے نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

② استاد کو چاہئے کہ شاگردوں پر شفقت کرے اور ان کو اپنے بیٹوں کے برابر جانے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لَوْلَدِهِ

(میں تمہارے لئے ایسا ہوں جیسا والد اپنے لڑکے کے لئے)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جب طلباء حاضر ہوتے تو آپ

فرماتے سنو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

”عنقریب تمہارے لئے زمین مسخر کر دی جائیگی اور تمہارے پاس کم عمر

آئیں گے جو علم کے بھوکے پیاسے ہوں گے۔ تفقہ فی الدین کے

خواہش مند ہوں گے۔ تم سے دین سیکھنا چاہیں گے پس جب وہ آئیں تو

انہیں تعلیم دینا، مہربانی سے پیش آنا، ان کی آؤ بھگت کرنا اور انہیں

حدیث بتانا“ (جامع البیان لعلم)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسے

خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ دوسرا دیکھے تو سمجھے کہ یہ تمہاری اولاد ہیں۔ ایک

عالم دین کے بیٹے نے ان کے کسی شاگرد کے ساتھ بدتمیزی کی تو انہوں نے غصے میں آ کر فرمایا ”دیکھو یہ میرے سینے کی اولاد ہے جبکہ تم میرے پیشاب کی اولاد ہو“۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ طلباء سے بہت محبت و الفت سے پیش آتے۔ ایک دفعہ مسجد کے صحن میں بیٹھے درس دے رہے تھے کہ اچانک زور دار بارش شروع ہو گئی۔ طلباء اپنی کتابوں کو پانی میں بھگینے سے بچانے کیلئے جوتے وہیں چھوڑ کر کمرؤں کی طرف بھاگ گئے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا رومال بچھایا اور تمام جوتوں کو اس میں رکھ کر گٹھڑی باندھی اور سر پر اٹھا کر اندر لے آئے۔ طلباء نے دیکھا تو ان کی چیخیں نکل گئیں کہ حضرت ہم خود ہی جوتے اٹھا لیتے آپ نے کیوں ایسا کیا۔ حضرت نے جواب دیا کہ جو لوگ قال اللہ اور قال الرسول پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے۔

استاد الکل حضرت مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب طالب علم بیمار ہوتا تو اس کی قیامگاہ پر جا کر اس کی عیادت کرتے۔ مختلف طریقوں سے اس کی دلجوئی کرتے۔ اس زمانے میں دارالاقامہ نہیں بنا تھا اور طلباء مختلف مساجد اور مکانوں میں رہتے تھے۔

استاد کو چاہئے کہ غصہ اور طیش میں آ کر بچوں کو سزا نہ دے۔ یہ حماقت ہے کہ آدمی جس برتن میں کچھ ڈالنا چاہے اسی میں سوراخ کر دے۔ جب شاگرد کے دل کو مار پیٹ سے چھلنی کر دے گا تو اس میں خیر کی بات کیسے ڈال سکے گا۔ خوف دلانے اور دباؤ ڈالنے سے وقتی طور پر کام چل جاتا ہے مگر اس کے اثرات عارضی ہوتے ہیں۔ یہ اصول کی بات ہے کہ وہی استاد شاگرد پر ہاتھ اٹھاتا ہے جو اپنی شکست تسلیم کر لے کہ میں زبان سے سمجھانے سے قاصر ہوں۔ چھوٹے بچوں کے

دل میں رعب اور خوف کا سامنا ایسا ہی برا ہے جیسا کہ نرم و نازک پودے کو سخت گرمی کی تپش لگنا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ استاد کو بردبار اور حلیم الطبع ہونا چاہئے۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَقُضُوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران: ۱۵۹)

(اگر آپ سخت گیر سنگدل ہوتے تو یہ آپ کے گرد سے بھاگ جاتے)

جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے بارے میں یہ فرماتے ہیں تو پھر ہم کس کھیت کی گاجر مولیٰ ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب تک تیرا غصہ باقی ہے اپنے آپ کو اہل علم میں شمار نہ کر۔ جس طرح مریض کڑوی دوا پینے سے گریز کرتا ہے اسی طرح شاگرد متد خواستاد سے علم حاصل کرنے میں تنگی محسوس کرتا ہے۔

تعلیم المعلم میں لکھا ہے کہ استاد مشفق کا لڑکا بھی عالم ہوتا ہے۔ چونکہ استاد کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے شاگرد عالم بن جائیں۔ اس آرزو کی برکت سے اور اس کی شفقت سے اس کا لڑکا عالم بن جاتا ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک طالب علم فراش (بچھوتا) پر بیٹھا قرآن پڑھ رہا تھا۔ حضرت نے خیال کیا تو اپنے نیچے فراش زیادہ پایا۔ فی الفور زائد فراش اپنے نیچے سے نکال کر اس طالب علم کے نیچے بچھا دیا۔

استاد کو چاہئے کہ شاگردوں کے ساتھ نرم روئی نرم خوئی کا معاملہ کرے۔

⑥ استاد کو چاہئے کہ طلبہ کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرے۔

چند باتیں غور طلب ہیں۔

اگر طالب علم اپنے اخراجات کو پورا نہ کر سکتا ہو تو استاد کا حتی الوسع بندوبست کرے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی والدہ نے کسب معاش کے لئے بھیجا۔ یہ حصول رزق کے لئے مختلف کام کرتے رہے۔ والدہ کا مشورہ یہ تھا کہ اگر کپڑے دھونے کا فن سیکھ لیں تو کچھ گزراوقات کے لئے بندوبست ہو جائیگا۔ ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شریک ہوئے تو انہیں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ والدہ صاحبہ کی طرف سے اصرار تھا کہ محنت مزدوری کر کے پیسہ کمائیں اور ان کا جی چاہتا تھا کہ علم حاصل کر کے عالم بنوں۔ انہوں نے سارا حال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے گوش گزار کر دیا۔ امام صاحبؒ نے شاگرد رشید میں سعادت کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ آپ درس میں باقاعدگی سے آتے رہیں ہم آپ کو کچھ ماہانہ وظیفہ دے دیا کریں گے وہ آپ اپنی والدہ کو دے دیا کریں۔ چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سارا مہینہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس میں شریک رہتے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی گرہ سے کچھ وظیفہ کے طور پر پیسے دے دیتے جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کے سپرد کر دیتے۔ کافی عرصہ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ ایک دن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کو پتہ چلا کہ بیٹا محنت مزدوری کی بجائے تحصیل علم میں مشغول ہے تو وہ برا فروخت ہوئیں۔ بیٹے کو سمجھایا کہ تمہارے والد فوت ہو گئے ہیں گھر میں کوئی دوسرا مرد نہیں جو کما سکے لہذا تم اگر کوئی کام کاج کرتے تو اچھا ہوتا۔ بہتر تھا کہ کوئی فن سیکھ لیتے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب ماجرا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ امام صاحب نے کہا کہ اپنی والدہ سے کہنا کہ کسی

وقت آ کر میری بات سنیں۔ چنانچہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کو لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ والدہ نے امام صاحب کی خدمت میں وہی صورتحال پیش کی جو آپ پہلے سن چکے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں آپ کے بیٹے کو ایک فن سکھا رہا ہوں کہ جس سے یہ پستے کا بنا ہوا فالودہ کھایا کرے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ سمجھیں کہ شاید امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ خوش طبعی فرما رہے ہیں تاہم خاموش ہو گئیں کیونکہ گھر کا خرچ تو وظیفہ کی وجہ سے چل رہا تھا۔

جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تکمیل علم سے فراغت حاصل کر لی اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام بن گئے تو ان کے علم کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ حکومت وقت نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا تو انہوں نے علمی مشغولیت کی وجہ سے معذرت کر دی۔ البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ وہ یہ عہدہ قبول کر لیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ وقت کے چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) بن گئے۔ پورے ملک میں ان کی قبولیت عام ہو گئی۔ حکومت وقت نے یہ ذمہ لیا کہ کام کے دوران کھانے کا بندوبست حکومت کی طرف سے ہوگا۔ ایک دفعہ خلیفہ وقت ان کو ملنے کے لئے آیا اور اپنے ہمراہ پیالے میں فالودہ لایا۔ جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کیا تو کہا، حضرت! یہ قبول فرمائیں، یہ وہ نعمت ہے جو ہمیں کبھی ملتی ہے مگر آپ کو روزانہ ملا کرے گی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا یہ پستے کا بنا ہوا فالودہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ حیران ہوئے کہ استاد مکرم کی زبان سے نکلی ہوئی بات من و عن پوری ہو گئی۔

محمد بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے طرطوس سے شام کا سفر کیا تو راستے میں رقبہ کی سرائے میں قیام فرمایا۔

وہاں آپ کی ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی جسکی نیکی اور پرہیزگاری آپ کو پسند آئی۔ چنانچہ آپ نے معمول بنالیا کہ جب کبھی اس سرائے میں قیام پذیر ہوتے تو اس نوجوان سے ملاقات کرتے۔ ایک مرتبہ آپ رقبہ میں قیام پذیر ہوئے تو نوجوان کو غیر حاضر پایا۔ جب لوگوں سے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ وہ کسی وجہ سے دس ہزار درہم کا مقروض ہو گیا تھا اور قرض خواہوں نے مل کر اسے جیل بھجوا دیا۔ آپ کو بہت افسوس ہوا۔ آپ نے قرض خواہوں کو بلایا اور دس ہزار روپے اپنی گھرہ سے ادا کر دیئے۔ اور یہ وعدہ لیا کہ وہ نوجوان کو یہ نہیں بتائیں گے کہ قرض کی رقم کس نے ادا کی ہے۔ جب نوجوان کو رہا کیا گیا اور بتایا گیا کہ کسی مسافر نے اس کا قرض ادا کر دیا ہے تو وہ بڑا حیران ہوا۔ جیل سے باہر نکلنے پر اسے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ شام کی طرف جارہے ہیں اور ابھی چند ہی دن پہلے اپنی اگلی منزل پر روانہ ہوئے ہیں۔ اس نوجوان کے دل میں ملاقات کا شوق موجزن ہوا۔ اس نے بھی کوشش کی اور اگلی منزل پر جا پہنچا۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے خوشی خوشی اس سے پوچھا کہ رہائی کیسے ہوئی؟ اس نے بتایا کہ کسی نامعلوم آدمی نے اس کا قرض اتار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اس نے تمہیں مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں یہ واقعہ مخفی رہا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو قرض خواہ نے پورا قصہ سنایا تب لوگ حیران ہوئے کہ عالم باعمل نے کس طرح اپنے شاگرد پر احسان کیا اور کسی کو پتہ بھی نہ چلنے دیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں ہے کہ انہوں نے کئی مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مالی امداد کی اور فرمایا کہ اس میں عار محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عراق کے زمانہ قیام میں ایک بار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قرض کے

سلسلے میں نظر بند کر دیئے گئے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے قرض خواہوں کا قرض ادا کر کے انہیں رہا کروایا (مناقب کروری: ص ۱۵۰)

کنز العمال کے مصنف شیخ علی متقی کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وہ طلباء کو اپنے ہاتھ سے بڑی بڑی کتابیں لکھ کر دیا کرتے تھے۔ سیاہی خود بناتے تھے اور طلبہ کے لئے قلم و سیاہی کا انتظام اپنے پاس سے کرتے تھے۔

④ استاد کو چاہئے کہ سبق کا ناغہ نہ کرے۔

اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ناغہ ہو جائے تو دوسرے اوقات میں اس کی تلافی کر دے۔ اگر طالب علم کسی بیماری میں مبتلا ہے اور اگر نہ ہو تو اس کے لانے کا بندوبست کر دے۔ اگر نہ ہو سکے تو خود جا کر طالب علم کو پڑھانے میں اپنی عظمت سمجھے۔

ربیع بن سلمان رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے کہا کہ اگر میں تمہیں علم گھول کر پلا سکتا تو پلا دیتا۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ طلباء میرے پاس آ کر علم حاصل نہ کرتے تو میں ان کے پاس جا کر انہیں علم پڑھاتا۔

حضرت قاری عبدالحلیم پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ذمے بہت سے اسباق تھے۔ ایک مرتبہ چند طلباء نے ”سبعہ“ پڑھنے کی درخواست کی۔ فرمایا وقت نہیں مگر تمہارے لئے کوئی صورت نکال لوں گا۔ آپ نماز ظہر کے بعد ہدایہ پڑھایا کرتے تھے۔ آپ کے شاگرد مختلف مساجد میں ظہر کی نماز پڑھ کر آتے اور ہدایہ کا درس سنتے تھے۔ آپ سبعہ کے لئے ظہر کے بعد اور ہدایہ سے پہلے کا وقت متعین فرمادیا۔ جب سبعہ کا درس شروع ہوا تو آہستہ آہستہ اور طلباء بھی شامل ہوتے گئے

حتیٰ کہ مستقل جماعت بن گئی۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے فرمایا کہ وقت کی کمی کی وجہ سے سبق پورا نہیں ہوتا لہذا عشاء کے بعد بھی آجایا کرو۔ طلبہ نے سب سے پہلے پڑھنے کے لئے عشاء کے بعد بھی آنا شروع کر دیا۔ چار ماہ کے بعد آپ کو خیال ہوا کہ اگر کچھ مزید وقت دے دیا جائے تو رمضان المبارک سے پہلے پوری کتاب مکمل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے طلبہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ رات کو میرے مکان پر سو جایا کریں۔ صبح تہجد کے وقت سے فجر تک کے درمیان سب سے پہلے پڑھائیں گے۔ چنانچہ طلبہ نے عشاء کے بعد آپ کے گھر میں قیام کرنا شروع کر دیا اور رمضان المبارک سے پہلے کتاب مکمل ہو گئی۔ طلبہ کے فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے اوقات کی قربانی دینے کی یہ عمدہ مثال ہے۔

استاد کو چاہئے کہ جب تک شاگرد پچھلا سبق یاد نہ کرے وہ اسے اگلا سبق نہ دے۔ طالب علم کی آسانی کے لئے سبق سے متعلق سوالات تحریر کر دے اور دوسرے دن زبانی ان کا جواب پوچھے۔ وقتاً فوقتاً طلبہ سے علمی سوالات پوچھتا رہے تاکہ ان کی معلومات میں اضافہ ہو۔ حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ معاذ! تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتا ہے۔ فرمایا بندوں کے ذمے اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر پوچھا، بتاؤ اللہ تعالیٰ پر بندوں کا کیا حق ہے۔ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا، بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ دے۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ لوگوں کو اس کی بشارت دے۔ فرمایا نہیں۔

(مشکوٰۃ شریف)

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے شاگردوں سے پوچھا کہ وہ کونسی نماز ہے جس کی ہر رکعت کے بعد آدمی التحیات میں بیٹھتا ہے؟ طلباء نے کہا معلوم نہیں۔ فرمایا مغرب کی نماز کی پہلی رکعت جب فوت ہو جائے تو نماز میں شریک ہونے والے کو ہر رکعت کے بعد التحیات میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ اگر استاد کو یہ معلوم ہو جائے کہ سبق پڑھانے میں کوئی غلطی رہ گئی ہے تو فوراً رجوع کر لے اور طالبعلم سے کہہ دے کہ فلاں بات کرنے میں فلاں غلطی ہوئی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اگر طالبعلم عبارت کا مفہوم صحیح بتا رہا ہو تو اسے مان لینے ہی میں استاد کی عظمت ہے۔ اس طرح استاد کی توہین نہیں ہوتی بلکہ اس کی دیانت اور امانت کا سکھ طالبعلم کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔

محمد ابن کعب قرظی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے بتا دیا۔ محفل میں موجود ایک شخص نے کہا امیر المومنین! مسئلہ یوں نہیں یوں ہے۔ حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بیشک تم صحیح کہتے ہو مجھ سے غلطی ہوئی۔ (جامع بیان العلم)

سید اسماعیل بگرامی رحمۃ اللہ علیہ جب ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے گئے تو ان کے پاس فارغ وقت نہ تھا لہذا انہوں نے ایک جماعت میں شریک کر دیا۔ سید اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ خاموشی سے اسباق سنتے اور کوئی سوال نہ پوچھتے۔ ایک مدت کے بعد ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا تم نے کبھی ایک حرف بھی نہیں پوچھا اس طرح پڑھنے میں کیا فائدہ۔ سید اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، حضرت! خالی وقت ہو تو دریافت کروں۔ دوسرے طلباء کے اوقات میں سوال پوچھتے ہوئے ان کے وقت ضائع ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، بعد نماز عصر آ کر سوال پوچھئے۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز

عصر کے بعد سوال پوچھا تو اس مسئلے پر گفتگو کرتے کرتے مغرب ہو گئی۔ مغرب کے بعد پھر گفتگو شروع کی تو عشاء ہو گئی۔ بعد عشاء ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کل تمام اسباق روک کر یہ مسئلہ سمجھائیں گے۔ لکھا ہے کہ شاگرد استاد میں متواتر تین دن گفتگو ہوتی رہی۔ ملا عبدالحکیمؒ نے پوچھا، آخر تمہاری رائے اس مسئلہ میں کیا ہے۔ سید اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے نام ظاہر کئے بغیر ایک تحریر پیش کی اور کہا کہ اس مقام میں یہ تحقیق کی گئی ہے۔ ملا صاحب نے دیکھا تو پسند فرمایا۔

اگر استاد دیکھے کہ طالب علم ذہین ہے تو اسے کند ذہن طلباء کے ساتھ جماعت بندی کی قید میں نہ رکھے بلکہ اس کے ذہن اور استعداد کے مطابق اسے پڑھائے تاکہ اس کا وقت ضائع نہ ہو۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ دن کا درس تو عام طلباء کیلئے ہوتا تھا جبکہ رات میں دور دراز سے آنے والے خاص طلباء کے لئے ہوتا تھا۔

حضرت مولانا عجب نور صاحب نے درسیات کی تعلیم تین سال میں مکمل کر لی۔ فراغت سے پہلے قاضی مبارک کا بایں مرتبہ تکرار کیا۔ قاضی احمد اللہ، شمس بازغہ، میرزا ہد، امور عامہ، تصریح، شرح چھمینی جیسی مشکل کتابیں حفظ پڑھاتے تھے۔ ہدایہ اخیرین اور توضیح مکتوح بھی ان کے یہاں عجیب انداز سے ہوتیں۔ ایک طالب علم نے "میرزا ہد امور عامہ" کے سبق میں کہہ دیا عجیب کتاب لکھی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر مولانا میرزا ہد جیسے حالات آج کل کے علماء کو نصیب ہوں تو وہ اس جیسی کئی کتابیں لکھ دیں۔ مولانا عاشق الہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ نے چھ ماہ میں ہدایۃ النحویں تک پڑھا۔ ظاہر ہے اگر انہیں جماعت اور نصاب کی قید میں رکھا جاتا تو وقت ضائع ہوتا۔

اگر کوئی مضمون طالب علم کو دوران سبق سمجھ میں نہ آ رہا ہو تو کسی دوسرے وقت

میں سمجھا دے۔ اگر وہ اسے کسی دوسرے استاد سے حل کرنا چاہے تو اس میں ناگواری محسوس نہ کرے بلکہ خود ہی کہہ دینا چاہئے کہ مجھے اتنا ہی پتہ ہے اگر مزید معلوم کرنا چاہو تو بخوشی اجازت ہے۔ اس کو توہین نہیں سمجھنا چاہئے۔ وہ کون ہے جو دعویٰ کرے کہ مجھے ہر بات معلوم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگو! جو بات جانتے ہو وہی کہو، جو نہیں جانتے کہو، اللہ اعلم۔ کیونکہ علم کا خاصہ یہ بھی ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس میں لاعلمی کا اعتراف کر لے۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، فرمایا، مجھے معلوم نہیں۔ یہ سن کر ان کے ایک شاگرد نے کہا کہ آپ نے لاعلمی کا اقرار کر کے ہمیں شرمندہ کیا۔ فرمایا ملائکہ مقررین تو اقرار کر کے شرمندہ نہ ہوئے بلکہ کہا:

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

(پاک ہے تو، ہم نہیں جانتے مگر جو کچھ تو نے ہمیں سکھا دیا بے شک تو

جاننے والا اور حکمت والا ہے) (البقرہ: ۳۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا میں نہیں جانتا۔ وہ کہنے لگا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کیا اچھا طریقہ اختیار کیا کہ جو نہیں جانتے اس سے لاعلمی کا اقرار کر لیا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے میراث کا مسئلہ پوچھا گیا، فرمایا مجھے نہیں معلوم۔ کہا گیا آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہی تھا جو بات معلوم نہ ہوتی صاف صاف کہہ دیتے کہ مجھے معلوم نہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، فرمایا، مجھے نہیں معلوم اور ہلاکت ہے اس کے لئے جو تم نہ رکھنے پر بھی علم کا دعویٰ کرے۔ عبدالرزاق کی

روایت ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ عالم جب "لا ادری" کہتا بھول جاتا ہے تو ٹھوکریں کھانے لگتا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ لاعلمی کی صورت میں لا ادری کہنا آدھا علم ہے۔

⑤ استاد کو چاہئے کہ شاگرد کو فقط الفاظ و حروف کی تعلیم ہی نہ دے بلکہ اخلاق حمیدہ کی بھی تلقین کرے۔

اگر شاگرد کو کسی ناشائستہ حرکت پر نصیحت کرنا ہو اور وہ حرکت ایسی ہو کہ اگر سب کے سامنے ظاہر کر دی جائے تو اسے شرمندگی ہوگی تو چاہئے کہ شاگرد کو تنہائی میں نصیحت کرے۔ اگرچہ بعد میں شاگرد کا نام لئے بغیر وہ نصیحت سب کو سنا دے۔ اس طریق کار سے اسے ندامت نہ ہوگی۔ اور نصیحت سے فائدہ دوسروں کو بھی ہو جائے گا۔

استاد کو چاہئے کہ دورانِ سبق بھی خواہ کسی فن کی کتاب ہو طالب علم کے لئے اصلاح کی بات کرتا رہے۔ آجکل اساتذہ کرام اس کا اہتمام نہیں کرتے جس سے عام طور پر طلباء میں اخلاقی تنزلی آتی جا رہی ہے۔ اسی لئے بعض طلباء منہ درس پر بیٹھنے کے باوجود اپنی اصلاح سے غافل ہوتے ہیں۔ ان کی اس کج روی سے عوام پر غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

مہتمم و ناظم مدرسہ کو اگر کسی طالب علم سے ناراضگی ہو جائے تو اس کا آسان علاج یہ سمجھا جاتا ہے کہ مدرسہ سے خارج کر دیا جائے۔ کون دانشمند یہ فیصلہ کرے گا کہ اگر کسی عضو پر پھنسی نکل آئے تو وہ عضو کاٹ دیا جائے۔ اگر طلباء سے کبھی کوئی نازیبا بات بھی سننی پڑ جائے تو انا کا مسئلہ نہ بنانا چاہئے۔ اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے مجمع میں حرامی کہا۔ حضرت نے فرمایا یہ غلط ہے میرے والدین کے نکاح کے گواہ ابھی موجود ہیں۔ ایک بزرگ کو کسی نے مکار کہا۔ مریدین اسے مارنے کے لئے اٹھے۔ انہوں نے منع فرمادیا۔ پھر گھر آ کر اپنے مریدین کو خطوط دکھائے جن پر بڑے بڑے القاب لکھے ہوئے تھے۔ فرمایا دیکھو آپ کو اگر اس کے برے الفاظ کہنے پر غصہ آیا تو ان القاب پر بھی غصہ آنا چاہئے کیونکہ یہ بھی غلط ہیں۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے کسی عورت نے انہیں دیکھ کر کہا اور یا کار۔ آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ اری خدا کی بندی۔ عرصے بعد آپ نے مجھے صحیح پہچانا۔ حضرت علیؓ نے میدان جہاد میں ایک کافر کو مارنے کے لئے نیچے دبایا۔ چاہتے تھے کہ خنجر کا وار کریں مگر اس نے آپ کے چہرے پر تھوک دیا۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے پوچھا مجھے چھوڑا کیوں؟ فرمایا کہ پہلے فقط اللہ کی رضا کے لئے مارتا تھا اب ڈر ہوا کہ کہیں نفس کا غصہ بھی شامل نہ ہو لہذا چھوڑ دیا۔

استاد میں جس قدر شفقت و درگزر کا جذبہ ہوگا شاگرد اسی قدر اساتذہ پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں گے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد کو غسل کی حاجت ہو گئی۔ اس ڈر سے کہ کہیں غیر حاضری نہ ہو جائے وہ جلدی سے مدرسے پہنچ گیا اور اسے غسل کرتا یاد نہ رہا۔ جب دروازے پر پہنچا تو شاہ صاحب کی نظر پڑی۔ آپ نے سبق بند کر کے اس طالب علم کو وہیں روک لیا اور شاگردوں سے کہا کہ آج تفریح کے لئے دل چاہتا ہے۔ چنانچہ سب کو لے کر دریا کے کنارے پہنچے۔ پھر فرمایا کیوں نہ ہم غسل کر لیں۔ چنانچہ سب نے غسل کیا اس طالب علم نے بھی غسل کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا آؤ بھی سبق پڑھا دیں تاکہ ناغہ

نہ ہو۔ طالب علم اس حکمت عملی پر حیران رہ گیا۔

خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے استاد شمس الملک رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب کوئی طالب علم ناغہ کرتا تو آپ اسے فرماتے کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے۔ یہ جملہ سن کر کون شاگرد ہوگا جو پانی پانی نہ ہو جائے۔

استاد کو چاہئے کہ اپنے دل کو پاک رکھے کسی طالب علم سے ناراض ہو کر اپنے دل میں کینہ نہ رکھے۔

آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

کفر است در طریقت ماہ داشتن

[میرا آئین سینے کو آئینے کی مانند بنانا ہے۔ طریقت میں کینہ رکھنا کفر کی

مانند ہے]

استاد اپنے دل میں سوچے کہ شاگرد کی یہی قربانی بڑی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا ہے مجھے ان پر محنت کر کے اور ان کی تربیت کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ یاد رہے کہ بعض اوقات طلباء کے اخلاص اور طلب کا پرتو استاد پر اس طرح پڑتا ہے کہ اس کے دل میں مضامین کا القاء شروع ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا قاری عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ محدث پانی پتی کے متعلق ان کے استاد مولانا شاہ محمد مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث کے الفاظ تو میں ان کو پڑھاتا ہوں مگر حدیث کی روح مجھے خود ان سے حاصل ہوتی ہے۔ طلبہ کا یہی احسان کیا کم ہے کہ استاد کو بیٹھے بٹھائے علم کے مشغلہ میں لگنے کی سعادت مل جاتی ہے۔ اگر طلباء نہ ہوں تو کیا دیواروں کو پڑھائیں گے۔ پھر تو نہ جانے کن مشاغل میں پھنسے ہوتے۔ نمازوں کی پابندی بھی مشکل ہو چکی ہوتی۔ استاد کو چاہئے کہ ہر وقت یہ بات ذہن نشین رکھے کہ طلبہ کی تمام تر کوتاہیوں کے باوجود ہمیں یہی کام

کرنا ہے۔ ممکن ہے ان میں سے کوئی ایسے بھی نکل آئیں جو بارگاہ الہی میں قبولیت پائیں اور استاد کی بخشش کا ذریعہ بن جائیں۔

⑥ استاد کو چاہئے کہ شاگرد سے پہلے معلوم کر لے کہ کتنا وقت ہے۔ پھر اسکے مطابق اسباق کی ترتیب بنائے۔

اگر وقت کم ہو تو اسے مروجہ نصاب کا پابند نہ بنائے بلکہ ضروریات دین کی تعلیم دے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نصاب تجویز کیا ہے جس میں یہی مصلحت پیش نظر رکھی گئی کہ جن حضرات کے پاس وقت کم ہوتا ہے اس کو پڑھ کر دین کے کام میں لگ جائیں۔

⑦ استاد کو چاہئے کہ جو علم اپنے طالب علم کو پڑھا رہا ہے اسکا نفع تو بیان کر دے مگر دوسرے علوم و فنون و اساتذہ کی برائی نہ کرے علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص ہمارے سامنے ہمارے معاصر کی تعریف کرے تو ہم بھی اس کی تعریف اور مدح میں موافقت کریں اور اس میں مینم نہ نکالیں خواہ وہ ہم پر اعتراض ہی کرتا رہتا ہو۔ کیونکہ جب ہم اس کی برائی اور اعتراض کے بدلے اس کی تعریف کریں گے تو وہ جلد ہی اپنی حرکت سے باز آ جائے گا۔ اور برائی کرنا چھوڑ دے گا۔ اس تدبیر سے ہم خود بھی گناہوں سے بچیں گے اور انکے بچنے کا ذریعہ بھی بنیں گے۔

⑧ استاد کو چاہئے کہ سبق پڑھاتے وقت ایسی تقریر نہ کرے جو طالب علم کے علم و فہم سے بالاتر ہو۔

حضرت علی علیہ السلام نے ایک مرتبہ اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس میں بہت سے علوم ہیں بشرطیکہ ان کے سمجھنے والے ہوں۔ بعض اساتذہ محض اپنی قابلیت ظاہر کرنے کے لئے ابتدائی کتابوں میں ایسی تقریر کرتے ہیں کہ اس فن

کے منتہی طلبہ بھی مشکل سے سمجھ سکیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ نہ کتاب کو سمجھ سکتے ہیں نہ یاد کر سکتے ہیں۔ بعض حضرات تو سبق کے دوران خارجی باتوں پر اتنی دھواں دار تقریر کرتے ہیں کہ نہ پوچھیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لَا يَنْبَغِي لِلْعَالِمِ أَنْ يُتَكَلَّمَ بِالْعِلْمِ عِنْدَ مَنْ لَا يُطِيقُهُ
(عالم کیلئے مناسب نہیں ہے کہ کسی شخص کے سامنے ایسی بات کرے جس کا سمجھنا اس کی طاقت سے بالاتر ہو)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وَمِنْهُ أَنْ لَا يُتَبَيَّنَ لِلْمُبْتَدِئِ مِنَ الْعِلْمِ مَا هُوَ حِطُّ الْمُتَنَبِّهِ بَلْ
يُزَيِّنُ بِضَغَائِرِ الْعِلْمِ قَبْلَ كِتَابَتِهِ

(وہ علوم جو منتہی کے لئے مناسب ہیں مبتدی کے سامنے نہ کہے بلکہ بڑے بڑے علوم سے پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں کو بیان کرے)

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ”میری زندگی کے تجربات“ میں لکھتے ہیں کہ میری عمر کے پانچ سال اس وجہ سے ضائع ہوئے کہ کسی نے مجھے اس طریقہ سے پڑھانے کی کوشش نہ کی جو طریقہ میری اس وقت کی عمر اور فہم کے مناسب تھا۔ مجھے اپنی ابتدائی تعلیم کے کئی ساتھی یاد ہیں جو صرف ڈیوٹی پوری کرنے والے اساتذہ کی غفلت کے چکر میں چار پانچ سال رو کر بیٹھ گئے۔ اتنا طویل عرصہ مدرسہ میں پڑھنے کے باوجود خالی کے خالی رہے۔ اگر سوچ سمجھ کر پڑھایا جاتا تو اتنے دنوں میں ان کی آدمی سے زیادہ تعلیم ہو جاتی اور پھر وہ اس کو پورا کر کے ہی چھوڑتے۔

⑨ استاد کو چاہئے کہ اگر کوئی شاگرد حالات کی مجبوری کی بنا پر اس کے پاس سے منتقل ہو کر دوسرے استاد یا دوسرے مدرسے میں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس میں اس کا فائدہ ہو تو اجازت دے دے۔

دیانت داری کا تقاضا یہی ہے کہ خوشی خوشی دعاؤں سے رخصت کرے۔ محض اپنے مدرسہ کی تعداد دکھانے یا حلقہ درس کی رونق قائم رکھنے کے لئے ہجرو کرہ کسی کو روکنا مناسب نہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ جہاں طالب علم کاجی ہی نہ لگتا ہو وہاں رہ کر کیا کرے گا؟ یا تو علم حاصل کرنے سے منحرف ہو جائے گا یا بددل ہو کر دوسری جگہ بھاگ جائے گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے آبائی وطن کوفہ پہنچے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو اپنے شاگردوں سے کہا کہ تمہارے پاس عمرو بن دینار کی مرویات کا حافظ آ گیا ہے اس سے استفادہ کرو۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے پہلے جس نے محدث بنایا وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حضرت عبداللہ مزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ریاکار عالم کی پہچان یہ ہے کہ پہلے تو وہ لوگوں کو علم کی طرف خوب رغبت دلائے گا تا کہ اس کے پاس پڑھنے آئیں۔ پھر اگر وہ کسی دوسرے عالم کے پاس پڑھنے چلے جائیں تو برامانے۔ حالانکہ جب علم حاصل کرنا ہی مقصد ہے تو اس کے پاس حاصل کرے یا دوسرے کے پاس۔ کام تو اللہ کے لئے ہی کرنا ہے۔ ہاں اگر طالب علم کے لئے اس کے پاس ہی رہنا فائدہ مند ہے تو اپنا مشورہ بتا دے فیصلہ اسی پر چھوڑ دے۔

⑩ استاد کو چاہئے کہ طلبہ سے ذاتی خدمت لینے میں احتیاط کرے۔ اگر مجبوراً کوئی خدمت لے تو اس کی مکافات کر دے۔ اس قسم کا کام نہ

لے جس سے سبق میں کوئی حرج ہو۔ امارد (بے ریش) کے ساتھ خلوت سے بہت اجتناب کرے۔ جلوت میں بھی ضرورت سے زیادہ بات نہ کرے نہ ان کی طرف قصد اُدیکھے۔ اپنی پاک دامنی پر تازہ نہ کرے کہ میں بھلا اس میں کہاں مبتلا ہو سکتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا

وَمَا أُبْرِئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ (یوسف: ۵۳)

(میں اپنے نفس سے بری نہیں ہوں بے شک نفس امارہ برائی کی تلقین کرتا ہے)

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بہت خوبصورت تھے۔ ان کے والد چھوٹی عمر ہی میں ان کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چھوڑ کر گئے۔ امام صاحب نے پہلی نظر ڈالتے ہی سمجھ لیا کہ یہ امارد ہے احتیاط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو شاگردی میں قبول تو فرمایا مگر دو شرائط عائد کیں۔ ایک یہ کہ سبق کے دوران سامنے کی بجائے پس پشت بیٹھیں گے، دوسرے یہ کہ نئے اور اچھے کپڑوں کی بجائے پرانے کپڑے پہنیں گے۔ امام محمد ان دو شرائط کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وقت گزرتا رہا۔ ایک مرتبہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ پس پشت کھڑے کوئی مسئلہ پوچھ رہے ہیں مگر سامنے دیوار پر ان کی ریش کا سایہ نظر آ رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حیران ہو کر پیچھے دیکھا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر یہ آپ کی دوسری نظر تھی۔ سبحان اللہ پہلی نظر جب پڑی جب بے ریش تھے۔ دوسری نظر تب پڑی جب اچھی خاصی ریش سے چہرہ ج چکا تھا۔

شیطان کا مقولہ ہے کہ اگر حسن بصری پڑھانے والا ہو اور رابعہ بصریہ پڑھنے والی ہو اور قرآن پڑھ پڑھا رہے ہوں تو بھی میں دونوں کے دلوں میں برے

خیالات ڈال کر منہ کالا کر دوں۔ امر دے کے ساتھ تو خلوت اس سے بھی بری ہے۔
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنا کام خود کرتے تھے۔ جب انہوں نے شہر بخارا سے باہر مہمان خانہ بنوایا تو اس کی تعمیر کے وقت خود بھی مزدوروں کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔ ایک شاگرد نے عرض کیا کہ آپ کو محنت کی کیا ضرورت ہے ہم شاگرد جو موجود ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا هَذَا الَّذِي يَنْفَعُنِي (یہ میرے لئے نافع ہے)۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے کپڑے خود دھو لیا کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ اپنے کام خود دست مبارک سے کرتے تھے۔ بکریوں کا دودھ دودھ لیتے تھے۔ پھنسا ہوا کپڑا اسی لیتے تھے۔ نعلین مبارک ٹوٹ جاتیں تو خود گانٹھ لیتے تھے۔ اپنے کام کے لئے دوسروں کو تکلیف نہ دیتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس برس تک آپ ﷺ کی خدمت میں رہا۔ اس دوران میں میں نے اس قدر آپ ﷺ کی خدمت نہیں کی جتنے آپ ﷺ نے میرے کام کر دیئے۔

① استاد کو چاہئے کہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کہے کچھ اور کرے کچھ۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ

(اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے)

دوسری حدیث مبارک میں ہے۔

اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةُ یَوْمِ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَا یَنْتَفِعُ بِعِلْمِہِ

(قیامت کے دن سب سے بدترین شخص مرتبہ کے اعتبار سے وہ عالم ہوگا)

جس کے علم سے نفع نہ ہو)

ایک اور حدیث مبارک میں ہے۔

أَلَا إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شَرَارَ الْعُلَمَاءِ وَإِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ
(سب سے بدتر لوگ علمائے بد ہیں اور سب سے بہتر لوگ علمائے خیر ہیں)

حضرت ابو الدرداء ؓ فرماتے ہیں کہ اس خوف سے لرز رہا ہوں کہ قیامت کے دن حساب دینے کے لئے کھڑا کیا جاؤں اور پوچھا جائے کہ تو نے علم حاصل کیا تھا مگر اس سے کیا کام لیا۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں جو نہیں جانتا اس کے لئے ایک ہلاکت اور جو جانتا ہے عمل نہیں کرتا اس کے لئے سات ہلاکتیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا قول ہے "باتیں بنانا سب جانتے ہیں لیکن اچھا وہی ہے جس کا قول و فعل یکساں ہو۔

حضرت علی ؓ نے فرمایا

"اے اہل علم! اپنے علم پر عمل کرو۔ عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو علم تو رکھیں گے مگر علم ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کا ظاہر ان کے باطن سے مختلف ہوگا۔ مجلسیں جما کر بیٹھیں گے آپس میں فخر و مباہات کریں گے اور لوگوں سے اس لئے ناراض ہو جایا کریں گے کہ ان کی مجلس چھوڑ کر دوسرے کی مجلس میں کیوں جا بیٹھے۔ ایسے لوگوں کے عمل خدا تک نہیں پہنچیں گے۔"

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو ان کے اعمال سے پرکھو نہ کہ اقوال سے۔ حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جنہیں قول پسند نہ تھا صرف عمل سے خوش ہوتے تھے۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بے عمل عالم کی نصیحت کا اثر دل پر ایسے ہوتا ہے

جیسے بارش کا سنگلاخ چٹان پر۔

حضرت سید رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خبردار چھلنی کی طرح نہ بنو کہ عمدہ آٹا نکال کر دوسروں کو بے دیتی ہے اور بھوسہ اپنے پاس رکھتی ہے۔ اسی طرح تمہارا حال یوں نہ ہونا چاہئے کہ اپنے منہ سے تم دوسروں کے لئے حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور خود تمہارے دلوں میں کھوٹ رہ جائے۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ عالم بے عمل گدھ کی مانند ہے جو آسمان پر اڑتا ہے مگر مردار کھاتا ہے۔ بعض لوگوں کا علم پہاڑوں کے برابر ہوتا ہے مگر عمل چیونٹیوں کے برابر۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پتھر پر لکھا ہوا دیکھا

أَنْتَ بِمَا تَعْلَمُ لَمْ تَعْمَلْ فَكَيْفَ تَطْلُبُ عِلْمًا مَا لَمْ تَعْلَمْ

(تم نے معلوم شدہ باتوں پر عمل کیا نہیں پھر نئی معلومات حاصل کرنے کی فکر کس لئے ہے)

بعض علماء نے علم کو جال بنا رکھا ہوتا ہے جس سے دنیا کا شکار کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں؟ فرمایا

① تم نے خدا کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہیں کیا

② قرآن پڑھا مگر عمل نہ کیا۔

③ محبت رسول ﷺ کا دعویٰ کیا مگر اتباع سنت نہ کی۔

④ ابلیس پر لعنت تو کی مگر اس کی فرمانبرداری بھی کی۔

⑤ اپنے عیوب سے آنکھوں کو بند کر لیا مگر دوسروں کے عیوب کے لئے آنکھیں کھلی رکھیں۔



باب نمبر 8

راہ سلوک کے آداب

ہر راہ کے راہی اور ہر سفر کے مسافر کے لئے کچھ اصول و ضوابط ہوتے ہیں جنکی رعایت اور پابندی کرنے سے منزل پر پہنچنا آسان ہوتا ہے۔ جو شخص ان شرائط کو ملحوظ خاطر نہ رکھے بلکہ ان اصول و ضوابط سے انحراف کرے اسے منزل پر پہنچنے میں رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ کبھی تو راستے سے بھٹک کر در بدر کی ٹھوکریں کھانا پڑتی ہیں اور کبھی چوروں ڈاکوؤں سے لٹ پٹ کر مال و متاع سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ وصول الی اللہ کی منزلیں طے کرنے والے سالکین طریقت کے لئے بھی معاملہ اسی طرح ہے۔ جو سالک آداب کی پابندی نہ کرے بسا اوقات وہ ساری عمر اس راستے کی بھول بھلیوں میں گزار دیتا ہے اور کبھی نفس و شیطان کے ہتھے چڑھ کر اعمال و ایمان کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ان تمام آداب کی پابندی کی جائے جو منزل کا نشان پانے والے واصلین اور جمال یار کا مشاہدہ کرنے والے مقررین نے متعین کر دیئے ہیں۔

نگاہ دار ادب در طریق عشق و نیاز

کہ گفتہ اند طریقت تمام آدابست

(عشق و نیاز کی راہ میں ادب کی خوب رعایت کر۔ کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ طریقت تمام تر آداب ہی ہے)

مشائخ عظام کے آداب

آداب مشائخ کے بارے میں علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کی کتاب ”الانوار القدسیہ فی معرفۃ قواعد صوفیہ“ میں سے بعض آداب کا اجمالی بیان درج ذیل ہے

ارشاد نمبر 1:

کوئی بھی سالک مشائخ کرام کی محبت، خدمت اور ادب کے بغیر اچھی حالت پر نہیں پہنچا۔

ارشاد نمبر 2:

جو شخص بغیر شیخ و مرشد کے طریقت کا دعویٰ کرے اس کا شیخ ابلیس ہوگا۔ اگر اس کے ہاتھ سے عجیب و غریب واقعات ظاہر ہوں تو وہ استدراج ہوں گے۔ کید شیطان اور فریب نفس۔ بجز راہ دان اور راہبر کے دوسرا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

ارشاد نمبر 3:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص بغیر کسی مقتدا کے اس راہ میں قدم رکھے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ جو شخص مشائخ کا ادب و احترام چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اسے اپنے بندوں کی نظروں میں ناپسندیدہ بنا دے گا۔

ارشاد نمبر 4:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ مَنْ لَمْ يَغْتَفِذْ فِي شَيْخِهِ الْكَمَالَ لَا يُفْلِحْ عَلَى يَدَيْهِ أَبَدًا یعنی جو شخص اپنے شیخ کے کمال کا اعتقاد نہ رکھے گا وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔

ارشاد نمبر 5:

حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے شیخ کی صحبت میں آئے اور پھر اس پر اعتراض کرے بلاشبہ اس کی بیعت ٹوٹ گئی اس پر واجب ہے کہ تجدید بیعت کرے۔

ارشاد نمبر 6:

مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ کو لفظ کیوں نہ کہے ورنہ طریقت میں کامیاب نہ ہوگا۔

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

ارشاد نمبر 7:

شیخ عبدالرحمن جیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس کو اپنے شیخ یا پیر بھائیوں کی محبت سے روگردانی کرنے والا پائے وہ سمجھ لے کہ اب اس کو اللہ تعالیٰ کے دروازے سے دھککا راجا رہا ہے۔

ارشاد نمبر 8:

مرید اپنے شیخ کی ہزاروں برس خدمت کرے اور اس پر لاکھوں روپے خرچ کرے تو بھی دل میں یہ خیال نہ لائے کہ میں نے شیخ کا حق ادا کر دیا۔ ایسا کرے

گا تو طریقت سے خارج ہو جائے گا۔

ارشاد نمبر 9:

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر شیخ بغیر کسی ظاہری وجہ کے اپنے مرید پر سختی کرے تو بھی مرید صبر کرے اگر پختہ ارادہ اور عاجزی لے کر آئے گا تو قبولیت پائے گا۔

ارشاد نمبر 10:

حضرت سید علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مرید پر لازم ہے کہ اپنے تمام وسائل اسباب اور معمولات شیخ کے قدموں پر ڈال دے۔ نہ اپنے علم پر اعتماد کرے نہ اپنے عمل پر بلکہ یقین کرے کہ تمام بھلائیاں مجھے شیخ ہی کے واسطے سے پہنچیں گی۔

ارشاد نمبر 11:

مرید کا اپنے شیخ کی صحبت کو لازم پکڑنا بعض اوقات مکہ مکرمہ کے نفلی سفر سے بھی افضل ہوتا ہے۔ شیخ مرید کو بیت اللہ کے مالک تک پہنچاتا ہے جو کہ بیت اللہ سے افضل ہے۔ گویا شیخ ذریعہ مقصود کی بجائے حقیقی مقصود تک پہنچاتا ہے۔

ارشاد نمبر 12:

مرید پر حق ہے کہ شیخ کی خدمت میں ہر وقت سچائی کے ساتھ آئے اگرچہ روزانہ ہزار بار آنا نصیب ہو۔

ارشاد نمبر 13:

جس شخص نے بغیر شیخ کے کمال حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ راستہ سے ہٹ گیا کیونکہ میوہ اپنی گتھلی کے بغیر کال نہیں ہوتا۔

ارشاد نمبر 14:

مرید پر حق ہے کہ جب اسکا شیخ اسکے پیر بھائی کو آگے بڑھائے تو یہ اس پر حسد نہ کرے، ورنہ اسکے جے ہوئے پاؤں پھسل جائیں گے اور وہ اپنے مقام سے نیچے گر پڑے گا۔

ارشاد نمبر 15:

جب سالک کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے جسمانی باپ کو چھوڑ کر کسی طرف نسبت کرے تو یہ کہاں جائز ہوگا کہ اپنے روحانی باپ (شیخ) کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف نسبت کرے۔

ارشاد نمبر 16:

مرید پر حق ہے کہ وہ شیخ کو ہر بات میں سچا سمجھے اگر سمجھ میں نہ آئے تو اپنی سمجھ کا قصور جانے۔

ارشاد نمبر 17:

جب مرید یہ جان لے کہ اسکا شیخ کامل ہے اور اسکے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہے تو پھر اپنے شیخ کی اس طرح اطاعت کرے جیسے فرشتے کرتے ہیں۔

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (التحریم: ۶)
(اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا حکم ہوتا ہے)

ارشاد نمبر 18:

مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرے ورنہ شیطان کی

طرح راندہ و درگاہ بنے گا۔

ارشاد نمبر 19:

مرید اپنے دل میں یقین رکھے کہ مرشد وہ آنکھ ہے جس سے اللہ تعالیٰ میری طرف رحمت سے دیکھتا ہے۔ یعنی شیخ کی رضا سے اللہ تعالیٰ راضی اور شیخ کی ناراضگی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

ارشاد نمبر 20:

مرید اپنے شیخ کے ظاہر پر نظر نہ کرے بلکہ اس باطنی نعمت پر نظر رکھے جو اسکے دل میں ہے۔

ارشاد نمبر 21:

جس طرح سالک پر شرک سے بچنا لازم ہے اسی طرح شیخ کی موجودگی میں غیر کی طرف میلان کی بھی ممانعت ہے۔

ارشاد نمبر 22:

جس طرح انسان کے لئے دو معبود نہیں۔ عورت کے لئے بیک وقت دو شوہر نہیں اسی طرح مرید کے لئے دو شیخ طریقت نہیں۔ جو سالک ایک وقت میں کئی مشائخ سے واسطہ رکھے گا کبھی کامیاب نہ ہوگا۔

ارشاد نمبر 23:

مرید اپنی عبادات کے ظاہری احوال کو اپنے شیخ کے حال پر قیاس نہ کرے۔ بلکہ یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شیخ کا ایک دن مرید کے ہزار دنوں پر فضیلت رکھتا ہے۔

ارشاد نمبر 24:

حضرت علی بن وفارحۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شیخ مرید کے لئے آئینے کی مانند ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ کسی مرید نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے عرض کیا 'اے میرے سردار! آج رات میں نے آپ کے چہرے کو خنزیر کا چہرہ دیکھا۔ آپ نے فرمایا 'بیٹے! میں تیرا آئینہ ہوں' تو اپنے نفس کو خنزیروں کی صفت سے پاک کر لے پھر میری طرف دیکھ تجھے اپنا اصلی چہرہ نظر آئے گا۔

ارشاد نمبر 25:

جب شیخ کسی مرید کی خواہش کے مخالف کام کرے تو مرید کو صبر کرنا چاہئے اسی میں اسکی ترقی ہے۔

ارشاد نمبر 26:

سیدی علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مرید اپنے شیخ کے دوستوں کو دوست اور دشمنوں کو دشمن جانے ورنہ شیطان کا لقمہ بن جائے گا۔

ارشاد نمبر 27:

حضرت سیدی علی بن وفارحۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مرید اپنے شیخ کی نرمی سے دھوکا نہ کھائے بلکہ ڈرتا رہے اور شیخ کی سختی پر رنجیدہ ہونے کی بجائے خوش ہو کہ میری اصلاح ہو رہی ہے۔

ارشاد نمبر 28:

حضرت شیخ ابوالعاص مزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ سے کبھی کرامت طلب نہ کرے۔ یہ اوادت میں شک کی علامت ہے۔

ارشاد نمبر 29:

مرید کو چاہئے کہ شیخ کی خفگی سے دل تنگ نہ ہو۔ اگر شیخ دھتکار بھی دے تو بھی جدا نہ ہو۔ جان لے کہ بزرگانِ دین کسی مسلمان کو ایک سانس کے برابر لمحہ کے لئے بھی ناپسند نہیں کرتے۔ جو کچھ کرتے ہیں مریدین کی تعلیم کی غرض سے کرتے ہیں۔

ارشاد نمبر 30:

مرید کو زیب نہیں دیتا کہ اپنے شیخ کے مقام کو جاننے کی فکر میں لگے۔ بس اپنے کام سے کام رکھے کیونکہ مقصد پھل کھانے سے ہے درخت گننے سے نہیں۔

ارشاد نمبر 31:

مرید پر لازم ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو شیخ کی ایذا کا سبب بنے۔ اگر ایسا ہو جائے تو فوراً معافی کا خواستگار ہو۔ آئندہ کے لیے محتاط رہے۔

ارشاد نمبر 32:

مرید کو چاہئے کہ وہ شیخ کے کلام کو اپنی عقل کے ترازو میں نہ تولے۔ اگر شیخ مرید کو کسی خطیب یا عالم کی صحبت میں بیٹھنے سے روکے تو مرید فوراً رک جائے ورنہ نقصان اٹھائے گا۔

ارشاد نمبر 33:

شیخ کو حق حاصل ہے کہ وہ مرید کو ایک وظیفے سے ہٹا کر دوسرے کو اختیار کرنے کا حکم دے۔ مرید کو چاہئے کہ فوراً تعمیل کرے اگرچہ اسے پہلے وظیفے میں فائدہ نظر آتا ہو۔

ارشاد نمبر 34:

اگر شیخ کبھی مرید کے سامنے خوش خوش متبسم نظر آئے تو بھی مرید شیخ کے ادب میں غفلت نہ کرے۔ کیونکہ شیخ کبھی کبھی بارش اور رحمت کی صورت میں تموار اور آزمائش ہوتا ہے۔

ارشاد نمبر 35:

مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کی ہر بات کو حق جانے اگرچہ وقتی طور پر مصلحت سمجھ میں نہ آئے۔

ارشاد نمبر 36:

شیخ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہنے والے مریدین اپنے آپ کو دوسروں سے افضل نہ سمجھیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ حضرت صہیب ؓ اور حضرت سلمان ؓ دور سے آئے اور واصل ہوئے۔ جبکہ ابو جہل و ابولہب قریب رہ کر بھی مردود ہوئے۔

ارشاد نمبر 37:

حضرت یوسف ؑ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو مرید بلا عذر کسی محفل ذکر سے پیچھے رہ جائے تو اسے چاہئے کہ پیر بھائیوں کے سامنے اپنے آپ کو ملامت کرے اور اپنے نفس کو ذلیل کرے۔

ارشاد نمبر 38:

مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے باپ دادا کی بزرگی پر اکتفا نہ کرے جیسا کہ اکثر مشائخ کی اولاد کا حال ہے۔ مادر کھے کہ بزرگی ورثے میں نہیں ملتی طلب و

مجاہدے سے ملتی ہے۔

ارشاد نمبر 39:

سلف صالحین اپنے مریدین سے کہتے تھے۔ اَمَحْ لَوْحَكَ وَتَعَالَ (تو اپنے دل کی تختی کو صاف کر لے پھر ہمارے پاس آ جا)۔ جس طرح لکھی ہوئی تختی پر لکھا نہیں جاتا اسی طرح ماسوا سے بھرے ہوئے دل میں کچھ فیض نہیں آتا۔

ارشاد نمبر 40:

مرید کو چاہئے کہ اگر شیخ اس پر ناراض ہو تو فوراً اسے راضی کرنے کی کوشش کرے اگر چہ اسے اپنے گناہ کا پتہ نہ چلے۔

ارشاد نمبر 41:

مرید کو چاہئے کہ شیخ کی نیند کو اپنی عبادت سے افضل سمجھے۔

ارشاد نمبر 42:

مرید کو چاہئے کہ شیخ کی بیوی کو اپنی والدہ کا درجہ دے۔ وَ اَزْوَاجُهُ اُمَہَاتُہُمْ (اسکی بیویاں ان کی مائیں ہیں) اسکی دلیل ہے۔

ارشاد نمبر 43:

مرید کو چاہئے کہ شیخ کو اپنی طرف چل کر آنے کی تکلیف نہ دے۔ سید علی مرضی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید حج سے واپس آیا تو چاہا کہ شیخ میرے پاس تشریف لا کر مبارکباد دیں۔ جب ایسا نہ ہوا تو وہ شیخ سے بدظن ہوا۔ پس موت سے پہلے اسکے تمام کمالات سلب ہو گئے۔

ارشاد نمبر 44:

مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کی اولاد اور عیال کی ضروریات کو ہر چیز پر مقدم رکھے۔ اگر اپنا تمام مال بھی خرچ کرنا پڑے تو یہ گمان کرے کہ میں نے شیخ کے سکھائے ہوئے ایک ادب کا بھی حق ادا نہیں کیا۔ سید ابو العباس سرسئی نے اپنے شیخ حضرت سید محمد حنفیؒ پر تیس ہزار دینار خرچ کئے۔ لوگوں نے ملامت کی تو انہوں نے کہا کہ اگر میں ساری دنیا کے خزانے بھی اپنے شیخ پر نچھاور کر دوں تو بھی وہ اس ایک ادب کی قیمت نہیں رکھتے جس کو میں نے اپنے شیخ سے سیکھا۔

ارشاد نمبر 45:

مرید کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے شیخ کے چہرے کو ٹٹکی باندھ کر نہ دیکھے۔ جہاں تک ہو سکے نظریں جھکائے رکھے البتہ کبھی کبھی چہرے کو دیکھنے کی لذت لیتا رہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے اپنے شیخ کے چہرے پر ہمیشہ نظر رکھی تو اس نے اپنی گردن سے حیا کا پتہ نکال دیا۔ شیخ علی مرضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر مرید صاحب استقامت ہو اور شیخ کے چہرے کی طرف اکثر نگاہ رکھنے میں اہانت لازم نہ آئے تو پھر کوئی نقصان نہیں۔

ارشاد نمبر 46 :

سید علی مرضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

”مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر کسی وظیفے یا ہنر میں مشغول نہ ہو۔“

ارشاد نمبر 47:

مرید کو چاہئے کہ اپنے شیخ کی طرف پاؤں نہ پھیلائے۔ شیخ زندہ ہوں یا

فوت شدہ ہو۔ رات ہو یا دن ہر دقت حالت غیبت و حضور میں شیخ کے ادب کی رعایت کرے۔

کسی پیر سنگیزستی متاں ہودم ہوت نوں لتاں
(محبوبہ ناگلئیں سمیٹ کر سوئی کہ محبوب کی طرف پاؤں نہ ہوں)

ارشاد نمبر 48:

مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے شیخ کی صریحا یا اشارۃً اجازت کے بغیر اس زمانہ کے کسی بھی بزرگ کی زیارت نہ کرے اگرچہ وہ بزرگ اس کے شیخ کے بڑے دوستوں میں سے ہوں۔ اس سے دلجمعی میں انتشار کا اندیشہ ہے۔

ارشاد نمبر 49:

مرید کو چاہئے کہ شیخ کے کپڑے اور جوتا وغیرہ نہ پہنے، ان کے بستر پر نہ بیٹھے، انکی تسبیح مصطفیٰ استعمال نہ کرے، ان کے خاص برتنوں میں کھانا نہ کھائے، پانی نہ پئے۔ اس طرح بے تکلفی بڑھ کر شوخی پر منتج ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر شیخ ان چیزوں کے استعمال کی خود اجازت دے دیں تو پھر ٹھیک ہے۔

ارشاد نمبر 50:

جب شیخ مرید کو اپنا جبہ، نعلین، ٹوپی یا مسواک وغیرہ عطا کرے تو مرید کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ان اشیاء کو دنیوی مقصد کے لئے استعمال کرے یعنی بیچ ڈالے۔ بعض اوقات ان چیزوں میں شیخ کا فیض شامل ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو چادر لپیٹ کر دی اور یہ نسیان کے مریض تھے مگر اس کے بعد جو دیکھتے یا سنتے کبھی نہ بھولتے۔

حضرت جنید بغدادی نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو مسواک عطا کی۔ لوگوں

نے ہزار درہم کے بدلے میں خریدنا چاہی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ شیخ تقی الدین کو شیخ نے عبا عطا کی۔ لوگوں نے منہ مانگی قیمت پر خریدنا چاہی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ شیخ الحمد یث حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب شیخ ایسی کوئی چیز عطا کرے تو اس کے ادب کا خیال رکھے۔ ان کپڑوں اور نعلین وغیرہ کو پہن کر گناہ کا کام نہ کرے۔

ارشاد نمبر 51:

مرید کو چاہئے کہ اپنے دل کو ہر وقت شیخ کے دل کے ساتھ مضبوطی سے ملائے رکھے اور سمجھے کہ اسے جو بھی باطنی نعمت پہنچے گی وہ شیخ ہی کے واسطے سے پہنچے گی۔ اگرچہ ظاہر میں کسی اور کی طرف سے فیض آتا ہوا دیکھے۔ حضرت شیخ زین الدین الحوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مرید پر واجب ہے کہ اپنے شیخ کے فیضان کو نبی اکرم ﷺ کا فیضان جانے اور ان کے فیضان کو اللہ تعالیٰ کا فیضان جانے۔ ہر خیر و برکت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے مگر مشائخ اس کا واسطہ بن جاتے ہیں۔ سُنَّةُ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ (یہ اللہ کا وہ قانون ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے)

ارشاد نمبر 52:

مرید کو چاہئے کہ جب اس کے شیخ کے شہر میں کوئی دوسرا بزرگ آئے اور اسکی طرف شیخ کے علاوہ اور بہت سے اکابر متوجہ ہوں تو وہ مرید ہرگز متوجہ نہ ہو ورنہ نقصان اٹھائے گا۔

ارشاد نمبر 53:

اگر تائید الہی سے کوئی مرید اپنے شیخ کے برابر ہو جائے یا بڑھ جائے اور شیخ

تصدیق بھی کر دے تو بھی مرید اپنے شیخ کے ادب کو لازم رکھے۔ اسے جو کچھ ملا اپنے شیخ کی برکت سے ملا۔

پیر بھائیوں کے آداب

مرید کو چاہیے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے پیر بھائی کے لئے پسند کرے۔ تمام آداب کا خلاصہ اور نچوڑ یہی ہے۔ مزید تفصیلات درج ذیل ہیں۔

ادب نمبر 1:

مرید اگر اپنے پیر بھائی کی خطا اور لغزش پر مطلع ہو تو اس کی پردہ پوشی کرے۔

ادب نمبر 2:

جو شریف لوگوں کے عیوب کو دیکھے اور ان کو برے مقاصد پر محمول کرے تو اسکا باطن ویران ہو جائیگا۔ طبرانی شریف میں مرفوع روایت ہے کہ جو شخص لوگوں کے عیوب تلاش کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب تلاش کرے گا۔ اور جن کے عیوب اللہ تعالیٰ تلاش کرے گا تو اس کو ذلیل و خوار کر دیگا اگرچہ وہ اپنے کجاوہ کے بیچ ہی میں ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بخدا ہم ایسی جماعت دیکھتے تھے کہ ان میں سے کوئی عیب نہ تھے۔ پھر جب وہ لوگوں کے عیب کی جاسوسی اور تلاش میں پڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عیوب بھی ظاہر کر دیئے۔ حضرت شیخ علی مرضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس نے پیر بھائیوں کی لغزشوں کو نہ چھپایا درحقیقت اس نے اپنی لغزشوں کے پردے کھول دیئے۔

سید احمد زہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب تم کسی کو پوشیدہ گناہ کرتے دیکھو تو اسے پوشیدہ زجر کرو اور اگر علانیہ کرتے دیکھو تو علانیہ نصیحت کرو۔

ادب نمبر 3:

مرید کو چاہئے کہ اپنے پیر بھائیوں کی دنیوی خیر خواہی بھی کرے مگر اس سے بڑھ کر ان کی دینی خیر خواہی کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہین النصیحة (دین خیر خواہی کا نام ہے)

ادب نمبر 4:

اگر کوئی مرید ساری رات جاگ کر عبادت کرے تو بھی اپنے آپ کو اس بھائی سے افضل نہ سمجھے جو فقط سحری کے وقت جاگے۔ بلکہ اس کی نیند کو اپنی عبادت سے افضل جانے۔

ادب نمبر 5:

سالک پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو تمام مسلمانوں سے کم تر سمجھے۔ ایسا نہیں کرے گا تو متکبرین میں شمار ہوگا۔ سید عبدالعزیز دیرینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سالک اپنے آپ کو تمام مخلوق سے کم تر سمجھے۔

ادب نمبر 6:

سالک کو چاہئے کہ اپنے بھائیوں کو اپنی ذات پر ترجیح دے اور انکی ایذاؤں کو برداشت کرے۔

ادب نمبر 7:

حضرت امام حسن رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ بھائی کے آداب میں سے ہے کہ اپنے

بھائیوں کی خدمت کرے پھر ان کے پاس معذرت کرے کہ ان کا جو حق تھا وہ ادا نہیں ہو سکا۔

ادب نمبر 8:

اگر سالک کسی مجلس ذکر سے پیچھے رہ جائے تو وہ اپنے آپ کو سب بھائیوں کے سامنے ملامت کرے۔ اس ادب میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہم عصروں پر سبقت لے گئے تھے۔

ادب نمبر 9:

اگر کوئی سالک نیکی میں پیچھے رہ جائے اور اسکے بھائی اسکو ملامت کریں تو اسے چاہئے کہ حجت بازی نہ کرے بلکہ کثرت کے ساتھ استغفار شروع کر دے۔

ادب نمبر 10:

سید احمد رفاہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے اپنے نفس کی طرف داری کر کے بحث کی وہ ہلاک ہوا۔

ادب نمبر 11:

سالک پر حق ہے کہ وہ تہمت والی جگہوں سے اور ناشائستہ کاموں کے ارتکاب سے دور رہے۔

ادب نمبر 12:

سالک کو چاہئے کہ اپنے پیر بھائیوں کو محبت و الفت سے آداب سکھائے مگر اپنے آپ کو ان سے افضل نہ سمجھے۔

ادب نمبر 13:

سالک کو چاہئے کہ اپنے جان و مال سے اپنے پیر بھائیوں کی خدمت کرے۔ حدیث پاک میں ہے۔

وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا دَامَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اٰخِيْهِ

(جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد میں ہے)

ادب نمبر 14:

اگر شیخ کسی مرید کو مجلس سے نکال دے یا اس پر عتاب کرے تو اس کے دوسرے پیر بھائی اس کی غیبت میں مبتلا نہ ہوں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ غیبت کرنے والے اس نکالے ہوئے شخص سے زیادہ بد حال اور گنہگار ہوں۔

ادب نمبر 15:

سالک کو چاہئے کہ وہ جماعت کے کمزوروں۔ ضعیفوں۔ معذوروں اور بوڑھوں کی خدمت کرے۔ حضرت سید علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے اوپر رحمت کا نزول چاہے وہ کمزوروں کی مدد کرے اور سمجھے۔ هٰذَا شَرَفِيْ (یہ میری عزت ہے)

ادب نمبر 16:

سید علی خواصؒ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص تم پر ظلم کرے تو تم اسے معاف کر دو۔ یوں مت کہو کہ شریعت نے مجھے ظلم کے برابر بدلہ لینے کی اجازت دی ہے۔ بہت سی چیزیں شریعت میں جائز ہیں مگر انکا ترک کرنا افضل ہوتا ہے۔

ادب نمبر 17:

سید علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب تیرا پیر بھائی تجھے ملنے آئے تو اسے کھڑا ہو کر نہایت اکرام سے ملا کر۔

ادب نمبر 18:

اگر سالک اپنے کسی پیر بھائی سے ناراض ہو جائے تو تین دن سے زیادہ ناراض نہ رہے۔ پھر اگر سالک نے گفتگو کرنے کی غرض سے سلام میں پہل کر لی تو بہت اچھا۔ اب اگر وہ جواب دے تو ٹھیک ورنہ سالک پر الزام نہیں۔ ناراضگی اور نہ بولنے کا گناہ دوسرے پر ہوگا۔

ادب نمبر 19:

سالک کو چاہئے کہ اس کے پیر بھائیوں میں سے جو بھی اس پر احسان کرے تو یہ اس احسان کا بدلہ چکانے کی کوشش کرے۔

ادب نمبر 20:

سالک کو چاہئے کہ اپنے پیر بھائیوں کو اپنی دعاؤں میں نہ بھولے۔ حدیث پاک کے مطابق ایک فرشتہ اسکو کہے گا کہ وَلِّكْ بِمِثْلِ (تیرے لئے بھی اس جیسا ہو) یاد رکھیں فرشتے کی دعا رو نہیں ہوتی۔

ادب نمبر 21:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تو اپنے بھائی کی مروت پر اعتماد کر کے اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کر۔

ادب نمبر 22:

سالک کو چاہئے کہ جب اسکا بھائی اپنی معصیت کی حالت میں اس سے مدد چاہے تو وہ اس پر بخلی نہ کرے۔ اگرچہ اپنے جبہ زائد جوتوں اور گیہوں وغیرہ سے ہو۔

ادب نمبر 23:

سالک کو چاہئے کہ اپنے پیر بھائیوں سے گفتگو کرتے ہوئے شیریں زبانی سے کلام کرے۔ اگر بدزبانی سے معاملہ کریگا تو محروم ہو جائیگا۔ حدیث پاک میں ہے

”مَنْ تَرَكَ النَّاسَ إِتْقَاءَ فَحِشِهِ“

(برا آدمی وہ ہے جس کی بد مزاجی کی وجہ سے لوگ اسے چھوڑ دیں)۔

سید علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بولنے میں احتیاط لقمہ اور کپڑوں کی احتیاط سے زیادہ ضروری ہے۔

ادب نمبر 24:

سالک کو چاہئے کہ گناہ سے نفرت کرے گنہگار سے نفرت نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے پیاز کے متعلق فرمایا۔ اِنَّهَا شَجَرَةٌ اَنْكُرُهُ دِنْهَہَا (یہ ایسا پودا ہے کہ میں اسکی بو کو ناپسند کرتا ہوں)۔ پس آپ ﷺ نے پیاز کے بارے میں نہیں اسکی بو کے بارے میں ناگواری کا اظہار فرمایا۔

ادب نمبر 25:

سالک کو چاہئے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کی حاجات کو نقلی عبادات پر مقدم رکھے۔

ادب نمبر 26:

حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ طریقت میں ترقی پانے والے لوگ وہ ہیں جن کو پیر بھائیوں کے بیت الخلاء بھی صاف کرنے پڑیں تو اسے اعزاز سمجھیں۔ امام غزالیؒ سید علی خواصؒ اور شیخ امین الدین رحمۃ اللہ علیہم جیسے حضرات نے اپنے وقت میں یہ خدمت کی۔ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ جماعت کے افراد کے لئے استنجا گاہیں صاف کرتے تھے اور بارگاہ ایزدی میں اس سعادت کے حصول پر شکر ادا کرتے تھے۔

ادب نمبر 27:

سالک کو چاہئے کہ دوران سفر ضرورت کی اشیاء چاقو، قینچی اور مصلے وغیرہ پاس رکھے تاکہ بوقت ضرورت دوسروں کی خدمت کر سکے۔

ادب نمبر 28:

سالک سے اگر کسی پیر بھائی کی بے ادبی ہو جائے تو اس پر حق ہے کہ وہ عاجزوں اور ذلیلوں کی شکل بنا کر معافی مانگے۔ مثلاً اپنا سرنگا کرے یا جوتوں کے پاس کھڑا رہے۔ ہر پیر بھائی مرشد کی نشانی ہوتا ہے اسکی بے ادبی کسی طرح درست نہیں۔

ادب نمبر 29:

اگر سالک سے اسکا کوئی پیر بھائی معافی مانگے تو اسے چاہئے کہ معاف کر دے۔ متدرک حاکم کی روایت ہے:

من اتاه اخوه متصلا فلیقبل ذلك محققا کان او مبطلا فان لم

یفعل لم یرد علی الحوض

(جس شخص کے پاس اسکا بھائی کسی گناہ کی معافی مانگنے کے لئے آئے تو چاہئے کہ بھائی کا عذر قبول کرے وہ بھائی سچا ہو یا جھوٹا۔ اگر عذر قبول نہ کیا تو پھر میرے حوض پر نہ آئے)

ادب نمبر 30:

سالک کو چاہئے کہ اگر کوئی پیر بھائی اس سے طاعات و منصب میں آگے بڑھ جائے تو اس سے حسد نہ کرے۔

ادب نمبر 31:

سالک کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو کسی دوسرے شیخ کی جماعت سے افضل نہ سمجھے کیونکہ وہ بھی طریقت میں اسکے بھائی ہیں۔

طریقت کے آداب

طالب صادق کو چاہئے کہ وہ طریقت کے آداب کو ہر وقت ملحوظ رکھے۔

ادب نمبر 1:

سالک کو چاہئے کہ لوگوں کی صحبت اور دنیوی تعلقات سے علیحدہ ہو جائے اور اخلاص کے ساتھ ذکر الہی میں مشغول ہو جائے۔ اسکا مطلب رہبانیت نہیں بلکہ دست بکار و دل بیار ہے۔

ادب نمبر 2.

سالک اپنے آپ کو عام لوگوں کی محفلوں سے دور رکھے تو یہ نیت کرے کہ میں لوگوں کو اپنی برائی اور ایذا رسانی سے بچاتا ہوں۔ یہ ہرگز نہ سوچے کہ میں اچھا ہوں اور لوگ برے ہیں۔ اگر ایسا سوچے گا تو مردود ہو جائے گا۔

ادب نمبر 3.

سالک کو چاہئے کہ سلوک سے رضائے الہی حاصل کرنے کی نیت ہو۔ اگر شیخ و مقتدا بننے کی نیت کرے گا تو شرک کا مرتکب ہوگا اور تباہ و برباد ہو جائے گا۔

ادب نمبر 4.

سالک کو اگر کسی منزل میں جلدی کامیابی نہ ہو تو دل تنگ نہ ہو۔ صبر اور مسکینی کو اپنائے رکھے۔

ادب نمبر 5.

سالک کے پاس اپنی حاجات سے زیادہ مال ہو تو اسے فقراء میں تقسیم کر کے آخرت کا ذریعہ بنائے۔

ادب نمبر 6.

سالک کو چاہئے کہ لذیذ طعام، لذیذ مشروبات اور لہو و لعب کو ترک کرے اور ذکر کی لذت حاصل کرنے کا طالب بنے۔

ادب نمبر 7.

سالک اپنی خوشحالی پر خوش ہو کر اترائے نہیں۔ تنگ حالی سے تنگ ہو کر گھبرائے نہیں بلکہ تقسیم الہی پر راضی رہے۔

ادب نمبر 8.

سالک اپنے اسلاف کو کبھی کم نظری اور حقارت سے نہ دیکھے۔

ادب نمبر 9.

سالک اپنے آپ کو مزامیر اور گانا بجانا وغیرہ سے بچائے اور قرآن مجید کی لذت پانے کا متمنی رہے۔

ادب نمبر 10.

سالک کو چاہئے کہ لوگوں کی تعریف کرنے اور نیک کہنے سے مغرور نہ ہو بلکہ اسے آزمائش سمجھے۔

ادب نمبر 11.

سالک اپنے آپ کو تمام مخلوق سے کم تر اور حقیر سمجھے کیونکہ مخلوق کی باطنی خوبیوں سے یہ آگاہ نہیں ہے۔

ادب نمبر 12.

سالک اگر کوئی ناشائستہ کام کر بیٹھے تو اپنے نفس کو سزا دے مثلاً اسکی مرغوبات رد کر لے اور اسے مجاہدہ و مشقت میں ڈالے۔

ادب نمبر 13.

سالک کو چاہئے کہ زمانے کے احوال اور دنیا کی باتوں کو جاننے کے لئے اخبار بنی وغیرہ سے پرہیز کرنا۔ اس سے دل میں انتشار پیدا ہوتا ہے اور قلب کی توجہ مقصود اصلی سے ہٹ جاتی ہے۔

ادب نمبر 14.

سالک کو چاہئے کہ عاجزی اور خواری میں اپنی عزت جانے اور ظاہر کی بربادی میں اپنے باطن کی آبادی سمجھے۔

س پارہ پارہ کرد درزی جامہ را
کس زندایں درزی علامہ را
(درزی کپڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر انکو حسین لباس بناتا کوئی
اس پر طعن نہیں کرتا بلکہ قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔)

ادب نمبر 15.

اگر سالک پر کوئی ظلم کرے تو یہ بدلہ لینے کا خواہاں نہ ہو بلکہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے صبر کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے کفار سے پتھر کھا کر بھی ان کے لئے دعائیں کی ہیں۔

ادب نمبر 16.

سالک کو چاہئے کہ جب بھوک لگے تب کھائے، جب نیند آئے تب سوئے۔
عادتاً کھانے اور سونے سے پرہیز کرے۔

ادب نمبر 17.

سالک کو چاہئے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرے اور نفس کے حیلوں میں نہ آئے۔

ادب نمبر 18.

سالک کو چاہئے کہ اپنی عبادت اور نیکی کی تعریف نہ کرے بلکہ دل میں پسندیدگی کا خیال بھی نہ لائے۔

ادب نمبر 19.

سالک کو چاہئے کہ کرامات کا طالب نہ ہو اگر کرامت سرزد بھی ہو جائے تو اسے اپنے عیوب کی مانند چھپائے اور اپنا امتحان سمجھے۔

ادب نمبر 20.

سالک کو چاہئے کہ اہل دنیا سے ہرگز میل جول نہ رکھے فقراء کی صحبت اختیار کرے۔

ادب نمبر 21.

سالک کو چاہئے کہ موت کو کثرت سے یاد کرے، اس سے دنیا سے بے تعلقی پیدا ہوتی ہے۔

ادب نمبر 22.

سالک کو چاہئے کہ ضروریات دین کا علم لازماً حاصل کرے اور بے علم اور جاہلوں سے دور رہے۔

ادب نمبر 23.

سالک کو چاہئے کہ سوائے اپنی زوجہ کے کسی کو بھی شہوت کی نظر سے نہ دیکھے۔

ادب نمبر 24.

سالک کو چاہئے کہ اپنے اندر اخلاق حمیدہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

ادب نمبر 25.

سالک کو چاہئے کہ رزق حلال اور صدق مقال کو اپنے فرائض میں سے

جانے۔

علم و حکمت زاید از نان حلال
عشق و رقت آید از نان حلال

(رزق حلال سے علم و حکمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ رزق حلال سے عشق و رقت حاصل ہوتی ہے)

ادب نمبر 26.

سالک کو چاہئے کہ اپنی تنگدستی اور تکلیف کو حتی الوسع کسی پر ظاہر نہ کرے
اگرچہ مخلص دوست ہی کیوں نہ ہو۔

ادب نمبر 27.

سالک کو چاہئے کہ امانت میں خیانت نہ کرے۔ منافقت سے دور رہے۔
ایسا نہ ہو کہ ظاہر میں اللہ تعالیٰ کا دوست اور باطن میں دشمن ہو۔

ادب نمبر 28.

سالک کو چاہئے کہ اپنی خوبیوں اور دوسروں کی خامیوں پر نظر نہ کرے۔



باب نمبر 9

آداب السادات

انسان کا شرف و کمال دو طرح سے ہوتا ہے ایک حسب یعنی ذاتی کمالات کی وجہ سے اور دوسرا نسب یعنی خاندانی شرافت کی وجہ سے۔ نسب کا شرف دیگر مذاہب میں بالعموم اور اسلام میں بالخصوص قابل احترام ہے۔ نسب سے ہی نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ خلافت و امارت کے لئے قریش ہونے کی تخصیص بھی شرف نسب کے باعث ہے۔ اسلاف و آباء کی شرافت اولاد کے لئے دنیا و آخرت میں عزت کا باعث ہے اور قرآن مجید و احادیث مبارکہ سے اسکی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

کتاب و سنت سے دلائل:

① سورہ کہف میں دو یتیموں کی دیوار بنانے کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کے ذریعے اسے بلا اجرت تعمیر کرا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی جو عنایت و رحمت اس کا رخبر میں کار فرما تھی اس کی وجہ قرآن مجید نے وَ تَكُنْ أَبْوَهُمَا ضَالِعًا (ان کا باپ نیک آدمی تھا) بیان فرمائی ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

نے تفسیر روح المعانی میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ صالح شخص ان بچوں کی ساتویں یا دسویں پشت کا ایک بزرگ تھا۔ گویا باپ دادا کے نیک اور شریف ہونے کا فائدہ اولاد کو پہنچا اور اسی نسبتی شرافت کے سبب اللہ تعالیٰ نے بچوں کا لحاظ و احترام فرمایا۔

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خثیمہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اولاد کے لئے وہ اس کی برکت سے اس کے بعد بھی محفوظ و مامون رہیں گے۔ پھر اسکی تائید میں حضرت خثیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ کہف کی مندرجہ بالا آیات پڑھیں۔

روح المعانی میں امام عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خارجی سے دریافت کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ سورہ کہف کے یتیموں کا مال اللہ تعالیٰ نے کیوں محفوظ رکھا؟ اس نے جواب دیا کہ باپ کی صالحیت اور نیکی کے باعث۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بخدا میرے باپ اور جد اکرم ﷺ کی صالحیت ان کے باپ کی صالحیت سے بدرجہا بہتر تھی۔

② سورۃ طور میں آیت ۲۱ میں تحریر ہے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلْتَنَّهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ

[اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان لانے میں انکی پیروی کی تو ہم (آخرت میں) ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ہی ملا دیں گے اور ان کے اپنے اعمال صالحہ کے انعامات میں سے بھی کوئی کمی نہ

کریں گے]

اس آیت کی تفسیر کے تحت روح المعانی میں کئی محدثین اور مفسرین کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو بہشت میں ان کے ہمراہ اسی درجہ و مقام میں رکھیں گے تاکہ اس مومن کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرف نسب ہی کا احترام اور لحاظ ہے۔

③ نسب شرف قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرُّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبِيدِينَ (الزخرف: ۸۱)

(آپ فرمادیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اسکی عبادت کرتا)

صحابہ کرامؓ اور سادات کا ادب:

① حضرت یزید بن حیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور حصین بن سبرہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن مسلم رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ جب ہم ان کے پاس بیٹھ گئے تو حصین رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اے زیدؓ آپ نے بہت کچھ بھلائیاں دیکھی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی زیارت سے آپ مشرف ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کی حدیثیں آپ نے سنیں۔ آپ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ بے شک اے زیدؓ آپ نے خیر کثیر جمع کر لی ہم سے وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے نبی اکرم ﷺ سے سنی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے برادر زادہ! میری عمر زیادہ ہوگئی۔ عرصہ دراز گزر گیا میں بعض وہ باتیں بھول گیا ہوں جن کو میں نے حضور اکرم ﷺ سے یاد کیا تھا۔ پس جو کچھ

میں تم سے بیان کروں اسکو مان لو اور جو کچھ بیان نہ کروں تو اسکی مجھے تکلیف نہ دینا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں میں خطبہ دینے کے لئے اس پانی کے کنارے کھڑے ہوئے جس کو خم کہا جاتا ہے اور جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور وعظ و نصیحت فرمائی پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔

اما بعد! اے لوگو! میں بشر ہوں اور قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد بلانے کے لئے آئے اور اسکا کہا مان لوں۔ میں تم لوگوں میں دو بھاری بھر کم چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ان میں سے پہلی چیز کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت ہے نور ہے۔ تم اللہ کی کتاب لو اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کتاب اللہ (کے عمل) پر آمادہ کیا اور اسکے بارے میں رغبت دلائی۔ اس کے بعد فرمایا (دوسری چیز) میرا گھرانہ ہے میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا یاد دلاتا ہوں۔

یہ سن کر حمینؑ نے پوچھا اے زیدؑ! آپ ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ ﷺ کے اہل بیت نہیں ہیں۔ حضرت زیدؑ نے فرمایا آپ ﷺ کی ازواج تو اہل بیت ہی میں سے ہیں تاہم آپ ﷺ کے اہل بیت وہ لوگ ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد جن پر صدقہ کا مال حرام کر دیا گیا۔ حمینؑ نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا حضرت علیؑ، حضرت عقیلؑ، حضرت جعفرؑ، حضرت عباسؑ اور ان کی اولادیں ہیں۔ حمینؑ نے پوچھا ان سب پر صدقہ کا مال لینا حرام کر دیا گیا۔ حضرت زیدؑ نے کہا ہاں۔ (مسلم شریف: ج ۲، ص ۲۷۹)

② حضرت ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اپنے اصحاب میں تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے پہلو میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔ سامنے سے حضرت عباسؓ آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے جگہ دی۔ وہ حضرت ابوبکرؓ اور آپ ﷺ کے درمیان سامنے ہی بیٹھ گئے۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ "اہل فضل کی فضیلت اہل فضل ہی جانتا ہے" پھر آپ ﷺ حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے باتیں کرنے لگے اس دوران میں نبی اکرم ﷺ نے اپنی آواز انتہائی پست کی۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو کوئی تکلیف ہوگئی ہے جسکی میرے دل میں بڑی کھٹک ہے۔ حضرت عباسؓ آپ ﷺ کے پاس برابر بیٹھے رہے۔ جب آپ ﷺ نے ان کی ضرورت رفع کر دی۔ وہ چلے گئے۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ کو ابھی کوئی تکلیف ہوگئی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کی آواز انتہائی پست ہوگئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبریلؑ نے مجھے حکم دیا کہ جب حضرت عباسؓ آئیں تو میں اپنی آواز کو انتہائی پست کر لوں جیسا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی آوازوں کو میرے پاس پست کرلو۔ (ابن عساکر: کذا فی الکونج ۷، ص ۶۸)

③ ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اپنے اپنے دور خلافت میں جب کبھی حضرت عباسؓ سے ملتے اور یہ سوار ہوتے تو اپنی سواری سے حضرت عباسؓ کے لئے اتر جاتے اور اس سواری کی لگام پکڑ کر حضرت عباسؓ کے ساتھ پیدل چلتے۔ یہاں تک کہ حضرت عباسؓ

اپنے مکان یا اپنی مجلس پر پہنچ جاتے تو یہ جدا ہوتے تھے۔

(ابن عساکر: کذابی الکفرج ۷، ص ۲۹)

[4] حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان واقعات میں سے جن پر لوگ راضی ہو گئے ایک یہ ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو کسی جھگڑے میں سزا دلوائی۔ جس نے اس قضیہ میں حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ کی توہین کی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس سزا کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے چچا کی تعظیم کریں اور میں ان کے چچا کی توہین کئے جانے پر رخصت دے دوں۔ جو آدمی اس کام پر راضی ہو بے شک اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ چنانچہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس بات سے راضی ہو گئے۔ (خرج سیف و ابن عساکر: کذابی الکفرج ۵، ص ۲۱۳)

[5] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب چاروں طرف سے گھیرے ہوئے بیٹھے تھے۔ کہ اتنے میں سامنے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور کھڑے ہو کر مجلس میں بیٹھنے کی جگہ دیکھنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھا کہ ان میں سے کون ان کیلئے جگہ میں گنجائش دیتا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے وہ اپنی جگہ سے کھسکے اور فرمایا اے ابوالحسن! یہاں آ جائیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے درمیان بیٹھ گئے۔ تو ہم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک انتہائی خوش ہوا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے ابو بکر۔ "اے فضل ہی سے فضیلت ظاہر ہوتی ہے"۔ (کذابی البدایہ ج ۷، ص ۳۵۸)

[6] حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ

نماز عصر پڑھ کر حضور اکرم ﷺ کی وفات کے چند راتوں بعد نکلا۔ حضرت علیؓ ان کے پہلو کے برابر چل رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کا گزر حضرت حسن بن علیؓ پر ہوا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ازراہ محبت و شفقت ان کو اپنی ران پر بٹھالیا اور فرمانے لگے۔

بَابِي شَبِيْهَ النَّبِيِّ ﷺ - لَيْسَ شَبِيْهَ بَعْلِيْ

(میرے باپ کی قسم۔ تو نبی اکرم ﷺ کے مشابہ ہے اور حضرت علیؓ کے مشابہ نہیں ہے)

وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ (حضرت علیؓ ص یہ سن کر ہنس پڑے)

(بخاری: ج ۱، ص ۵۳۰)

⑦ حضرت عمیر بن اسحاقؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو دیکھا کہ وہ حضرت حسنؓ سے ملے اور کہا کہ اپنے پیٹ سے کرتا ہٹاؤ۔ جس جگہ کا میں نے رسول اکرم ﷺ کو بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے انہوں نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس جگہ کا بوسہ لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ انکی ناف کا بوسہ لیا۔ (قال الشیخی جلد ۹ ص ۱۷۷۔ اخرجہ احمد)

⑧ شفاء مصنفہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ حضرات حسین کریمین رضی اللہ عنہما کو محبت و احترام سے اپنے کندھوں پر اٹھایا کرتے تھے۔

⑨ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے والد ابو قحافہؓ کے ایمان لانے پر اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ حضرت عباسؓ کے ایمان لانے پر ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا وہ کیوں؟ عرض کیا کہ ابو قحافہؓ کے ایمان لانے سے مجھے خوشی ہوئی اور

حضرت عباس ؓ کے ایمان لانے سے آپ ﷺ کو خوشی ہوئی اور مجھے اپنی خوشی پر آپ ﷺ کی خوشی مقدم ہے۔

[10] بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو بکر ؓ فرمایا کرتے تھے کہ اُرْقُبُوا مُحَمَّدًا فِيْ اَهْلِ بَيْتِهِ (اے مسلمانو! نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت کے معاملے میں نبی اکرم ﷺ کا لحاظ و احترام ملحوظ رکھو) نیز فرمایا "مجھے اپنی قرابت سے نبی اکرم ﷺ کی قرابت زیادہ عزیز ہے" (بخاری: ج ۱، ص ۵۳۰)

[11] ابن عساکر میں اور تاریخ اسلام مؤلفہ شاہ معین الدین احمد ندوی میں تحریر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نبی اکرم ﷺ کے تمام متعلقین کا پاس و لحاظ اپنی اولاد سے بھی زیادہ کرتے تھے۔ جب وظائف مقرر کرنا چاہے تو اکابر صحابہ ؓ کی رائے تھی کہ بحیثیت امیر المومنین آپ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر ؓ نے انکار کیا اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ قرب و بعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کئے۔ چنانچہ سب سے پہلے بنو ہاشم اور اس میں سے حضرت علی ؓ اور حضرت عباس ؓ کو مقدم رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھیں۔ اگرچہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما ان میں سے نہ تھے مگر نبی اکرم ﷺ کی ذریت کے تعلق سے ان کی تنخواہیں بھی بدری صحابہ ؓ کے برابر مقرر کیں۔

نبی اکرم ﷺ کے غلام حضرت زید ؓ کے صاحبزادے اسامہ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے زیادہ مقرر کی حالانکہ لوگوں کی نظر میں وہ زیادہ ذی قدر تھے۔ ان ہر دو معاملات میں حضرت عبداللہ ؓ نے حکمت دریافت کی تو فرمایا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی والدہ جیسی والدہ ان کے باپ جیسا باپ اور ان کے نانا جیسا نانا لاؤ اور پھر ہمسری کا دعویٰ کرو۔ حضرت اسامہ ؓ کے معاملے میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ اسامہ ؓ کو تجھ سے

اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

سلف صالحین اور سادات کا ادب:

① نور الابصار میں تحریر ہے کہ حضرت امام حسن ؓ کے پوتے حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کسی کام سے خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے تو خلیفہ نے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات کو کوئی کام ہو تو مجھے رقعہ بھیجا کریں۔ مجھے اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے شرم آتی ہے کہ آپ میرے پاس کوئی حاجت لے کر آئیں۔

② مدارج میں تحریر ہے کہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کو جب عباسی خلیفہ کے حکم پر کوڑے لگائے گئے تو انہوں نے ہوش میں آتے ہی فرمایا "لوگو! گواہ رہنا کہ میں نے اس ظلم کو معاف کیا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ روز محشر میری وجہ سے نبی علیہ السلام کے چچا کی اولاد کا کوئی فرد باز پرس کے لئے روکا جائے "

③ "تاریخ الخلفاء" اور "سیرۃ النعمان" میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ منصور عباسی نے صرف اس وجہ سے قید میں ڈال کر زہر دلوایا تھا کہ انہوں نے سید محمد نفس زکیہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں عباسیوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ پھر چار ہزار دینار بطور امداد روانہ فرما کر تحریر کیا تھا کہ اگر کچھ لوگوں کی امانتیں میرے پاس قابل واپسی نہ ہوتیں تو ضعیف العمر ہونے کے باوجود شہادت کی امید لے کر خود جہاد میں شریک ہوتا۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً اسی سال کی تھی۔ سید سلیمان ندوی نے "حیات مالک" میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قسم کا فتویٰ دیا تھا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حب اہل بیت کے واقعات بہت مشہور ہیں۔

④ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے "المناقب" میں اہل بیت کی

فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں۔ ”صواعقِ محرقہ“ میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کسی سید زادے کو دیکھ پاتے تو فوراً تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

⑤ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ”فتوحات مکیہ“ میں آیت تطہیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام سادات بنو فاطمہؑ ازواجِ مطہرات اور حضرت سلمان فارسیؓ کی طرح اور لوگ بھی جو اہل بیت میں شمار کئے جاتے ہیں سب آیت تطہیر کے بموجب حکم مغفرت میں داخل ہیں۔ وہ ظاہر و مطہر ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی عنایت کا نتیجہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کے اہل پر ہے۔ کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ ان حضرات کی مذمت کرے جس کی پاکیزگی اور برائی سے تحفظ کی خود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے۔ یہ فضل و کرم ان کے کسی عمل خیر کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے نسب کی وجہ سے محض عنایت ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔

⑥ امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ”لطائف المنن“ میں حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل اہل بیت سے متعلق دو اشعار نقل کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْدِلْ بِأَهْلِ الْبَيْتِ خَلْقًا
فَأَهْلُ الْبَيْتِ هُمْ أَهْلُ السِّيَادَةِ
فَبُغْضُهُمْ مِنَ الْإِنْسَانِ خُسْرٌ
حَقِيقِي وَ خُبْرُهُمْ عِبَادَةٌ

(اہل بیت نبی اکرم ﷺ کے برابر کسی کو مت سمجھو۔ اہل بیت ہی اہل سیادت ہیں۔ ان کا بغض انسان کیلئے حقیقی خسارہ ہے اور ان کی محبت بڑی عبادت ہے)

پھر لکھتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں اولاد رسول ﷺ کے ادب اور تعظیم و تکریم کو لازم سمجھتا ہوں۔ خواہ ان کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ کیونکہ برے اعمال کی وجہ سے شرف نسب میں کمی نہیں آتی۔

⑦ حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بیوہ سیدہ کی شکایت پر انہوں نے مندرجہ ذیل رباعی سلطان علاؤ الدین غلجی کو لکھ کر بھیجی تھی۔

سادات افضل اندو بود وصف شاں جلی
اولاد مرتضیٰ و جگر گوشہ نبی
بر فعل شاں نظر مکن اے خرز جاہلی
الصالحون لله و الطالحون لی

[سادات افضل ہیں اور افضل تھے ان کی شان بہت واضح ہے یہ حضرت علی علیہ السلام اور جگر گوشہ رسول اللہ ﷺ (فاطمہؑ) کی اولاد ہیں۔ اے بے خبران کے کاموں پر نظر (تعمید) نہ کر نیک اللہ کے لئے ہیں اور گنہگار میرے لئے ہیں۔]

⑧ ایک اہم بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ عوام الناس کو سادات کے ادب کا خوب خیال رکھنا چاہئے۔ ان سے محبت کو محبت رسول اللہ ﷺ کی ہی ایک شاخ سمجھنا چاہئے۔ ان کو ہدایا اور تحائف دینا اور انکی دیگر ضروریات کا از خود خیال رکھنا چاہئے۔ یہ تصویر کا ایک رخ ہے دوسرا رخ یہ ہے کہ سادات کی نسبت رکھنے والے حضرات کو فسق و فجور سے دور رہنا چاہئے۔ ان کی نسبت نبی اکرم ﷺ سے قربت داری کی ہوتی ہے۔ پس ان کا احکام شریعت کی خلاف ورزی کرنا نبی اکرم ﷺ کیلئے ایذا کا سبب ہوگا۔ روز محشر اپنے عہد امجد کو کیا منہ دکھائیں گے۔

اگر نبی اکرم ﷺ نے روزِ محشر یہ فرما دیا کہ عوام الناس نے تو میری سنتوں کو چھوڑا
 تھا میرے طریقوں سے منہ موڑا ہی تھا۔ تم تو میرے اپنے تھے تم نے میری باتوں
 کو کیوں ٹھکرا دیا۔ تو سوچئے کتنی ندامت و شرمندگی ہوگی۔ دنیا میں چار آدمیوں
 نے تعظیم و ادب کا مظاہرہ کر بھی دیا تو کیا فائدہ اگر اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کے
 سامنے عزت نہ ملی۔ آخرت کی ذلت و رسوائی سے اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت
 فرمائے۔



باب نمبر 10

آداب معاشرت

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں آداب کی خصوصیات پر نہایت عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ جسکا خلاصہ درج ذیل ہے۔

تمام متمدن ملکوں کے باشندوں نے خورد و نوش، نشست و برخاست اور وضع و لباس وغیرہ کے متعلق اجتماعی معاشرتی حالات میں چند آداب کی پابندی کا لحاظ ضروری رکھا ہے۔

■ بعض لوگوں نے انکی بنیاد حکمت طبعی کے قواعد پر رکھی ہے اور ان آداب

کو اختیار کیا ہے جو طب اور تجربہ کی رو سے مفید ہیں۔

■ بعض لوگوں نے ان کو مذہبی اصول پر قائم کیا ہے اور انمیں اپنے مذہب

کی پابندی کی ہے۔

■ بعض لوگوں نے اس معاملہ میں اپنے بادشاہوں، حکیموں اور راہبوں کی

تقلید کی ہے۔

■ ان کے علاوہ اور بھی اصول و قواعد ہیں جن میں بعض مفید اور بعض مضر

ہیں اور بعض میں نفع نقصان کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لئے جو مفید تھے وہ اس

قابل تھے کہ انکی پابندی کا حکم دیا جائے جو مضرت تھے انکی ممانعت کی جائے اور جن میں نفع نقصان کچھ نہ تھا وہ اپنی اباحت کی حالت میں قائم رکھے جائیں۔ شریعت نے ان آداب میں امور ذیل کا خیال رکھا۔

① بعض اوقات انسان ان آداب کی پابندی کے وقت اللہ سے غافل ہو جاتا ہے شریعت نے ان آداب سے پہلے اور ان کے ساتھ اور ان کے بعد چند دعائیں مسنون کر دیں جو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتی ہیں۔

② بعض افعال اور اشکال شیطانوں کے مزاج سے مناسبت رکھتے ہیں مثلاً ایک جو تاپہن کر چلنا، بائیں ہاتھ سے کھانا وغیرہ اس لئے شریعت نے انکی ممانعت کر دی۔ بعض ایسی باتیں ہیں جو فرشتوں سے مناسبت رکھتی ہیں مثلاً گھر میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت دعا پڑھنا۔ اسی لئے شریعت نے انکی ترغیب دی ہے۔

③ بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے بعض اوقات تکلیف پہنچتی ہے مثلاً ایسی چھت پر سونا جس پر کوئی آڑ نہ ہو یا سوتے وقت چراغ جلنے رکھنا۔ ان سے بھی شریعت نے منع کر دیا۔

④ بعض آداب ایسے ہیں کہ جن سے عجیبوں کے عیاشانہ تمدن کی مخالفت مقصود ہے مثلاً ریشم پہننا مردوں کے لئے۔ تصویر دار کپڑے لٹکانا یا چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا پینا۔ پس اسکی بھی ممانعت کر دی۔

⑤ بعض چیزیں وقار اور تمدن کے منافی ہوتی ہیں اور انسان کو وحشیوں اور جنگیوں میں شامل کر دیتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان سے بھی ممانعت فرما دی تاکہ افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کی راہ نکل آئے۔

اس تفصیل کو پیش نظر رکھنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا کی تمام مہذب

قوموں کے اجتماعی اور معاشرتی آداب کی بنیاد جن اصولوں پر قائم تھی، اسلام کے احکام میں اور نبی اکرم، کے فرمان میں وہ سب آداب ملحوظ ہیں۔ مذہبی، اخلاقی، طبی غرض ہر قسم کے فوائد و منافع ان آداب میں موجود ہیں۔ گویا ان آداب کی پیروی کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا، نبی اکرم ﷺ کی اتباع، روح و جسم کی پاکیزگی، گھر کی صفائی، اخلاق کی بلندی معاشرت کی اچھائی، صحت کی حفاظت و ترقی، بزرگوں کے آزمودہ اصول کار اور طریق زندگی کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ ان سب کے مجموعے کا نام ”اسلامی آداب معاشرت“ ہے۔ اسلام نے ان آداب میں بڑی چمک رکھی ہے۔ ان میں جو اصلی اور بنیادی باتیں ہیں انکی تو قرآن مجید اور حدیث نبویہ میں پوری تاکید کردی ہے۔ اس تاکید سے انکی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض امور ایسے ہیں کہ جو وقتی مصلحت اور ملکی معاشرت اور زمانہ کے حالات بدلنے سے بدل سکتے ہیں۔ ایسے آداب کے لئے اسلام میں نہ زیادہ تاکید کی گئی ہے اور نہ ہی ان کو چھوڑنے پر وعید فرمان گئی ہے۔ فقط انکی دنیوی مصالح اور فائدے بتا دیئے گئے ہیں۔ پس ان میں اگر ایسا تغیر کیا جائے جس سے اصل مقصد فوت نہ ہو بلکہ انکی خوبیاں اور زیادہ بڑھ جائیں تو برا نہیں۔ مثلاً ہاتھ دھونے کے لئے مٹی کی جگہ صابن استعمال کرنا، تولیہ کام میں لانا، چھری سے گوشت کاٹنا، پلیٹیں گلاس وغیرہ الگ الگ ہونا وغیرہ۔ اس کی پوری اجازت ہے۔ لیکن اس اجازت کے باوجود ایک مرتبہ عشق اور محبت کا ہے۔ جو لوگ اس راہ سے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا عزم رکھتے ہوں ان کے لئے زمانہ کیسا ہی بدل جائے انکی نظر میں وہی ادائیں محبوب ہیں جو محبوب ﷺ سے نسبت رکھتی ہیں۔ یہی کمال ایمان کی نشانی ہے اور اسی جذبے سے آداب معاشرت کی پابندی کرنے میں مزا ہے۔ عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے۔

آدابِ طعام

مومن اگر اس نیت سے کھانا کھائے کہ مجھے اس سے جو قوت حاصل ہوگی میں اس سے اعمالِ صالحہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کروں گا تو کھانا پینا بھی عبادت بن جاتا ہے۔ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (البینہ: ۵)

(اور ان کو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی عبادت کریں خاص کر کے)

حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لکھا، ”اے عمر! یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ بندے کی نیت کے بقدر اس کا مددگار ہے۔ جس کی نیت کامل ہے اسکے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد بھی کامل ہے اور جس کی نیت ناقص ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ناقص ہوگی“

حسن نیت بھلائی کا مقدمہ ہے کئی چھوٹے عمل ایسے ہیں جن کو نیت بڑا بنا دیتی ہے اور کئی بڑے عمل ایسے ہیں جن کو نیت چھوٹا بنا دیتی ہے۔ بعض علماء کا فرمان ہے ”عمل سے پہلے عمل کی نیت چاہو“ جب تک تو بھلائی کی نیت رکھے تو بھلائی پر ہے۔ بنی اسرائیل کا ایک آدمی قحط کے زمانے میں ریت کے ایک ٹیلے کے پاس سے گزرا تو اس نے دل میں کہا، کاش! میرے پاس اس ریت کے برابر آنا ہوتا تو میں اسے لوگوں میں تقسیم کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اس شخص سے کہہ دو کہ میں نے تیرا صدقہ قبول کر لیا اور تیری نیک نیتی کی قدر کی اور تجھے اس قدر ثواب عطا کر دیا کہ جیسے تو نے ریت کے برابر کھانا

صدقہ کیا۔

سلف صالحین بر عمل سے پہلے نیت کو درست کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک آدمی گھر کی چھت پر بیٹھا بال بنار باتھا کہ اس نے بیوی کو آواز دی کہ میری کنگھی لانا۔ بیوی نے پوچھا کہ آئینہ بھی لے آؤں۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہا، ہاں۔ بیوی نے پوچھا کہ آپ خاموش کیوں رہے اور آئینے کے پارے میں توقف کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے ایک نیت کے ساتھ آپ کو کنگھی لانے کے لئے کہا تھا۔ جب آپ نے آئینے کے متعلق پوچھا تو میری کوئی نیت نہ تھی میں نے توقف کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نیت عطا فرمائی۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے ”قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب وہ ہوگا جس کا فاقہ پیاس اور غم دنیا میں طویل مدت تک رہا، اگر وہ غائب ہو جائیں تو لوگ تلاش نہ کریں، جب رات کو لوگ بستر بچھا لیتے ہیں تو وہ رب کے حضور پیشانیاں اور گھٹنے بچھا لیتے ہیں اور جب زمین انہیں کھوتی ہے تو روتی ہے۔ جب تو ان کو کسی شہر میں دیکھے تو جان لے کہ یہ اس شہر میں ایمان کی علامت ہیں۔“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”صوف پہنو، پانچے اوپر رکھو، نصف پیٹ کی حد تک کھاؤ، تم ملکوت سماوی میں داخل ہو جاؤ گے“

حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ٹرید اور گوشت کھا کر ڈکار لیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا ڈکار ہم سے روک رکھو۔ تم میں دنیا سے زیادہ سیر ہونے والا قیامت کے دن زیادہ بھوکا ہوگا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مومن اس ننھی بکری کی طرح ہے جس کو ایک پھیلی گھاس، ایک مٹھی بھر جھوٹا اور

ایک گھونٹ پانی کافی ہوتا ہے۔ سیدہ عائشہؓ نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے پہلی بدعت سیر ہو کر کھانے کی ظاہر ہوئی۔ جب لوگوں کے پیٹ بھر جاتے ہیں تو وہ دنیا کی جانب بھر پور میلان کرنے لگتے ہیں۔ بعض علماء کا فرمان ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھرا ہوا پیٹ سب سے مبغوض چیز ہے چاہے وہ حلال سے بھرا ہوا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ ابن آدم نے پیٹ سے زیادہ برا برتن نہیں بھرا۔ ایک روایت میں ہے بنی آدم کو چند لقمے کافی ہیں کہ کمر سیدھی کر لے۔ حضرت عمرؓ کے بارے مشہور ہے کہ وہ سات لقمے کھایا کرتے تھے۔ بعض مشائخ سے مروی ہے کہ جو آدمی صرف گندم کی روٹی کھائے اور ادب کے ساتھ کھائے وہ مرض موت کے سوا کسی مرض میں مبتلا نہ ہوگا۔ پوچھا گیا کہ ادب کیا ہے؟ فرمایا کہ بھوک کے بعد کھائے اور پیٹ بھرنے سے پہلے ہاتھ اٹھائے۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ وہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے، ”فاقہ کے سوا کوئی صاف نہ ہوا۔ فاقہ کے بغیر کوئی پانی پر نہ چلا۔ فاقہ کے بغیر کسی کو طے الارض نصیب نہ ہوا۔“

خلیفہ منصور کا حکیمانہ جواب:

ایک مرتبہ شاہ ہند نے خلیفہ منصور کی طرف کچھ تحائف بھیجے۔ ان کے ہمراہ ایک فلسفی طبیب کو بھی بھیجا۔ طبیب نے خلیفہ منصور سے کہا: اے امیر المومنین! میں آپ کی خدمت میں تین دوائیں پیش کرتا ہوں: یہ دوائیں صرف بادشاہوں کے لئے بنائی جاتی ہیں اور وہ انکی بہت قدر کرتے ہیں۔

منصور نے پوچھا وہ کیا ہیں؟

طبیب نے کہا: ”میں آپ کی ریش پر ایسا خضاب لگاؤں گا کہ سیاہی کبھی نہ اترے گی۔“

خلیفہ نے پوچھا ”دوسری دوا کیا ہے؟“
طیب نے کہا ”میں آپ کو ایسی دوا دوں گا کہ آپ خوب کھا سکیں گے اور بد ہضمی نہ ہوگی۔“

خلیفہ منصور نے پوچھا ”تیسری دوا کیا ہے؟“
طیب نے کہا ”میں آپ کی پشت ایسی مضبوط کر دوں گا کہ آپ جس قدر چاہیں جماع کریں تھکا وہٹ اور کمزوری نہ ہوگی۔“
خلیفہ نے تھوڑی دیر سر نیچے کیا اور پھر سر اٹھا کر کہا،

میں سمجھتا تھا کہ تم عقلمند ہو لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ سیاہ بالوں کی مجھے ضرورت نہیں۔ بڑھا پا ایک وقار اور ہیبت ہے اور میں اپنے چہرے میں پیدا کئے ہوئے اللہ کے نور کو سیاہی کی ظلمت سے نہ بدلوں گا۔ کثرت طعام سے بدن بوجھل ہوتا ہے اور غفلت پیدا ہوتی ہے۔ ربی عورتوں کی بات تو شہوت جنون کی ایک شاخ ہے اس کا حد سے زیادہ ہونا برا ہے۔ پس جہاں سے آیا ہے ناکام و نامراد ہو کر لوٹ جا۔ مجھے تیری دواؤں کی ضرورت نہیں ہے۔

حلال غذا اور اسکے آداب:

غذا میں سب سے ضروری ادب یہ ہے کہ وہ حلال ہو۔ اسکی تین علامات ہیں۔

① کھانا ایک معروف چیز ہو۔ کسی ایسی چیز کا اختلاط نہ ہو جو شبہ میں ڈال دے۔

② اس کا سبب مباح ہو یعنی کھانا کسی ممنوع ذریعے سے نہ آیا ہو۔ ظلم اور خیانت کا نہ ہو۔

③ احکام سنت کے مطابق: بوجہ غات اور رسومات کا کھانا نہ ہو۔

④ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حلال اور عمدہ کھانے کا عمل پر مقدم فرمایا۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبِ وَ اغْتَلُوا الصَّالِحَا (مؤمنون: ۵۱)

(کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے اور نیک عمل کرو)

حضرت سہلؒ فرماتے تھے

”جو کھانے کے آداب نہیں بجالا تا وہ عمل کے آداب بھی بجا نہیں لاتا“

حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ”اگر ایک آدمی کسی بستی میں جائے اور وہاں اسکو مشتبہ چیزیں ملیں حلال میسر نہ ہو وہ بھوکا رہے اور فاقہ سے رات گزارے تو اس ساری بستی والوں کے سارے اعمال کے برابر اسکے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔“ ایک دوسرے بزرگ فرماتے تھے۔ جس نے طلب حلال کے لئے اپنے آپ کو تواضع میں ڈالا اس کے گناہ اس طرح جھڑ گئے جیسے موسم سرما میں درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

ایک قول ہے کہ جس نے حرام کا ایک لقمہ کھایا اسکے قلب میں چالیس دن تک قساوت رہتی ہے۔

کھانے پینے کے آداب:

سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا

④ کھانے کی برکت ہے کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو کرنا (یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا)۔

ایک روایت میں ہے کہ کھانے سے پہلے وضو کرنا فقر کو ختم کرتا ہے اور کھانے کے بعد وضو کرنا کم (چھوٹے گناہوں) کو دور کرتا اور بصارت کو درست کرتا ہے۔

② جب کھانا کھانے لگو تو جوتے اتار دو اس سے تمہارے قدموں کو آرام ملے گا۔ (داری)

③ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ دسترخوان بچھا کر کھانا کھاتے تھے۔ (بخاری)

زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا سنت ہے۔ اونچے خوانوں یعنی میزوں پر کھانا مکروہ ہے۔ حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں ”نبی اکرم ﷺ نے کبھی خوان میں نہیں کھایا اور نہ کبھی چنگیر میں“۔ پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کس پر کھایا کرتے تھے؟ فرمایا دسترخوان پر۔

④ نبی اکرم ﷺ کے پاس جب کھانا آتا تو آپ ﷺ اسے زمین پر رکھتے اور دونوں پاؤں کے بل بیٹھ کر تناول فرماتے۔ فرمایا کرتے میں سہارا لگا کر کھانے والا نہیں۔ پاؤں کی پشت پر بیٹھتے اور دائیں ٹانگ کھڑی کر لیتے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

”میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا، میں بندہ ہوں، غلاموں کی طرح (خاکساری سے) کھاتا ہوں۔“

بیٹھنے کی مسنون صورتیں تین ہیں۔ بائیں پاؤں کی پشت پر بیٹھنا اور دائیں ران کھڑی کر لینا۔ یا دونوں پاؤں کی پشت پر بیٹھنا یعنی دوزانو بیٹھنا۔ اگر جگہ کم ہو تو اکڑوں بیٹھنا۔ حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اکڑوں بیٹھے کھجوریں تناول فرما رہے ہیں۔ دونوں پنڈلیاں کھڑی کر کے

قدموں پر بیٹھنے کو اکڑوں کہتے ہیں۔ ابو داؤد شریف کی روایت ہے کہ ایک مجلس میں کھانے والے زیادہ ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ اس میں تواضع بھی ہے اور اہل مجلس کی رعایت بھی ہے کہ دوسروں کے لئے زیادہ جگہ نکل آتی ہے۔

⑤ حضرت حذیفہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا کہ ہم سونے چاندی کے برتن میں کھائیں پیئیں۔ (بخاری و مسلم)

⑥ ایک روایت میں ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے پاس سے کھاؤ۔ (بخاری و مسلم)

کھانا پینا انسانی زندگی کی بقا اور جسم کے قیام کا اصلی ذریعہ ہے۔ اس قدر اہم کام اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر شروع نہ ہونا چاہئے۔ پس کھانا شروع کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لیں

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی بَرَکَتِ اللّٰهِ
(اللہ کے نام اور اس کی برکت کے ساتھ)

صحابہ کرامؓ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے دسترخوان پر اکٹھے تھے۔ ایک بدو آیا اور کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک لونڈی نے ہاتھ ڈالنا چاہا۔ آپ ﷺ نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے شیطان اس کو اپنے لئے جائز کر لیتا ہے۔

⑦ ایک روایت میں ہے کہ آپس میں ایک ساتھ مل کر کھایا کرو اور اللہ کا نام لیکر کھاؤ کیونکہ اس میں تمہارے لئے برکت ہوگی۔ (ابوداؤد)

سب کامل کر ایک ساتھ کام کرنا تمدن کی بنیاد اور حسن معاشرت کا ذریعہ

ہے۔ نبی اکرم ﷺ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ اہل خانہ یا دوست احباب کھانا ایک ساتھ مل کر کھائیں۔ قرآن مجید میں بھی مل کر کھانے کو الگ الگ کھانے پر مقدم کیا گیا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک تو محبت بڑھتی ہے دوسرا کھانا زیادہ ضائع نہیں ہوتا۔ کوئی تھوڑا کھاتا ہے کوئی زیادہ کھاتا ہے سب مل کر برابر ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص کو تھوڑی بہت ہر چیز مل جاتی ہے۔ اس سے گھروالوں کا ایثار ثابت ہوتا ہے۔ گھر کے مالک کا شخص اور امتیاز جو غرور کی نشانی ہے، مٹتا ہے تو اضع اور خاکساری پیدا ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا کہ ہم کھاتے ہیں مگر آسودہ نہیں ہوتے۔ فرمایا غالباً تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں۔ فرمایا، تم ایک ساتھ کھاؤ اور بسم اللہ پڑھ لو تو برکت ہوگی۔

حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب تم دسترخوان پر اپنے بھائیوں کے ہمراہ بیٹھو تو نشست طویل کرو۔ اسلئے کہ تمہاری عمروں میں یہ ایسی گھڑی ہے جس پر حساب نہ ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ فرشتے اس وقت تک تم میں سے ہر ایک کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں جب تک اس کے سامنے دسترخوان بچھا ہوا ہے حتیٰ کہ اسے اٹھا دیا جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر وہ خرچ جو اپنی ذات پر یا اہل خانہ پر کرتا ہے اسکا حساب ہوگا البتہ اگر اپنے بھائیوں کو دعوت پر بلائے تو اللہ تعالیٰ اس سے باز پرس کرنے سے حیا فرماتا ہے۔

بعض علمائے فرائض سے مروی ہے کہ جب وہ اپنے بھائیوں کو دعوت پر بلائے۔

توان کے سامنے وسیع دسترخوان پر کھانے اور پھل رکھتے۔ ان سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا ”ہمیں رسول اللہ ﷺ سے روایت پہنچی ہے کہ جب مسلمان بھائی کھانے سے ہاتھ اٹھالیں تو باقی بچے ہوئے کھانے پر حساب نہ ہوگا“ ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان بھائیوں کا بچا ہوا کھانا ہم اور ہمارے اہل خانہ کھائیں تاکہ اس کا حساب کتاب نہ ہو۔

بعض سلف سے روایت ہے کہ بندہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ جو کھاتا ہے اس پر محاسبہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ جماعت میں مل کر کھانا کھاتے تھے اور تنہائی میں کھانے سے پرہیز کرتے۔

ایک روایت میں ہے کہ تین کھانوں کا محاسبہ نہیں ہوتا۔ ایک سحری کا کھانا دوسرا افطاری کا کھانا اور تیسرا جس کھانے کو کئی لوگ مل کر کھائیں یا جس کھانے میں چھوٹا بچہ شریک ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ افضل ترین کھانا وہ ہے جس پر کثرت سے ہاتھ پڑیں۔
 ⑧ کھانا ٹیک لگا کر یا بغیر عذر کے لیٹ کر نہیں کھانا چاہئے۔ یہ طبی حیثیت سے بھی مضر ہے۔ اس طرح غذا معدہ میں اچھی طرح با آرام نہیں پہنچتی۔ مزید برآں یہ متکبرین کی علامت ہے۔
 ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ فیک لگا کر نہیں کھاتے تھے۔

(بخاری)

⑨ اگر کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھول جائیں تو یاد آنے پر "بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلُهُ وَاٰخِرُهُ" پڑھ لیں۔ (ترمذی)
 ⑩ ایک روایت میں ہے کہ بائیں ہاتھ سے ہرگز نہ کھاؤ نہ پیو کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے۔ (مسلم)

انسان کو اپنی ضرورت کے تحت پاک و ناپاک چیزوں میں ہاتھ ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ صفائی کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں ہاتھ الگ الگ کاموں کے لئے خاص کر دئے جائیں۔ شرع شریف میں سب اچھے کاموں کے لئے دائیں ہاتھ کو اور دفع نجاست وغیرہ کے لئے بائیں ہاتھ کو خاص کر دیا گیا۔ اس تخصیص میں ایک لمبی اور فطری مصلحت بھی ہے۔ انسان کے زیادہ تر کام فطرتاً پاک اور مباح ہوتے ہیں۔ دفع نجاست وغیرہ کے کام کبھی کبھی ہوتے ہیں۔ اسلئے زیادہ تر کاموں کے لئے دائیں پہلو کو خاص کر دیا گیا جدھر قلب نہیں ہے۔ حکمت یہ ہے کہ کام کے ہچکولوں اور جھکوں سے قلب کو زیادہ صدمہ نہ پہنچے۔ اسی لئے فطرتاً داہنے ہاتھ میں طاقت، چستی اور پھرتی زیادہ ہوتی ہے۔ انسان طبعاً اکثر کام دائیں ہاتھ سے کرتے ہیں۔ بایں ہاتھ صرف اس کی مدد کے لئے لگاتے ہیں۔ پس کھانا پینا بھی دائیں ہاتھ سے چاہئے۔ شریعت نے اچھے کاموں کے لئے یمنین کو یار پر مقدم کیا ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دودھ پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ کے دائیں جانب ایک بدو بیٹھا ہوا تھا جبکہ بائیں جانب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے دودھ پی کر بدو کی طرف پیالہ بڑھایا اور فرمایا: ترتیب میں دائیں جانب کا لحاظ ضروری ہے۔ (بخاری کتاب الاشراب)

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کے دائیں جانب ایک لڑکا اور بائیں جانب بڑے بوڑھے لوگ بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے کوئی چیز پی تو لڑکے سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دوں۔ اس نے کہا کہ میں آپ ﷺ کا تبرک کسی کو نہیں دے سکتا۔ مجبوراً آپ ﷺ نے پہلے اسی کو دیا۔ (بخاری)

⑪ اگر کوئی کھانا بہت گرم ہو تو اسے ڈھانک کے رکھ دینا۔ یہاں تک کہ اسکی

بھاپ کی تیزی ختم ہو جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کرنا برکت کے لئے بہت بڑی چیز ہے۔ (داری)

⑫ برتن کے درمیان سے نہ کھاؤ بلکہ کناروں سے کھاؤ کیونکہ درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے (ترمذی)

کھانے کو درمیان میں سے اور پیالے کی چوٹی سے کھانا شروع نہ کرے۔ اپنے سامنے سے کھانا چاہئے۔ افضل یہ ہے کہ تین انگلیوں سے کھائیں۔ لیکن اگر شید وغیرہ ہے تو تمام انگلیوں کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ پھلوں میں اجازت ہے کہ ادھر ادھر سے جہاں سے جی چاہے کھالے۔

⑬ جب تمہارے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اٹھا لو اور صاف کر کے کھاؤ شیطان کیلئے مت چھوڑو۔

⑭ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام پرانی کھجوریں کھا رہے تھے اور اس میں سے کیزے ڈھونڈ کر نکالتے جاتے تھے (ابوداؤد)۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی پرانے پھل میں کیزے ہوں تو ان کو نکالے بغیر اور صاف کیے بغیر کھانا جائز نہیں۔

⑮ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے (اس کھانے کو کھانا بھی ضروری ہو کہ دوسرا کھانا نہیں) تو اس مکھی کو ڈبو کر باہر نکال دے۔ کیونکہ اس کے ایک بازو میں شفاء ہے اور دوسرے میں مرض ہے۔ (بخاری)

ایک روایت میں ہے کہ اس کے ایک بازو میں زہر ہے اور دوسرے میں شفاء ہے اور وہ زہر والے بازو کو پہلے ڈالتی ہے اور شفاء والے کو ہٹا کر رکھتی ہے۔ (شرح السنہ)

نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں مرض کا علاج بتایا ہے۔ اس کھانے کو کھا

لینے کا حکم نہیں دیا اگر طبیعت نہ چاہے تو نہ کھائے۔

⑥ نبی اکرم ﷺ نے زیادہ کھانے کو ناپسند فرمایا ہے۔ ایک روایت میں فرمایا کہ زیادہ کھانا شوم ہے۔ یعنی اس شخص کو ایسی علت لگی ہوئی ہے جس سے اسے ہر جگہ تکلیف ہوگی اور لوگ بری نظر سے دیکھیں گے۔ (بیہقی)

ایک طبیب کا قول ہے ”تو اس وقت کھا جب بھوک ہو اور ابھی بھوک باقی ہو تو ہاتھ اٹھالے۔“ حکماء کے واقعات میں لکھا ہے کہ ارسطو کے ایک خادم نے ایک جشی سیاہ آدمی سے کسی کام میں مدد مانگی۔ اس نے انکار کر دیا، خادم نے کہا ”شاید تجھے بھی ارسطو کی ضرورت پڑے۔ جشی نے کہا ”مجھے اسکی ضرورت نہیں۔ خادم نے ارسطو کو بتایا تو اس نے کہا ”اگر وہ بھوک لگنے کے بعد کھاتا ہے اور سیر ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا لیتا ہے تو اسے ہماری ضرورت نہیں۔“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، ابن آدم نے پیٹ سے زیادہ برابر تن نہیں بھرا۔ ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں کہ کمر سیدھی کر سکے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ایک تہائی کھانا ایک تہائی پینا اور ایک تہائی سانس لینے کے لئے ہو۔

کھانا دراصل مرض بھوک کا علاج ہے۔ اگر ضرورت سے زیادہ کھائے تو پھر کھانا ہی مرض ہے۔ کسی حکیم کا قول ہے ”چالیس سال کی عمر تک انسان کھانے کو کھاتا ہے اس کے بعد کھانا انسان کو کھاتا ہے“

حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ دین کے خلاف سب سے بڑے معاون تین ہیں۔

1. کمزور دل
 2. لالچی پیٹ
 3. اشتہائے شدید
- بعض حکماء سے پوچھا گیا کہ کون سا کھانا عمدہ ہے۔ کہا ”بھوک خوب جانتی

ہے۔

ایک حکیم کا قول ہے ”کہ بہترین سالن بھوکھا ہے۔ حضرت عبداللہ ﷺ نے اہل مدینہ سے کہا ”بھائی مجھے حیرت ہے کہ تمہارے فقہاء ہمارے فقہاء سے زیادہ ظریف ہیں۔ تمہارے عوام ہمارے عوام سے زیادہ ظریف ہیں۔ تمہارے دیوانے ہمارے دیوانوں سے زیادہ ظریف ہیں۔“ کہا ”جانتے ہو یہ کیوں ہے؟ جواب دیا معلوم نہیں۔ کہا ”اسکی وجہ بھوک ہے۔ دیکھو جب عود کا طعن خالی ہوتا ہے تو اسکی آواز خوب صاف ہوتی ہے۔“

حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر ﷺ حضرت امیر معاویہ ﷺ کے دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ حضرت امیر معاویہ ﷺ نے دیکھا کہ عبدالرحمن ﷺ بڑے بڑے لقمے اٹھا رہے ہیں۔ جب رات کا کھانا آیا تو حضرت ابوبکر ﷺ تنہا حضرت معاویہ ﷺ کے پاس گئے۔ پوچھا تیرے بڑے نوالے کھانے والے بیٹے کا کیا حال ہے؟ فرمایا کہ وہ بیمار ہے۔ حضرت امیر معاویہ ﷺ نے کہا ”ایسا آدمی مرض سے محفوظ نہیں رہتا۔“

حضرت ابوبکر ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ”بد ہضمی بھی شراب کے نشے کی طرح ایک نشہ ہے“

جالینوس سے پوچھا گیا ”تم بہت کم کھاتے ہو؟ اس نے کہا ”میرے کھانے کی غرض یہ ہے کہ زندہ رہوں جبکہ دوسرے لوگ اسلئے زندہ ہیں کہ کھائیں“

۔۔۔ خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است

تو معتقد کہ زیستن از بر خوردن است

(کھانے کا مقصد زندہ رہنا اور ذکر کرنا ہوتا ہے۔ جب کہ تو اس بات کا

قابل ہے کہ کھانے کے لئے زندہ رہنا ہے)

⑪ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو اور دو

آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کو اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کو کافی ہو جاتا ہے (مسلم)

کسی مہمان یا حاجت مند کے آنے سے تنگ دل نہ ہوں۔ خوشی کے ساتھ شریک کر لیا کریں کیونکہ اس طرح کام چل سکتا ہے اور گزارا ہو سکتا ہے۔

⑮ جب شور بہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال دو اور اس میں سے پڑوسیوں کا خیال کر لو۔ (مسلم)

یعنی انکو بھی ہدیہ سالن بھیج دو۔ تمہارے پانی زیادہ ڈال دینے سے انکو بھی سالن مل سکتا ہے۔

⑯ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک دفعہ کھانا لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اساء بنت یزیدؓ سے کھانے کو فرمایا۔ انہوں نے کہا، اس وقت خواہش نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو۔ (ابن ماجہ)

یعنی جب بھوک ہو تو یہ نہ کہو کہ خواہش نہیں ہے۔ ایسی صورتحال میں دعوت بلا تکلف قبول کر کے کھانے میں شریک ہو جانا چاہئے۔

⑰ اگر کچھ لوگ مل کر کھجوریں کھا رہے ہوں تو انکے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص ایک لقمہ میں دو کھجوریں نہ کھائے جب تک کہ اپنے ساتھیوں سے اجازت نہ لے لے۔ (بخاری و مسلم)

کھجوروں کی طرح اور کوئی چیز مل کر کھا رہے ہوں تو اسکا بھی یہی حکم ہے۔ اخلاقی حیثیت سے اس سے حرص اور لالچ کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ جذبہ اہیثار کے سراسر منافی اور حرص و طمع پر دلیل ہے۔ اسلئے ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا۔

⑱ اگر کسی دوسرے شخص کے ساتھ مل کر کھانا کھا رہے ہوں تو جب تک وہ کھانا کھاتا رہے اپنا ہاتھ نہ روکو اگرچہ پیٹ بھر چکا ہو تاکہ اسے شرمندگی نہ ہو۔ اگر

کھانا چھوڑنا ہی ہو تو عذر کر دو۔ (ابن ماجہ)

② نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ دل کو بھایا تو کھالیا پسند نہ آیا تو چھوڑ دیا۔ (بخاری)

کھانے میں عیب نہیں نکالنا چاہئے کیونکہ اس سے اہل خانہ اور کام کرنے والوں کی دل آزاری ہوتی ہے اور ان میں حوصلہ افزائی کی بجائے نفرت اور چڑ پیدا ہوتی ہے۔ کام سدھرنے کی بجائے اور بگڑتا ہے۔ سلف صالحین کا اس بارے میں عمل یہ تھا کہ جب مرغوب کھانا مل جاتا تو کھا کر اللہ تعالیٰ کا نعمتوں کی شکر ادا کرتے اور اگر کبھی غیر مرغوب چیز ہوتی تو بھوک مٹانے کے لئے پیٹ میں ڈال لیتے مگر کھانے میں کوئی نقص نہ نکالتے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک بھائی کو کچھ رقم دی اور فرمایا 'جاؤ ہمارے لئے مکھن' شہد اور روٹی خرید لاؤ۔ اس نے کہا 'اے ابواحق! کیا اس سب کو خرید لاؤں؟ فرمایا 'تیرا ناس ہو جب ملے گا تو مردوں کی طرح کھائیں گے جب نہ ملے گا تو مردوں کی طرح صبر کریں گے۔

حضرت سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو تکلف نہ کرے اس کے لئے پسندیدہ کھانے مضرت نہیں۔ البتہ جو حریص ہو اس کے لئے یہ ضرر رساں ہے۔ وہ اپنے اصحاب کو جمع کر کے ان کے سامنے عمدہ عمدہ چیزیں رکھتے۔ وہ کہتے 'آپ ہمیں ان سے منع کرتے ہیں پھر آپ ہی پیش کرتے ہیں۔ فرمایا 'میں جانتا ہوں کہ تم اسے چاہتے ہو لہذا میرے پاس بہتر اور عمدہ چیز کھاؤ گے۔ اگر میرے پاس کوئی زائد آئے گا تو میں نمک کے سوا کچھ اضافہ نہ کروں گا۔ فرمایا کرتے 'حلال اور عمدہ چیزیں کھانا اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے۔ بعض خلفاء کا قول ہے کہ برف سے ٹھنڈا کیا ہوا پانی اللہ تعالیٰ کے شکر میں اخلاص پیدا کرتا ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا حضرت! میں کتنا اور کیا کھانا کھایا کروں؟ فرمایا، تو اچھا کھا اور کام اچھی طرح کر۔ پس جب اللہ تعالیٰ مرغوب نعمتیں عطا کرے تو آدمی کو چاہئے کہ وہ ذکر و عبادت میں زیادہ کوشش کرے تاکہ اپنے آقا کو راضی کر سکے۔

(23) جو شخص جس برتن میں کھانا کھائے پھر اسے صاف کرے تو اس کے لئے برتن استغفار کرتا ہے۔ (ترمذی)

ادب یہ ہے کہ اگر تین لقموں سے زیادہ کھانا بچ جائے تو اس طرح چھوڑے کہ بعد میں کوئی کھانا چاہے تو اسے کراہت نہ ہو۔ اگر تین لقموں سے کم بچ جائے تو پھر اسے کھا کر برتن کو صاف کر لینا ہی بہتر ہے۔ بعض عوام الناس کا خیال ہے کہ برتن میں جس قدر بھی کھانا ہوا اسے ختم کرنا ہی سنت ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ کھانا اپنی ضرورت کے مطابق کھانا چاہئے الیہ اگر تین لقموں سے کم بچ جائے تو اب اسے چھوڑنے میں رزق کی بے ادبی ہے۔ کوئی دوسرا اسے تھوڑے کھانے کی طرف التفات نہ کرے گا۔ اور اسکے ضائع ہونے کا خدشہ رہے گا۔ پس اگر کھانا ختم ہو جائے تو برتن کو اچھی طرح صاف کر دینا سنت ہے۔ کھانے کے بعد جو کچھ بچ جائے اسے نہیں اٹھا کر کھا لینا چاہئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے برتن کو اچھی طرح صاف کیا اس کے لئے غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۔

نبی اکرم ﷺ تین اٹھکیوں سے کھاتے تھے اور پونچھنے سے پہلے ہاتھ چاٹ لیا کرتے تھے۔ (مسلم)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھ دھونے سے پہلے اپنی اٹھکیاں چاٹ لو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ کھانے کے کون سے

حصہ میں برکت ہے۔ (مسلم)

25) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اس حال میں رات گزاری کہ اسکے ہاتھ میں کوئی چیز (چکنائی) لگی ہو جس کو دھویا نہ ہو اور پھر اسکی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے (مثلاً زہریلا جانور کاٹ لے) تو یہ شخص اپنے نفس کے علاوہ ہرگز کسی کو ملامت نہ کرے۔ (ترمذی)

اس شخص کو اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے تکلیف پہنچی ہے۔

26) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پیاز یا لہسن کھائے (تو بدبو جانے تک) مسجد سے علیحدہ رہے یا فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔ (بخاری و مسلم)

سلاد (کچے پیاز کے بغیر) کھانا اچھی عادت ہے۔ بتاتے ہیں کہ جس دسترخوان پر سبزی ہو وہاں فرشتے آتے ہیں۔

27) اور جب پینے لگو تو بسم اللہ کہو اور جب پی کر منہ سے برتن ہٹاؤ تو الحمد للہ کہو۔ (ترمذی)

پانی وغیرہ کو اتنے آرام اور شائستگی سے پینا چاہئے کہ آواز پیدا نہ ہو، یہی

ادب ہے۔

28) اونٹ کی طرح ایک سانس میں مت پیو بلکہ دو یا تین سانس میں پیو۔ بہتر یہ ہے کہ جب پانی پینے لگے تو پہلی مرتبہ ایک گھونٹ پی کر سانس لے پھر دو تین گھونٹ پانی پی کر سانس لے اور تیسری مرتبہ پیاس کے بقدر پانی پئے۔ اس طرح پانی پینے سے سیری بھی ہو جاتی ہے اور اندر سے نکلنے والی گندی سانس پانی میں نہیں گلتے پانی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ پانی کے برتن میں سانس نہیں لینا چاہئے۔

(ابوداؤد)

اگر پینے کی چیز گرم ہو جیسے چائے وغیرہ تو اول تو زیادہ گرم چیز کھانے پینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ البتہ اتنی اگر گرم کی اجازت ہے جو منہ نہ جلائے۔ گرم چیز کو ٹھنڈا کرنے کے لئے پھونکیں مارنا بھی کراہت سے خالی نہیں۔ یاد رکھیں کہ ہر سانس جو اندر سے باہر آتی ہے وہ بدن کی کثافتوں کو لے کر باہر نکلتی ہے۔ گرم چیز پینے میں تین دفعہ کی قید نہیں۔ چھوٹے چھوٹے گھونٹ پینے چاہئیں۔ البتہ جب ختم ہونے کے قریب ہو تو تین گھونٹ میں پی کر مستحب کا ثواب حاصل کرنا چاہئے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ برتن میں نہ سانس لو اور نہ پھونک مارو

(ترمذی)

②۹ جو شخص (پانی وغیرہ) پلانے والا ہو وہ سب سے آخر میں خود پینے والا ہو۔

(مسلم)

③۰ برتن کی پھٹی اور ٹوٹی ہوئی جگہ سے منہ لگا کر نہ پئے۔ (ابوداؤد)

③۱ مشکیزے سے منہ لگا کر پانی مت پیو۔ (بخاری)

لوٹے، گھڑے، صراحی یا بوتل وغیرہ کو منہ لگا کر پینا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک تو پانی کی مقدار کا اندازہ نہیں ہوتا کہ کتنا پی لیا ہے۔ پھر یہ دیکھا نہیں جاسکتا کہ اس کے اندر کوئی مضر چیز تو نہیں۔

③۲ گھڑے ہو کر مت پیو۔ (مسلم)

پانی بے ضرورت گھڑے ہو کر نہیں پینا چاہئے کیونکہ یہ وقار کے بھی خلاف ہے اور طبعی حیثیت سے بھی مضر ہے۔ پانی پیتے وقت جسم کے پٹھے ڈھیلے ہوں تو بہتر ہے اور یہ بات بیٹھ کر پانی پینے سے حاصل ہوتی ہے۔ البتہ سبیل کا پانی جہاں مجمع لگا ہو اور لوگ انتظار میں ہوں گھڑے ہو کر پینا بہتر ہے۔ اگر ہر آدمی بیٹھے گا تو

انتظار کرنے والوں کو تکلیف ہوگی۔ یاد رکھیں کہ زم زم کا پانی برکت دعاء اور تعظیم کی خاطر کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔

(33) دسترخوان اٹھانے سے پہلے نہ اٹھو۔

بچے ہوئے کھانے اور پانی کے برتنوں کو ڈھانک کر رکھنا چاہئے تاکہ اس میں گرد و غبار یا کیڑے مکوڑے نہ پڑنے پائیں یا کوئی جانور منہ نہ ڈالے۔

(34) کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے کھلایا اور پلایا۔ اس موقع کی مختلف دعائیں حدیثوں میں آئی ہیں۔ جن میں سے ایک مختصر دعایہ ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ .
(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا)

مہمان نوازی کے آداب

جس کی دعوت کی گئی اور اس نے قبول نہ کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔

① نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ مہمان کی عزت کرے۔

② مہمان کے اکرام میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے لئے جلدی سے کھانا تیار کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا

لَمَّا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِمِجْلٍ حَنِيذٍ (ہود: ۶۹)

[نہیں دیر کی اور جلدی سے لایا بھنا ہوا پچھڑا]

پس مہمان کے سامنے جلدی کھانا رکھنے میں خلقِ ابراہیمی کا نمونہ ہے۔ مہمان کے لئے اچھے یعنی پر تکلف کھانے کا اہتمام ایک دن ایک رات ہونا چاہئے۔ اور مہمانی تین دن تک ہے اسکے بعد صدقہ ہوگا۔ (بخاری)

③ اپنے مہمان کے سامنے خود کھانا رکھے اور اسکی خدمت خود کرے۔ بعض مشائخ کا معمول تھا کہ اگر کوئی صاحبِ نسبت شیخ مہمان ہوتے تو ان کا کھانا سر پر رکھ کر لے جانا اپنا اعزاز سمجھتے تھے۔

④ مہمان کے ہمراہ کھاتے ہوئے یہ نیت ہو کہ اپنے بھائیوں کا اکرام کرتا ہوں اور ان کے لئے باعثِ فرحت ہوتا ہوں۔ اور جماعت کی برکات حاصل کرتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "جماعت میں برکت ہے" یہ کوئی مروت کی بات نہیں کہ انسان کے بھائی اس سے ملنے آئیں اور یہ اعراض کر کے نقلی نماز میں مشغول ہو جائے یا اس کے بھائی اسکے سامنے کھانا رکھیں اور یہ نقلی روزوں کی وجہ سے ان کے ہمراہ نہ کھائے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ بندہ حسنِ اخلاق کے ذریعہ روزہ دار اور قیام کرنے والے کا سادرجہ حاصل کر لیتا ہے۔

⑤ مہمان کے سامنے پہلے میوہ رکھا جائے بعد میں کھانا پیش کیا جائے۔ قرآنی ترتیب ہے۔

وَلَا كِهْمَةَ مِمَّا يَنْخَبِرُونَ ۝ وَلَلْحَمِ طَيْرٍ مِمَّا يَشْتَهُونَ ۝

[اور میوہ جو ناسچل لیں اور گوشت پرندوں کا جو چاہیں]

(واقعہ: ۲۰، ۲۱)

⑥ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کو دعوت دی اور بدی مقدار میں کھانا پیش کیا۔ انہوں نے کہا، اے ابوالحق!

آپ ڈرتے نہیں، کیا اس قدر میں اسراف نہیں ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ مہمان کے کھانے میں اسراف نہیں ہوتا۔

⑦ ایک سخی آدمی نے لوگوں کو کھانے کی دعوت دی اور تانبائی کو بلا کر کہا تمہارے پاس جس قسم کی روٹی ہو مہمانوں کو پیش کر دو۔ جب مہمان کھانے سے فارغ ہونے لگے تو اس سخی نے گھٹنے ٹیک کر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کہا 'اللہ تعالیٰ تم پر برکت فرمائے میری مدد کرو یعنی مزید کھاؤ اور خوب کھاؤ۔'

یہ سب کچھ ان لوگوں کے لئے ہے جو صاحب استطاعت ہوں۔ اگر میزبان غریب ہے تو اسے مہمان نوازی کے سلسلہ میں ایسا تکلف نہیں کرنا چاہئے کہ قرض لینا پڑے یا سخت بوجھ ہو۔ ایک شخص نے حضرت علی ؓ کو اپنے گھر کھانے کی دعوت دی۔ آپؐ نے فرمایا، 'تین شرطوں پر دعوت قبول کرتا ہوں۔'

• تو بازار سے کچھ نہیں لائے گا۔

• جو گھر میں ہے اسے ذخیرہ نہیں کرے گا۔

• اپنے اہل و عیال کو سخت مشقت میں نہ ڈالے گا۔

⑧ حضرت یونسؑ کے واقعہ میں آتا ہے کہ ان کے ہاں مہمان آئے۔ انہوں نے جو کاکا ایک ٹکڑا اور روٹی پیش کی اور جو بھری وہ بوتے تھے وہ سامنے رکھی اور فرمایا،

”کھاؤ اگر اللہ تعالیٰ تکلف کرنے والوں پر لعنت نہ کرتا تو میں تمہاری خاطر تکلف کرتا“

حضرت انس بن مالک ؓ اور دوسرے صحابہ ؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے سامنے جو موجود ہوتا پیش کر دیتے۔ خشک ٹکڑے، اچھی اور معمولی کھجوریں جو حاضر ہوتا سامنے رکھتے۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص

بغیر دعوت کے (کھانے کے لئے) داخل ہو گیا وہ چور بن کر اندر گیا اور لٹیرا بن کر نکلا۔ (ابوداؤد)

⑨ حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا، فرمایا، میں اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ سلمانؓ کی ملاقات کے لئے گیا۔ انہوں نے ہمارے سامنے جو کی روٹی اور پٹا ہوا نمک رکھا۔ میرے ساتھی نے کہا کہ اگر نمک کے ساتھ پودینہ بھی ہوتا تو خوب ہوتا۔ حضرت سلمانؓ باہر تشریف لائے اور لوٹا رہن رکھ کر پودینہ خرید لائے۔ جب ہم کھا چکے تو میرے ساتھی نے کہا، اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ جس نے ہمیں جو روزی دی اس پر قناعت عطا کی۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا، ”اگر تو دی ہوئی روزی پر قناعت کرتا تو مجھے لوٹا گروی نہ رکھنا پڑتا“۔ ایک روایت میں ہے کہ مہمان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ میزبان کے پاس اتنا ٹھہرے کہ اس کا دل تنگ ہو جائے۔ (بخاری)

⑩ اگر مہمان میزبان میں خوب بے تکلفی ہے تو مہمان کو چاہئے کہ اپنی پسندنا پسند کا اظہار کر دے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ زعفرانی کے ہاں مہمان تھے۔ جمعہ کے روز دونوں نماز کی طرف آنے لگے تو زعفرانی اپنی لوٹنی کو رقعہ بنا کر دیا کرتے کہ فلاں فلاں کھانا تیار کر دو۔

ایک روز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لوٹنی کو بلایا اور رقعہ میں اپنی پسند کے ایک کھانے کا اضافہ کر دیا۔ جب زعفرانی نے دسترخوان پر نیا کھانا دیکھا تو اسے حیرت ہوئی۔ لوٹنی نے بتایا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رقعہ میں یہ اضافہ کر دیا۔ اس نے کہا رقعہ لاؤ۔ جب اس نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر دیکھی تو اتنا خوش ہوا کہ لوٹنی کو آزاد کر دیا۔ بغداد کے مغربی حصے میں باب الصغیر کے

پاس ”ورب الزعفرانی“ اسی کے نام سے مشہور ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

”جس نے اپنے بھائی کی جائز خواہش کو پورا کیا اس کی بخشش ہوگی اور

جس نے اپنے مومن بھائی کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا“ (مشکوٰۃ)

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کو اس کی چاہت سے لذت یاب کیا (پسند کا کھانا کھلایا) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھے گا، دس لاکھ گناہ معاف کرے گا، ایک ہزار درجات بلند کریگا اور تین بہشتوں سے کھلائے گا۔ جنت فردوس، جنت عدن اور جنت خلد سے۔

⑪ جب مہمان کھانے سے فارغ ہو جائیں تو خود انہیں ہاتھ دھلوائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کھانے پر جمع ہوئے۔ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف طشتری بڑھائی گئی تاکہ وہ ہاتھ دھولیں۔ وہ رک گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اگر تیرا بھائی تیرا اکرام کرے تو اسکی عزت افزائی کو قبول کر لے اور رد نہ کر اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اکرام کر رہا ہے“

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے محدث ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ تاہینا کو کھانے پر بلایا اور طشتری میں ان کے ہاتھوں پر خود پانی ڈالا۔ جب فارغ ہوئے تو پوچھا: اے ابو معاویہ! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ہاتھوں پر کس نے پانی ڈالا؟ فرمایا نہیں۔ کہا: امیر المومنین نے۔ فرمایا: اے امیر المومنین! تو نے علم کی عزت و تکریم کی۔ اللہ تعالیٰ تجھے عزت و اکرام بخشے گا جیسے تو نے علم کی عزت و تکریم کی ہے۔

⑫ کھانے کے بعد مہمان کو خلال پیش کرنا چاہئے۔ بعض لوگوں کو اسکی سخت

ضرورت ہوتی ہے۔ خلال کی وجہ سے دانتوں سے نکلے ہوئے ذرات کو نہیں لگنا چاہئے۔ یہ مرض اور مکروہ چیز ہے۔ البتہ جو دانتوں سے لگا ہوا ہوا سے نکل لینے میں ہرج نہیں۔ خلال کے بعد کلی کرنی چاہئے۔

⑬ جب مہمان رخصت ہونے لگیں تو اگر استطاعت ہو تو انہیں ہدیہ دے کر روانہ کرے۔ وگرنہ کم از کم ان کے لئے جوتے سیدھے کرنے کو اپنی سعادت جانے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ (مرد کو) رخصت کرتے وقت مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک نکلے۔ (ابن ماجہ)

⑭ میزبان کو چاہئے کہ دعوت دیتے وقت سات نعمتیں ذہن میں رکھے۔

• دعوت میں اللہ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کی نیت ہو۔

• دوسری نیت سنت قائم کرنے کی ہو۔

• تیسری نیت یہ ہو کہ اپنے بھائی کی عزت افزائی کی خاطر دعوت دے۔

• چوتھی نیت، مومن بھائی کا دل خوش کرنے کی ہو۔

• پانچویں نیت، اس کے دل سے غم دور کرنے ہو۔

• چھٹی نیت، اپنے بھائی سے ملاقات کی ہو۔

• ساتویں نیت، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی ہو۔

⑮ مہمان کو چاہئے کہ پانچ آدمیوں کی دعوت قبول نہ کرے۔

• بدعتی آدمی کی دعوت قبول نہ کرے۔

• ظالموں اور ان کے مددگاروں کی دعوت قبول نہ کرے۔

• سود کھانے والے کی دعوت قبول نہ کرے۔

• ایسا فاسق جو بر ملا فسق میں مبتلا ہوا اس کی دعوت قبول نہ کرے۔

• جس کا مال زیادہ تر حرام کا ہوا اس کی دعوت قبول نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ

نے فرمایا، ”تو صرف پرہیزگار کا کھانا ہی کھا“

اگر آدمی ظالموں کا کھانا کھائے تو گویا ان کے ظلم پر ان کا معاون بنا۔

خیاط بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بزرگ سے پوچھا، میں بعض ظالموں کے وکلاء کے لئے کپڑے سیتا ہوں تو کیا خطرہ ہے کہ میں ظالموں کا مددگار ہوں؟ فرمایا، تو ظالموں کا مددگار نہیں بلکہ تو خود ظالموں میں سے ہے۔ ظالموں کے مددگار تو وہ ہیں جو تجھے سوئی دھاگہ بیچتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ بادشاہ نے قید کیا۔ انہیں حکومت کی طرف سے کھانا دیا جاتا جسے وہ قبول نہ کرتے تھے۔ ایک نیک بڑھیا نے انہیں کھانا بھیجا شروع کیا۔ وہ پھر بھی کھانا نہ کھاتے۔

جب قید خانے سے رہا ہوئے تو نیک بڑھیا سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کھانا واپس کر نیکی وجہ پوچھی اور کہا آپ جانتے تھے کہ یہ کھانا میرے گھر سے آتا ہے۔ فرمایا، ہاں ٹھیک ہے مگر یہ ایک ظالم کی طشتری میں آتا تھا۔ اس برتن کی وجہ سے میں نے واپس کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ ایک دہقان نے سونے کے پیالے میں حلوہ بھیجا۔ آپ نے واپس کر دیا اور فرمایا، میں نے اس برتن کی وجہ سے واپس کیا جس میں حلوہ تھا۔

رزق کا ادب

رزق سے متعلق چند آداب درج ذیل ہیں۔

① حتی الوسع کوشش کی جائے کہ کھانا با وضو کھائیں۔

② کھانے والے دسترخوان پر پہلے بیٹھیں اور کھانا بعد میں چٹا جائے۔ جب کھا چکیں تو دسترخوان سے کھانا پہلے اٹھالیا جائے بعد میں لوگ اٹھیں۔

③ زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے سے زیادہ ادب کے قریب ہے۔

④ پلیٹ میں کھانا لے کر کھڑے ہو کر یا چل پھر کر کھانا ادب سے دور ہے۔ چل پھر کر کھانا حیوانوں کے مشابہ ہے۔

⑤ ٹیک لگا کر کھانا ادب کے خلاف ہے۔

⑥ کھانے میں عیب نکالنا بے ادبی ہے۔ اگر پسند نہ ہو تو نہ کھائے مگر معمولی باتوں پر نکتہ چینی نہ کرے۔

⑦ اگر کھانا پسند آئے تو اسکی تعریف کرنا ادب میں شامل ہے۔

⑧ دسترخوان پر گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھا لینا ادب میں شامل ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان ؓ اور ربیع بن عامر ؓ صحابہ کرام میں کسری کے محل میں نمائندے بن کر گئے۔ کھانے کے دوران حضرت حذیفہ ؓ کے ہاتھ سے لقمہ گر گیا تو انہوں نے اٹھانا چاہا۔ برابر والے آدمی نے اشارے سے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت حذیفہ ؓ نے جواب دیا۔

أَتَرَكُ سُنَّةَ خَبِيبِي لَهَوْلَاءِ الْحَمَقَاءِ

(کیا میں اپنے حبیب ﷺ کی سنت کو ان بے وقوف لوگوں کی وجہ سے چھوڑ دوں)

⑨ سالن سے آلودہ ہاتھ پاٹ لینا بہتر ہے۔ ہاتھوں سے لگے ہوئے سالن کو پانی سے دھو کر نالی میں بہا دینا خلاف ادب ہے۔ اسی طرح برتن کا بچا ہوا سالن اچھی طرح صاف کر دیا جائے۔ بعض لوگ تو سالن ڈالتے وقت پلیٹ بھر لیتے ہیں

مگر تھوڑا سا کھا کر بقیہ سالن ضائع کر دیتے ہیں یہ خلاف ادب ہے۔

⑩ دسترخوان مناسب جگہ پر جھاڑا جائے۔ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت مولانا سید امیر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مہمان ہوئے۔ کھانے سے فراغت پر مفتی صاحب نے دسترخوان سمیٹنا چاہا۔ مولانا امیر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا 'کیا کرنا چاہتے ہیں؟ بتایا کہ دسترخوان جھاڑ دوں گا۔ پوچھا 'دسترخوان جھاڑنا آتا بھی ہے؟ مفتی صاحب حیران ہوئے کہ اس میں جاننے والی کونسی بات ہے۔ لہذا یوں پوچھا کہ آپ بتا دیجئے کیسے جھاڑتے ہیں؟ فرمایا 'یہ بھی ایک فن ہے۔ پھر ہڈیوں کو 'گوشت لگی بوٹیوں کو 'روٹی کے ٹکڑوں کو اور چھوٹے ذرات کو الگ الگ کیا۔ پھر ہڈیوں کو ایسی جگہ پھینکا جہاں کتے کھا سکیں۔ گوشت لگی بوٹیوں کو ایسی جگہ پھینکا جہاں بلی کھا سکے۔ روٹی کے ٹکڑوں کو دیوار پر رکھ دیا تاکہ پرندے کھا سکیں۔ چھوٹے چھوٹے ذرات کو ایسی جگہ ڈالا جہاں چیونٹیوں کا بل قریب تھا۔ پھر فرمایا 'یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے اسکا کوئی حصہ ضائع نہیں ہونا چاہئے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک عالم مہمان ہوئے تو انہوں نے کھانے میں پھل پیش کئے۔ فراغت پر اس عالم نے کہا 'حضرت! پھلوں کے چھلکے میں باہر پھینک دیتا ہوں۔ پوچھا 'پھینکنے آتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اس میں آنے والی بات کیا ہے؟ فرمایا 'میرے پڑوس میں غرباء رہتے ہیں اگر سب چھلکے ایک جگہ پھینک دیئے تو انہیں دیکھ کر حسرت ہوگی۔ پس تھوڑے تھوڑے چھلکے اس طرح متعدد جگہوں پر پھینک دیئے کہ دیکھنے والوں کو احساس بھی نہ ہو۔

⑪ بعض لوگ روٹی کے بڑے بڑے ٹکڑے کوڑا کرکٹ میں ڈال دیتے ہیں۔

یہ سخت بے ادبی ہے۔ دیکھنے والوں کو چاہئے کہ وہ ان ٹکڑوں کو اٹھا کر اونچی جگہ رکھ دیں۔

ایک بزرگ اپنی سواری پر بیٹھے کہیں جا رہے تھے اور چنے بھی کھا رہے تھے۔ ایک چنا ہاتھ سے گر گیا۔ انہوں نے سواری روکی اور نیچے اتر کر چنا اٹھا کر کھالیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام گناہوں کی مغفرت فرمادی کہ اس بندے نے میرے رزق کا ادب کیا۔

⑫ آجکل مشروبات پیتے ہوئے تھوڑا سا مشروب برتن میں بچا دینا فیشن بن گیا ہے۔ یہ تکبر کی علامت ہے اور رزق کی بے ادبی ہے۔ حضرت اقدس تھانویؒ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو آپ کے لئے دودھ لایا گیا۔ آپ نے نوش فرمایا اور تھوڑا سا بچا ہوا دودھ سرہانے رکھ دیا۔ اس دوران آپ کی آنکھ لگ گئی۔ جب بیدار ہوئے تو گلاس اپنی جگہ سے غائب پایا۔ خادم سے پوچھا کہ اس بچے ہوئے دودھ کا کیا معاملہ بنا؟ اس نے کہا، حضرت! ایک گھونٹ ہی تو تھا وہ پھینک دیا۔ آپ بہت ناراض ہوئے۔ فرمایا، تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کی۔ خود ہی پی لیتے یا طوطے مبی وغیرہ کو پلا دیتے تاکہ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچتا۔ پھر ایک اصول سمجھایا کہ جن چیزوں کی زیادہ مقدار سے انسان اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے اسکی تھوڑی مقدار کی قدر اور تعظیم اس کے ذمے واجب ہوتی ہے۔

⑬ حضرت خواجہ فہل علی شاہ قریشی مسکین پوریؒ کی خانقاہ پر سالکین کا ہر وقت جھوم رہتا تھا۔ ایک مرتبہ جب سالکین کے لئے دسترخوان بچھایا گیا اور کھانا چن دیا گیا تو حضرت نے فرمایا، فقیرو! یہ روٹی جو تمہارے سامنے رکھی گئی ہے۔ اسکی گندم کے لئے کھیت میں با وضو مل چلایا گیا، با وضو پانی دیا گیا، جب گندم کی فصل پک کر تیار ہو گئی تو اسے با وضو کاٹا گیا، پھر گندم کو بھوسے سے با وضو جدا کیا گیا، اس گندم کو

با وضو پیس کر آٹا بنایا گیا، پھر اس آٹے کو با وضو گوندھا گیا، اس کی روٹی با وضو بنائی گئی، پھر با وضو آپ کے سامنے لا کر رکھی گئی۔ کاش! کہ آپ بھی اسے با وضو کھا لیتے۔

آداب لباس

اسلام دین فطرت ہے اس نے ستر پوشی کو دین کا اتنا اہم جز و مضمہ پایا ہے کہ بلا مجبوری اس کے بغیر نماز بھی ادا نہیں ہو سکتی۔ لباس پہننے کے تین مقاصد ہوتے ہیں۔

1. جسم کو سردی اور گرمی کی تکلیف سے بچایا جائے۔
2. انسانی بدن کے جن حصوں پر دوسروں کی نظر نہیں پڑنی چاہئے وہ چھپے رہیں۔

3. انسانی شخصیت کو زیب و زینت نصیب ہو۔

مردوں کیلئے ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ اور شریف آزاد عورتوں کے لئے سر کے بالوں سے لیکر ٹخنوں اور گنوں تک اور لوٹڑیوں کے لئے پیٹ اور پیٹھ سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ستر قرار دیا گیا ہے۔ انسان کیلئے ستر کا غیر کے سامنے کھولنا جائز نہیں۔ حتیٰ کہ تنہائی میں بلا وجہ کھولنا بھی پسندیدہ نہیں۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر ہم تنہائی میں ہوں یعنی کوئی دوسرا دیکھنے والا نہ ہو تو کیا ستر کھول سکتے ہیں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ تو دیکھتا ہے اس سے اور زیادہ حیا کرنا چاہئے۔ ایک روایت میں ہے کہ کبھی ننگے نہ ہو کیونکہ تمہارے ساتھ فرشتے رہتے ہیں جو برہنگی کے وقت تم سے الگ ہو جاتے ہیں۔ ان سے شرم کرو اور ان کا لحاظ رکھو۔

حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کو بہشت کا لباس پہنایا گیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں بھول ہوئی تو وہ لباس بدن سے اتر گیا۔ وہ فوراً درخت کے پتوں سے اپنی برائی چھپانے لگے۔

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ (اعراف: ۲۲)

(جب ان دونوں نے درخت کو چکھا ان کے ستر ان پر کھل گئے تو وہ اپنے اوپر درخت کے پتوں کو جوڑنے لگے)

اس سے معلوم ہوا کہ ستر پوشی انسان کی فطرت ہے گو کہ دنیا میں آ کر نفس و شیطان کے اثرات سے یہ فطرت بگڑ جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰۤاٰدَمُ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْۤتِكَ وَ دِیْنًا و لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ (اعراف: ۲۶)

[اے اولاد آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری جو ڈھانکے تمہارا ستر اور (تمہارے بدن کو) زینت دے۔ اور پرہیزگاری کا لباس بہتر ہے]

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ اب وہی لباس پہنو جس میں پرہیزگاری ہو۔ مرد و عورتی لباس نہ پہنے کہ لوگوں کو نظر آوے اور اپنی زینت نہ دکھاوے۔

آداب لباس کی مزید تشریح درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

① جس نے (دنیا میں) نام و نمود کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔ (مسند احمد)

لباس تین طرح کے ہوتے ہیں۔

آسائش کا لباس۔ (یہ جائز ہے)

زیبائش کا لباس۔ (یہ بھی جائز ہے)۔

نمائش کا لباس۔ (یہ ناجائز ہے)

② فرمایا کہ میری امت کی عورتوں کے لئے سونا اور ریشم (پہننا) حلال ہے اور مردوں پر حرام کر دیا گیا۔ (ترمذی)

مردوں کو (کسی خاص عذر کے بغیر) ریشم کا بنا ہوا کپڑا نہیں پہننا چاہیے کیونکہ اس سے زنانہ پن کا اظہار ہوتا ہے اور محنت کی بجائے عیش کی یاد دلاتا ہے

③ فرمایا کہ مرد عورت کا اور عورت مرد کا لباس نہ پہنے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

مردوں کے لئے عورتوں کی سی پوشاک اور عورتوں کے لئے مردوں کی سی پوشاک پہننا جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں کی اخلاقی پستی کی دلیل ہے۔

④ ارشاد فرمایا کہ جب تم (کپڑے) پہنو اور جب تم وضو کرو تو دھنی طرف سے شروع کیا کرو۔ (ابوداؤد)

⑤ ارشاد فرمایا کہ کھاؤ پیو صدقہ کرو اور پہنو (لیکن) اس حد تک کہ فضول خرچی اور غرور کی ملاوٹ نہ ہو۔ (مسند احمد)

⑥ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تم سفید کپڑے پہنو کیونکہ یہ صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوتے ہیں۔ (یہ مردوں کو ترغیب دی گئی ہے) اور سفید کپڑوں میں اپنے مردوں کو کفن دو۔“ (ترمذی)

⑦ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب پگڑی باندھتے تو نماز کا شہدہ موندھوں کے درمیان ڈال دیتے تھے۔ (ترمذی)

⑧ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان ٹوپوں پر پگڑی ہونے کا فرق ہے۔ (ترمذی)

نبی اکرم ﷺ کی عمومی سنت مبارک پگڑی اور اس کے نیچے ٹوپی پہننے کی تھی تاہم صرف ٹوپی اور صرف پگڑی بھی آپ ﷺ سے پہننا ثابت ہے۔ (عالمگیریہ)

9 ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پگڑی پہنائی تو اس کا (ایک) کنارہ سامنے کی طرف اور دوسرا کنارہ پیچھے کی طرف ڈال دیا۔

(ابوداؤد)

10 حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے کرتے کی آستین پہنچے تک تھی۔ (ترمذی)

آستین والی پوشاک پہنتے وقت پہلے داہنے ہاتھ میں آستین ڈالنی چاہئے۔

11 ارشاد فرمایا کہ نخنے سے نیچے جو تہبند (پانجامہ) کا حصہ ہوگا وہ دوزخ میں ہوگا۔ (بخاری)

یہ حکم مردوں کے لئے ہے۔ انہیں تہبند یا پانجامہ اس طرح باندھنا چاہئے کہ ٹخنوں سے اوپر رہے۔ عورتوں کو چاہئے کہ نخنے ڈھکے رکھیں البتہ اتنا نیچا کپڑا عورتیں بھی نہ پہنیں کہ زمین پر گھسٹا رہے۔

12 نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے تہبند کو تکبر کے طور پر اتراتے ہوئے گھسینا اللہ تعالیٰ قیامت کے وقت اسکی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھیں گے۔ (بخاری و مسلم)

13 ایسا لباس جس کی طرف بے اختیار لوگوں کی انگلیاں اٹھیں پہننا ٹھیک نہیں۔ خواہ امیروں کی زرق برق پہنا کیس ہوں یا صوفیوں کے گیرودار جے ہوں۔ کیونکہ ایسے کپڑے پہننے والوں کی اصل منشاء اپنے کو دوسروں سے ممتاز بنانے کی چھپی خواہش ہے۔ یہ ہوس نفس کا کھلا ثبوت ہے۔

14 مرد یا عورت کوئی ایسے بامدیک کپڑے نہ پہنے جن سے ستر دکھائی دے۔

عورتوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”کتنے کپڑے پہنے والیاں ہیں جو حقیقت میں نگلی رہتی ہیں۔“

15 ایسا کپڑا پہننا جس سے پوری ستر پوشی نہ ہو یعنی اس سے ستر کے پورے حدود نہ چھپیں جائز نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کوئی ایسا ہی کپڑا پہن کر نبی اکرم ﷺ کے سامنے آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اے اسماء! جب عورت جوان ہو جائے ہو تو ان کے سوا کھولنا حلال نہیں۔“ (آپ ﷺ نے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا)

16 مرد شوخ رنگ خصوصاً سرخ رنگ کے کپڑے نہ پہنے۔ سرخ دھاری کے کپڑے جائز ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سرخ دھاری والی چادر اوڑھی ہے۔ زرد رنگ کے کپڑے بھی آپ ﷺ نے پہنے ہیں۔ سبز رنگ کی چادر بھی نبی اکرم ﷺ نے اوڑھی ہے۔ اس رنگ کا تہبند بھی باندھا ہے۔ سیاہ اور سفید رنگ کا عمامہ بھی استعمال فرمایا ہے۔ سبز عمامہ کہیں سے ثابت نہیں ہے۔

17 نیا لباس پہنتے وقت نبی اکرم ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي هَذَا وَرَزَقَنِي مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي
وَلَا قُوَّةَ

[اللہ تعالیٰ کی حمد کہ اس نے مجھ کو یہ پہنا دیا عطا کیا میری قوت کے بغیر
(محض اپنے فضل سے)]

18 جوتا پہنتے وقت پہلے دائیں پاؤں میں جوتا ڈالو۔ جب جوتا اتارو تو پہلے بائیں پاؤں نکالو۔ (بخاری)

19 ایک جوتا پہن کر چلو۔ دونوں جوتے اتار دو یا دونوں پہن لو۔ (بخاری)

20 مومن کا لباس کفار کے لباس سے مشابہ نہیں ہونا چاہئے۔ حدیث پاک میں ہے۔

مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

(جس نے جس قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہوا)

سلف صالحین کے اقوال:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”لباس لباس سے اس وقت مشابہ ہوتا ہے جب دل دل سے مشابہ ہوتا ہے“

جو لوگ مسنون لباس پہنتے ہیں یہ ان کے قلب میں س رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راسخ ہونے کی دلیل ہے۔ جو لوگ فاسقانہ لباس پہنتے ہیں یہ ان کے قلب کے فسق پر دلیل ہے۔

بعض سلف صالحین کا یہ ہے ”زہد کی ابتدا لباس سے ہے“ بعض علماء کا فرمان ہے ”جس کا لباس رقیق ہے اس کا دین بھی رقیق ہو گیا“

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر زینت ترک کر دی اور اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع کرتے ہوئے لباس فاخرہ اتار دیا تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ یا قوت کے تختوں میں اعلیٰ ترین جنت اس کے لئے جمع کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی نازل فرمائی ”میرے اولیاء سے کہہ دو کہ میرے دشمنوں کا سالباس نہ پہنیں اور میرے دشمنوں کے گھروں میں نہ جائیں ورنہ وہ جس طرح میرے دشمن ہیں تم بھی میرے دشمن بن جاؤ گے۔“

بشر بن مروان نے کوفہ کے منبر پر خطبہ دیا تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”اپنے امیر کو دیکھو لوگوں کو وعظ کر رہا ہے اور اس پر فساق کا لباس ہے۔ کسی نے پوچھا کہ

اس کا لباس کیسا تھا فرمایا کہ باریک لباس تھا۔

حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ ہدایت پر پابندی لگائی کہ وہ معمولی درجہ کا لباس اختیار کریں تاکہ دولت مند انکی پیروی کریں اور فقیر کو ان کا فقر شکستہ دل نہ کرے۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سوت کا موٹا لباس پہنتے تھے۔ ان کی قمیص کی قیمت تین درہم اور پانچ درہم کی ہوتی تھی۔ اگر انگلیوں سے آستین آگے بڑھ جاتی تو وہ کاٹ دیتے اور فرماتے 'یہ تواضع کے قریب تر ہے اور اس قابل ہے کہ مسلمان میری اقتدا کریں۔

حضرت عمرؓ کے پاس یمن سے چادریں آئیں۔ آپؓ نے صحابہ کرامؓ پر ایک ایک چادر کر کے تقسیم فرمادیں۔ پھر جمعہ کے روز منبر پر چڑھ کر لوگوں کو خطبہ دیا۔ آپؓ نے دو چادریں زیب تن کی ہوئی تھیں۔ فرمایا 'خبردار سنو۔ خبردار سنو!! پھر نصیحت فرمائی۔ حضرت سلمانؓ اٹھے اور کہا 'واللہ ہم نہیں سنیں گے۔ پوچھا 'کیوں؟' کہا 'اسلئے کہ آپؓ نے ہمیں ایک ایک چادر دی اور خود دو چادریں لیں۔ حضرت عمرؓ مسکرائے اور کہا 'اے ابو عبد اللہ! تو نے جلدی کی۔ اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ میں نے اپنے کپڑے دھوئے تھے اسلئے اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ کی چادر مستعار لی اور اپنی چادر کے ساتھ اسے بھی اوڑھ لیا۔ حضرت سلمانؓ نے کہا 'آپؓ کہتے اب ہم نہیں گے اور اطاعت کریں گے۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے

”بوسیدہ کر و کپڑے وغیرہ کو۔ کھر در لباس استعمال کرو۔ چست رہو

اور بجم کے لباس یعنی قیصر و کسری کے لباس سے بچ کر رہو۔“

حدیث پاک میں ہے ”اللہ تعالیٰ سادہ لباس پہننے والے کو پسند کرتا ہے۔“ جو

اسکی پرواہ نہ کرے کہ کیا پہنا۔ یعنی جو غفاسٹ اور قرینے میں ڈوبنا نہ رہے بلکہ جیسا ملاویسا پہن لیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جو آدمی بھی لباسِ شہرت پہنے جب تک اسے اتار نہ دے اللہ تعالیٰ اس سے اعراض فرمالیتا ہے۔ چاہے اس کے نزدیک وہ (پہلے) محبوب ہو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:
”ایسا لباس پہن جو علماء میں تیری شہرت نہ کرے اور جبلا میں تیری تحقیر نہ کرے“

حضرت ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:
”بہترین کپڑا وہ ہے جو میری خدمت کرے اور بدترین کپڑا وہ ہے جس کی میں خدمت کروں“

بعض سلف کا فرمان ہے کہ مجھے سب سے پسندیدہ لباس وہ ہے جو مجھ سے خدمت نہ کرائے اور مجھے سب سے محبوب کھانا وہ ہے جس کے بعد ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے لباس میں چودہ پیوند شمار کئے گئے۔ ان میں سے بعض چیزے کے تھے۔

بعض علماء سلف کا قول ہے کہ ابن آدم پر کپڑوں کی کثرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے سزا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:
”اگر تو مجھ سے ملنا چاہتی ہے تو اغنیاء کی ہم نشینی سے بچتے رہنا اور اس وقت تک کپڑا نہ اتارنا جب تک اسے پیوند نہ لگے“

آداب ملاقات

① دنیا کی تمام قوموں میں ملاقات کے وقت خوشی اور محبت ظاہر کرنے کے لئے کچھ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ اسلام سے قبل عربوں میں ملاقات کے وقت انعم اللہ بک عینا (تمہاری صبح خوشگوار ہو) کے الفاظ کہنے کا دستور تھا۔ اہل فارس ”ہزار سال بزی“ (ہزار سال جیو) کا فقرہ کہتے تھے۔ یورپ میں گڈ مارننگ (اچھی صبح) اور گڈ ایوننگ (اچھی شام) وغیرہ کہنے کا رواج تھا۔ مگر اسلام نے ان سب کی بجائے ”السلام علیکم“ کے الفاظ کہنے کی تعلیم دی۔ اس میں مندرجہ ذیل مصلحتیں ہیں۔

① یہ تمام انبیائے کرام کا متفقہ طریقہ ہے۔

② اسکی صورت ذکر و دعا کی ہے گویا دائمی اور سرمدی سلامتی کا راز ہے۔

③ اس میں مذہبی شان زیادہ پائی جاتی ہے یعنی وہ سلامتی جو اللہ تعالیٰ کی طرف بندوں پر نازل ہوتی ہے۔

④ اس میں مبالغہ آمیز تعظیم نہیں پائی جاتی جو ہندگی، کورنش اور آداب عرض کے الفاظ میں ہے۔

⑤ دنیا میں ایک انسان دوسرے کو سب سے بہتر یہی دعا دے سکتا ہے کہ تم پر سلامتی ہو۔

⑥ یہ الفاظ مسلمانوں کے درمیان آپس کی پہچان اور علامت ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے ہمے بارے میں درج ذیل تعلیمات دی

ہیں۔

- ہر مسلمان کو سلام کرو جان پہچان ہو یا نہ ہو (بخاری)
- عورتیں عورتوں میں اسکا خیال رکھیں اور مرد مردوں میں اسکا خیال رکھیں۔
- ہر سوار پیدل چلنے والے کو پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑی تعداد والی جماعت بڑی جماعت کو اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ (بخاری)
- بات کرنے سے پہلے سلام کیا جائے۔ (ترمذی)
- یہود و نصاریٰ کو سلام نہ کرو۔ (مسلم)
- ہندو سکھ عیسائی مرزائی سب اسی حکم میں شامل ہیں۔
- جب ملاقات کے وقت اپنے بھائی کو سلام کر لیا اور (ذرا دیر کو) درمیان میں درخت یا پتھر یا دیوار کی آڑ آگئی پھر اسی وقت دوبارہ ملاقات ہوگئی تو دوبارہ سلام کرے (ابوداؤد) یعنی یہ نہ سوچے کہ ابھی چند لمحے تو پہلے سلام کیا ہے اب دوبارہ اتنی جلدی کیوں سلام کروں۔
- جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔ اس سے تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔ (ترمذی)
- جب کسی گھر میں داخل ہو تو وہاں کے لوگوں کو سلام کرے اور جب وہاں سے رخصت ہونے لگے تو سلام کرے۔ (بیہقی)
- اللہ تعالیٰ نے سب سے قریب وہ شخص ہے جو (دوسرے کا انتظار کئے بغیر) خود سلام میں پہل کرے۔ (بخاری)

- سلام میں رحمتہ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ کا اضافہ کرنا اور بھی موجب ثواب ہے۔
- ایک بار ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، السلام علیکم، آپ ﷺ نے فرمایا اس کو دس نیکیاں ملیں۔ دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو بیس نیکیاں ملیں۔ تیسرا آدمی

آیا اور اس نے کہا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسکو تیس نیکیاں ملیں۔ (مشکوٰۃ شریف میں برکاتہ کے بعد مغفرۃ کے الفاظ بھی آئے ہیں) ﴿ جس شخص کو سلام کیا جائے اس پر واجب ہے کہ سلام کا جواب اسی طریقہ سے بلکہ اس سے بہتر طریقہ سے دے۔

② ملاقات کے وقت اظہارِ محبت کا دوسرا ذریعہ مصافحہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سلام کا مکملہ مصافحہ کرنا (یعنی ہاتھ کا پکڑنا) ہے۔ مدینہ میں یہ تحفہ اہل یمن لائے اور نبی اکرم ﷺ نے قبول فرمایا۔

﴿ تمہارے آپس میں سلام کی تکمیل یہ ہے کہ مصافحہ کر لیا جائے۔ (احمد) ﴿ جب دو مسلمان ملاقات کے وقت آپس میں مصافحہ کریں تو جدا ہونے سے پہلے ضرور اسکی بخشش کر دی جاتی ہے۔ (ترمذی) ③ ملاقات یا کسی کام کے لئے کسی کے گھر جانے کے لئے صاحب خانہ سے اجازت لینا ضروری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بِيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا
وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ٥ فَإِنْ لَمْ
تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوا هَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ
ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ٥

[اے مسلمانو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل ہونے کے لئے اجازت لو اور سلام کرو اہل خانہ پر یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ پھر اگر تم سے کہا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو (بے تامل) لوٹ آؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسکو جانتا ہے] (النور: ۲۷، ۲۸)

● غیر محرم عورتوں سے گفتگو کرنے کے لئے ان کے شوہروں سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔ (ترمذی)

● اگر کوئی شخص بلا اجازت کسی کے گھر میں تاک جھانک کرے اور کوئی اسکی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر کوئی الزام نہیں۔ (ترمذی)

ایک بار کبھی نے نبی اکرم ﷺ کے حجرہ مبارک میں تاک جھانک کی۔ آپ ﷺ اس وقت لوہے کی ایک کنگھی سے سر جھاڑ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں جانتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو اس کو تمہاری آنکھوں میں گھسا دیتا۔ پھر فرمایا

إِنَّمَا جَعَلَ الْإِذْنَ مِنْ قَبْلِ الْبَصَرِ - پھر فرمایا - إِنَّمَا جَعَلَ الْإِسْتِئْذَانَ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ

(اجازت کی ضرورت تو اسی لئے ہے کہ دیکھو نہیں)

نبی اکرم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی مکان پر جا کر دستک دیتے تو دروازے کے سامنے کھڑا ہونے کی بجائے دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے۔

④ کسی گھر کے میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سلام کر کے کہے کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ اگر تین بار کہنے کے باوجود اجازت نہ ملے تو واپس چلے جانا چاہئے۔ (ابوداؤد)

● اگر کسی کو خود بلایا جائے تو اسکو اجازت لینے کی ضرورت نہیں (الادب المفرد)

● اگر کوئی شخص گھر کے دالان میں سامنے بیٹھا ہو اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو تو اس وقت بھی اجازت لینا ضروری نہیں۔ (الادب المفرد)

● بازار کی دکانوں میں یا دوسری عوامی جگہوں میں جانے کیلئے اجازت مانگنے کی پابندی نہیں۔ عرف میں اجازت ہوتی ہے۔

● اگر اپنے گھر میں مرد داخل ہونا چاہیں تو بھی بہتر یہی ہے کہ اجازت لیں۔ اگر گھر کی عورتیں بے تکلفی کی حالت میں ہوں تو سنبھل جائیں گی یا اگر غیر محرم عورتیں آگئی ہوں تو ہوشیار ہو جائیں گی۔

[5] جن لوگوں سے پردہ کرنا ضروری نہیں مثلاً چھوٹے بچے، لونڈی یا غلام وغیرہ انکے لئے ہر وقت اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ اسمیں عمومی حرج ہے۔ البتہ خاص خاص اوقات میں ان کے لئے بھی اجازت لینا ضروری ہے۔ مثلاً نماز صبح سے پہلے، دوپہر قبولہ کرنے کے وقت اور نماز عشاء کے بعد۔

[6] جب چھوٹے لڑکے حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو ان کے لئے بھی اسی طرح اجازت طلب کرنا ضروری ہے جس طرح بڑی عمر کے لوگ گھر میں داخلے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔

آدابِ مجلس

آدابِ مجلس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وقار اور شائستگی کی شکل پیدا ہو۔ نشست و برخاست کے چند آداب درج ذیل ہیں۔

① مجلس میں جہاں تک نشست کا دائرہ پہنچ چکا ہو بے تکلف وہاں جگہ ملنے پر بیٹھ جانا چاہئے۔ مجمع کو چیر کر آگے جانے کی کوشش نہ کرے اس سے پہلے آنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ مزید برآں ایسا کرنا غرور و تکبر کی علامت ہے۔ جمعہ کی جماعت میں بالخصوص منگھلی رقاب (دوسروں کی گردنوں کو روند کر آگے بڑھنا) حدِ تابِ پاک میں منع کیا گیا ہے۔

② اگر کوئی شخص مجلس میں ایک جگہ بیٹھا ہو پھر وقتی ضرورت کے لئے اٹھ کر جائے

تو پلٹنے کے بعد اس جگہ کا وہی حقدار ہوگا۔

الْفَضْلُ لِلْمُقَدَّمِ (پہلے آنے والے کا حق فائق ہوتا ہے)

③ اگر کہیں دو شخص باہم مصروف گفتگو ہیں تو تیسرے کو بغیر اجازت مغل ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ حدیث پاک میں ہے کہ کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان بغیر انکی اجازت کے بیٹھ جائے۔ (ترمذی)

④ اگر مجلس میں کچھ لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھے ہوں تو کسی کو اس حلقہ کے وسط میں نہیں بیٹھنا چاہئے۔ اس حالت میں کچھ لوگوں کی طرف اسکا منہ ہوگا کچھ کی طرف پشت ہوگی۔ ایسے شخص پر نبی اکرم ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔ (ترمذی)

⑤ مجلس میں اگر لوگ بیٹھے ہیں تو بعد میں آنے والوں کو جگہ ہونے کے باوجود کھڑے رہنا منع ہے۔ (ابوداؤد)

⑥ مجلس میں جو جگہ معزز ہو از خود وہاں بیٹھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اپنے بھائی کی معزز جگہ پر اسکی اجازت کے بغیر کوئی نہ بیٹھے۔ (ترمذی)

⑦ کسی کو اسکی جگہ سے اٹھا کر خود نہیں بیٹھنا چاہئے۔ حدیث پاک میں ہے کہ بیٹھنے والوں کو چاہئے کہ آنے والوں کو جگہ دینے کیلئے مجلس کشادہ کر لیں۔ (بخاری)

⑧ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِ فَافْسَحُوا

يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانْشُرُوا

إِذَا زِلَازٌ وَالْمَوْتُ جَبَّ قُلُوبُهُمْ فَلْيَرْجِعْ إِلَىٰ ذِي الْحَرْمِ

فَرَاغُوا سُبُلَ اللَّهِ وَلَا تُدْرِكُوا الْمَوْتُ وَلَا تَتَدَفَّقُوا فِي الْحَرْمِ

اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو [مجادلہ: ۱۱]

⑨ مجلس میں سب لوگ متفرق نہ بیٹھیں بلکہ مل کر بیٹھیں۔ (ابوداؤد)

⑩ جب کوئی مسلمان بھائی تمہارے پاس آئے تو جگہ ہونے کے باوجود اس کے اکرام کے لئے ذرا سا کھسک جاؤ (بیہقی)۔ عورتیں بھی اسکا خیال کریں کہ جب کوئی عورت آئے تو اسکے لئے اپنی جگہ سے ذرا سا کھسک جائیں۔

⑪ جب مجلس میں تین آدمی ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشیاں نہ کریں کیونکہ اس سے تیسرے کو رنج ہوگا (بخاری)۔ کسی ایسی زبان میں باتیں کرنا جس کو تیسرا آدمی نہیں جانتا وہ بھی اسی حکم میں ہے۔

⑫ انسان پر سب سے زیادہ اثر صحبت کا پڑتا ہے۔ اسلئے ہمیشہ نیک لوگوں سے مجلس رکھنی چاہئے۔ ایک مثل مشہور ہے کہ اگر کسی کے اخلاق کا پتہ لگانا چاہو تو اس کے دوستوں کے اخلاق کا پتہ لگاؤ۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ”آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے“ اس لئے ہر شخص کو دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا کہ اچھے اور برے ہمنشین کی مثال عطار اور لوہار کی سی ہے۔ یعنی عطار کے پاس بیٹھنے سے اول تو اسکی بھٹی کی آگ سے کپڑے جلیں گے ورنہ کم از کم دھواں اور سیاہی تو ضرور ملے گی۔

حضرت سلطان باہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

[نال کسنگی سنگ نہ کریئے تے کنز نوں لاج نہ لایئے ہو
کوڑے کھوہ کدیں مٹھے نہ ہوندے بھانویں لکھ مناں گڑ پائیے ہو
کانواں دے پتر ہنس نہ بنزدے بھانویں موتی چوگ چگایئے ہو
سپاں دے پتر متر نہ ہوندے بھانویں چلیاں ددھ پلائیئے ہو
تہے کدیں تر بوز نہ ہوندے بھانویں توڑ کے لے جایئے ہو]

۱۔ برے دوست سے دوستی کر کے اپنے نسب کو دھبہ نہ لگائیں۔ کڑوے کنویں کبھی میٹھے نہیں ہوتے چاہے لاکھوں من گڑ ڈالیں۔ کوئے کے بچے ہنس نہیں بن سکتے چاہے موتی ہی چگتے پھریں۔ سانپوں کے بچے وفادار نہیں ہوتے چاہے چلو میں دودھ پلائیں۔ حظل (کڑوا پھل) کبھی میٹھا نہیں ہوتا چاہے آپ اسے کئے لے جائیں]

⑬ ہر چیز کا سردار ہوتا ہے اور مجلسوں کی سردار مجلس وہ ہے جس میں قبلہ رو ہو کر بیٹھا جائے۔ (طبرانی)

⑭ مجالس امانت کے ساتھ ہیں (ابوداؤد)۔ مجلس میں جو بات سنیں اس کا دوسری جگہ نقل کرنا امانت داری کے خلاف اور گناہ ہے (بجز دینی بات کے)۔

آدابِ گفتگو

انسانی شخصیت کا پہلا اندازہ چہرے کو دیکھنے سے ہوتا ہے اور دوسرا حتیٰ اندازہ اسکی گفتگو سے ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے،، الْمَرْءُ تَحْتَ لِسَانِهِ “ (آدمی اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوتا ہے)۔ پس انسان اپنی گفتگو ہی سے پہچان لیا جاتا ہے۔ آدابِ گفتگو درج ذیل ہیں۔

① گفتگو ہمیشہ نرمی سے کرنے کی کوشش کریں۔ بعض حکماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبان میں اسی لئے کوئی ہڈی نہیں بنائی تاکہ یہ نرم رہے اور اس سے نرمی سے گفتگو کی جائے۔

ایک بزرگ کسی نوجوان سے سخت ناراض ہوئے اور اسے سخت سٹ کہنے لگے۔ اس نے جواب دیا: حضرت! آپ میری کوتاہی کے باوجود پیرے ساتھ

نرمی فرمائیں۔ نہ میں فرعون سے زیادہ برا ہوں اور نہ ہی آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ جبکہ پروردگار عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ نرمی کے ساتھ باتیں کرو۔

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا [تم ان سے نرم بات کرنا] (طہ: ۴۴)

قرآن مجید کے الفاظ کو شمار کیا جائے تو درمیانی لفظ وَلَيِّنًا لَطْف بنتا ہے۔ گویا قرآن مجید کا مرکزی پیغام یہی ہے کہ انسان ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے نرمی کا معاملہ کریں۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نرمی پر جو رحمتیں نازل کرتا ہے وہ سختی پر نہیں کرتا۔

② جو بات کہی جائے اچھی ہو۔ اس میں اپنا یا دوسرے کا نفع ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (لوگوں سے اچھی بات کہو)

ایسی بات نہ کی جائے جس میں طعن ہو یا جس میں دوسرے کی تحقیر ہو۔

③ بات ہمیشہ انصاف پر مبنی اور درست ہونی چاہئے۔ اگر بیش تر لوگ اس کا خیال رکھیں تو آپس میں لڑائی جھگڑے بہت کم ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ

أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (الاحزاب: ۷۰، ۷۱)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور یہی بات کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے

کاموں کو سنوار دیگا اور گناہ معاف کر دیگا)

④ اگر عورتوں کو نامحرم مردوں سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہو تو ادب یہی ہے کہ

لہجہ میں ایسی نزاکت نہ ہو کہ سننے والوں کے دل میں بدی کا خیال پیدا ہو۔ ارشاد

باری تعالیٰ ہے۔

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِيْ قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا (الاحزاب: ۳۲)

(اے نبی اکرم ﷺ کی بیویو! دبی زبان میں بات نہ کیا کرو۔ ایسا کرو گی تو جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ ممکن ہے کہ تم سے کوئی توقعات وابستہ کر لے۔ پس بات کرو تو معقول اور بے لاگ)

عورتوں کے لئے یہ حکم فقط اس وقت ہے جب غیر محرم مرد سے گفتگو کریں۔ اگر عورتیں عورتوں سے گفتگو کریں تو انہیں اسی طرح نرم مزاجی سے کرنی چاہئے جیسے مردوں کے لئے حکم ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نرم، معقول اور دلجوئی کی باتیں کرنا صدقہ کے برابر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى (نیک بات کہنا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دل آزاری ہو) (البقرة: ۲۶۳)

⑥ گفتگو عموماً آہستگی اور مناسب آواز کے ساتھ کی جائے۔ بے موقع چیخ چیخ کر باتیں کرنا حماقت و جہالت کی دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنْ اَنْكَرَ اِلَّا صَوَاتُ لُصُوْثِ الْحَمِيْرِ

(لقمان: ۱۹)

(اور اپنی آواز پست کر۔ کہ سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے)

⑦ فضول باتوں سے پرہیز کرنا وقار کی نشانی ہے۔ قرآن مجید میں مومنین کی ایک صفت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (المؤمنون: ۳)

(اور جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں)

انسان جو کچھ منہ سے نکالتا ہے فرشتے اس پر گواہ ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق: ۲۳)

(آدمی کوئی لفظ نہیں بولتا مگر ایک نگران اس پر حاضر رہتا ہے)

حدیث پاک میں ہے۔ ”جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ نیک بات کہے ورنہ چپ رہے“

دوسری حدیث میں ہے۔ آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز سے اس کو مطلب نہ ہو ادھر توجہ نہ دے۔ یہ حدیث جو امع الکلم میں ہے جو دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہیں۔

⑧ اگر کبھی کسی جاہل سے سابقہ پڑ جائے تو اس سے بحث و تکرار کی بجائے سلامتی کی بات کر کے الگ ہو جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ إِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (الفرقان: ۶۳)

(جب نا سمجھ ان کو خطاب کریں تو وہ جواب میں سلامتی کی بات کریں)

⑨ گفتگو ہمیشہ با مقصد ہونی چاہئے۔ فضول گفتگو کرنے والوں کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ وہ میری امت کے بدترین افراد ہیں۔ (الادب المفرد)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض اوقات ایک بات سے اللہ تعالیٰ کی تاقیامت خوشنودی حاصل ہوتی ہے یا پھر تاقیامت ناراضگی ہاتھ آتی ہے۔

(موطا امام مالک)

⑩ مخاطب کو جو بات اچھی طرح سمجھانی ہو اس کو صفائی و سہولت کے ساتھ کہا

جائے بلکہ اسے دہرا دینا بہتر ہوتا ہے تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ جائے۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کوئی بات کہتے تھے تو تین بار اسکا اعادہ فرماتے تھے۔ (ابوداؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے کلام میں ترتیل و ترتیل پائی جاتی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامًا فَضْلًا يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ

(رسول اللہ ﷺ کا کلام واضح ہوتا تھا۔ ہر سننے والا اسکو سمجھ لیتا تھا)

⑪ گفتگو ہمیشہ مختصر ہونی چاہئے تاکہ مخاطب پر بوجھ نہ ہو۔ سلف صالحین کا قول ہے

خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قُلَّ وَ ذَلُّ وَلَمْ يَمَلْ

(بہتر کلام وہ ہے جو تھوڑا ہو مدلل ہو اور مخاطب کو ناگوار نہ ہو)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے سنا۔ مجھ کو حکم دیا یہاں ہے کہ میں مختصر گفتگو کروں چونکہ اختصار بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

⑫ بعض اوقات گفتگو سے فخر و مباہات کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض لوگ چبا چبا کر باتیں کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ اس بلیغ آدمی کو مبغوض رکھتا ہے جو اپنی زبان کو اس طرح توڑتا موڑتا ہے جس طرح تیل اپنی زبان کو توڑ موڑ کے گھاس گھاس کھاتا ہے"۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا "جو شخص انداز گفتگو میں اس لئے اول بدل کرتا ہے کہ لوگوں کو اپنا گردیدہ بنائے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکا نذیہ دے تو پہ قبول نہ کرے گا۔ (ابوداؤد)

⑬ جب کئی لوگ کلام کے مخاطب ہوں تو توجہ ایک ہی طرف نہ رکھنی چاہئے بلکہ

ٹھہر ٹھہر کر ہر ایک کی طرف منہ کیا جائے تاکہ دوسروں کو عدم التفات کی شکایت نہ ہو۔ (ادب المفرد)

⑭ یوپی (انڈیا) کے لوگ حسن کلام میں بہت مشہور ہیں۔ اشتعال انگیز کیفیت میں بھی ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ دولہ کے آپس میں کسی بات پر جھگڑ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا، دیکھئے صاحب! مجھے غصہ مت دلائیے ورنہ میں آپ کی والدہ صاحبہ کی شان میں سخت بدتمیزی کروں گا۔ دوسرا بولا اجی صاحب! اگر آپ نے ایسا کیا تو میں آپ کے رخسار مبارک پر اس زور سے پتھر لگاؤں گا کہ وہ گلاب کا پھول نظر آئیگا۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے اسد

چلتے پھرنے کے آداب

① راستہ میں چلتے وقت متانت اور خاکساری کے ساتھ قدم اٹھانا چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا (الفرقان: ۶۳)
(اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں)

② اکڑ کر چلنا اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ ہے۔ ارشاد ہے:
وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ
(زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ بے شک اللہ تعالیٰ مغرور اور فخر کرنے والوں

کو پسند نہیں کرتا) (لقمان: ۱۸)

دوسری جگہ فرمایا:

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ
الْجِبَالَ طُولًا (الاسراء: ۳۷)

(اور زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ بے شک نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ
پہاڑوں تک اونچائی میں پہنچ سکتا ہے)

③ راستہ میں چلتے ہوئے ادھر ادھر تک جھانک کرنا اور غیر محرم عورتوں کی
طرف دیکھنا منع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَنْصَابِهِمْ (النور: ۳۰)

(اور ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں)

④ نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ راستہ میں اس رفتار سے چلتے گویا
کوئی اونچی جگہ سے نیچے کی طرف آ رہا ہو۔ اس انداز کے ساتھ چلنے کو انگریزی
میں (Brisk Walk) کہتے ہیں اور یہ انسانی صحت کیلئے چلنے کا بہترین انداز کہلاتا
ہے۔

⑤ عورت کو بجنے والے زیور مثلاً پازیب یا جھانجرو وغیرہ پہن کر چلنے میں زمین پر
زور زور سے پاؤں نہیں رکھنا چاہئے۔ اسکی آواز سے سننے والوں کے خیالات میں
انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ (النور: ۳۱)

[اور (چلنے میں) پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ (لوگوں کو) ان کے

اندرونی زیور کی خبر ہو]

⑥ شریف عورت جب گھر سے باہر نکلے تو کسی بڑی چادر یا برقعہ میں اپنا سارا

جسم چھپالے جس سے اس کی اصلی پوشاک اور زیب و زینت کی ساری چیزیں چھپ جائیں۔ چادر یا نقاب سے چہرہ اس طرح چھپ جائے کہ غیر مرد کو حسن و جمال سے آگاہی نہ ہو سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ

اے نبی اکرم ﷺ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ لٹکالیں اپنے اوپر چادریں۔ ایسا نہ ہو کہ پہچانی جائیں اور کوئی تائید (۱۷:۵۹)۔

۱۰۰۔ یہی حلد ارشاد ہے۔

وَقُلْ لِّنِّسَاءِ مِمَّنْ يَفْضُلْنَ مِنْ ابْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يَسِيْرْنَ رِجْلَهُنَّ وَلَا يَتَمَتَّهْنَ مِنْ ثِيَابٍ وَابْصُرْنَ بِحُمْرِهِنَّ عَلَىٰ جُنُوبِهِنَّ وَلَا يُبَيِّنَنَّ رِجْلَهُنَّ وَلَا يُعْرَفْنَ (نور: ۳۱)

(آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنا ستر چھپائیں۔ اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں مگر جو (فحشا) کھلا رہتا ہے۔ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زیب و زینت نہ دکھائیں مگر اپنے شوہروں کو)

⑦ عورت کو کوئی تیز خوشبو لگا کر راستے میں نہیں چلنا چاہئے۔ اس سے میلان طبع پیدا ہوتا ہے اور عورت کی یہ نیت ظاہر ہوتی ہے کہ لوگ اس کی طرف توجہ کریں۔

⑧ راستے میں مرد اور عورت کو مل جل کر نہیں چلنا چاہئے نہ ہی کسی مرد کو دو عورتوں کے درمیان میں چلنا چاہئے۔ عورتوں کو چاہئے کہ راستے کے کناروں پر چلیں جبکہ مردوں کو چاہئے کہ راستے کے درمیان میں چلیں۔ نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کو

راستہ کے درمیان میں چلتے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

⑨ راستہ میں چلتے ہوئے اوب و وقار کا خیال رکھنا چاہئے حتیٰ کہ اگر معلوم ہو کہ نماز باجماعت شروع ہو چکی تو بھی دوڑ کر اس میں شامل نہ ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مسجد میں بکیر ہو رہی ہو یا نماز کھڑی ہو چکی ہو تو دوڑ کر اس میں شامل نہ ہو بلکہ تم متانت اور وقار کے ساتھ آ کر جماعت میں ملو۔ (صحیح مسلم)

⑩ گلی کوچہ میں چلتے ہوئے طہارت و پاکیزگی کی نیت سے پاؤں میں جوتے پہنے جائیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اکثر جوتے پہنا کر وہ جوتے پہننے والا بھی ایک طرح کا سوار ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

⑪ جوتے دونوں پاؤں میں پہنے جائیں یا دونوں ننگے رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک میں جوتا ہو دوسرے میں نہ ہو۔ (ابوداؤد)

البتہ گھر میں کوئی دو چار قدم اس طرح چل لے تو مضائقہ نہیں۔ (ترمذی)

نبی اکرم ﷺ سے گھر میں ننگے پاؤں چلنا بھی ثابت ہے۔

آدابِ سفر

مثل مشہور ہے کہ سفر وسیلہ ظفر ہے۔ سفر کے چند آداب درج ذیل ہیں۔

① سفر کے وقت مسافر کو رخصت کرنا چاہئے اور خیر و عافیت کی کوئی دعا دینی چاہئے۔ جیسے فی امان اللہ۔

نبی اکرم ﷺ مجاہدین کو رخصت کرتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ۔ (ابوداؤد)

(میں تمہارے دین، امانت اور خاتمہ عمل کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں)

② سفر کو روانہ ہوتے وقت چار رکعت (نفل نماز) پڑھ لینا چاہئے۔ (مجمع زوائد)

③ سفر صبح سویرے کرنا چاہئے اس سے انسان کا وقت ضائع نہیں ہوتا بلکہ پورا

دن کام آجاتا ہے۔ (ابوداؤد)

ایک معتد بہ مسافت طے کر کے دوپہر کے وقت آرام کیا جاسکتا ہے۔

④ سفر تنہا نہیں کرنا چاہئے ہو سکے تو تین آدمی ساتھ ہوں (ترمذی۔ ابوداؤد)

آجکل بس ٹرین جہاز وغیرہ کے سفر میں تو آدمی تنہا ہوتا ہی نہیں۔ دوسرے

مسافروں کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اگر ذاتی کار ہو یا پیدل سفر کرنا ہو تو رفیق سفر کا

ہونا بہتر بلکہ ضروری ہے۔ اس سے انسان بہت سے خطرات سے محفوظ رہتا ہے

اور اسباب سفر کی حفاظت و نگرانی میں سہولت ہوتی ہے۔

⑤ جب سفر میں تین آدمی ساتھ ہوں تو ایک کو امیر بنالیں۔ (ابوداؤد)

⑥ بعض اوقات سفر رات کو کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں یہ

مصلحت بتائی گئی ہے کہ اس طرح مسافت خوب طے ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

⑦ سفر میں اپنے ساتھیوں کا سردار وہ ہے جو ان کا خدمت گزار ہو۔ جو شخص

خدمت میں آگے بڑھ گیا اسکے ساتھی کسی دوسرے عمل کے ذریعے آگے نہیں بڑھ

سکیں گے۔ ہاں اگر کوئی شہید ہو جائے تو وہ آگے بڑھ جائے گا۔ (بیہقی)

⑧ سفر میں جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد چیزیں ہوں تو ان لوگوں کا

خیال کرے جن کے پاس اپنا توشہ سفر نہ ہو۔ (مسلم)

⑨ سفر میں جن لوگوں کے پاس کتاب یا گھنٹی ہو ان کے ساتھ (رحمت) کے فرشتے

نہیں ہوتے۔ (مسلم)

⑩ جب سرسبزی کے زمانے میں جانوروں پر سفر کرو تو جانوروں کو ان کا حق دے دو جو زمین میں ہے۔ اور جب خشک سالی میں سفر کرو تو رفتار میں تیزی کرو۔ تاکہ جانور منزل پر پہنچ کر آرام کرے۔ (مسلم)

⑪ جانوروں کی پشت کو کرسی نہ بناؤ۔ (یعنی ان پر سوار ہو کر کھڑے باتیں نہ کرو)۔ (ابوداؤد)

⑫ جب منزل پر اتریں تو پہلے جانوروں کے کجاوے کھولو بعد میں نماز پڑھو۔

(ابوداؤد)

⑬ جانوروں کے گلوں میں تاک نہ ڈالو کہ اس سے گلاٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہو۔ (بخاری و مسلم)

⑭ جب رات کو جنگل میں پڑاؤ ڈالو تو راستہ میں قیام کرنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ رات کو طرح طرح کے جانور اور کیڑے مکوڑے نکلتے ہیں اور راستہ میں پھیل جاتے ہیں۔ (مسلم)

⑮ جب کسی منزل پر اترو تو سب اکٹھے قیام کرو اور ایک ہی جگہ رہو، دور دور قیام نہ کرو۔ (ابوداؤد)

⑯ نبی اکرم ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت مدینہ میں داخل ہوتے اور پہلے مسجد میں دو رکعتیں پڑھتے۔ پھر (کچھ دیر) لوگوں کی ملاقات کے لئے وہاں بیٹھتے (بخاری)۔ مردوں کو چاہئے کہ اس سنت پر عمل کریں۔

⑰ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر میں داخل نہیں ہونا چاہئے بلکہ گھر والوں کو تیاری کا موقع دینا چاہئے۔

(18) اگر کوئی معزز اور محبوب شخص سفر سے آئے تو اس کا استقبال کرنا چاہئے۔ (ابوداؤد)

(19) سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے تمہیں نیند سے اور کھانے پینے سے روکتا ہے لہذا جب وہ کام پورا ہو جائے جس کے لئے گئے تھے تو جلد گھر واپس آ جاؤ۔
(بخاری و مسلم)

(20) اگر سفر سے گھر واپسی کا ارادہ ہو تو اہل خانہ اور دوست احباب کو مطلع کر دینا بہتر ہے۔

امریکہ کے ایک صاحب نے کئی سال بعد گھر واپس آنے کا پروگرام بنایا۔ شیطان نے اس کے ذہن میں یہ تجویز ڈالی کہ اہل خانہ کو اطلاع نہ دوا چانک پہنچ کر حیران کرو۔ چنانچہ انہوں نے جہاز کا ٹکٹ خریدا دفتر سے چھٹی لے کر پاکستان پہنچے۔ اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے استقبال کے لئے تو کوئی نہیں تھا۔ ان صاحب نے ٹیکسی کرایہ پر لی۔ چونکہ گھر شہر سے چند میل دور تھا اہل خانہ کے لئے تحفے تحائف وغیرہ خرید کر لائے تھے تو سامان کافی زیادہ تھا۔ انہیں اکیلا دیکھ کر اور سامان کی زیادتی کو دیکھ کر ٹیکسی ڈرائیور کی نیت بدل گئی۔ چنانچہ ویرانے میں ایک جگہ ٹیکسی ڈرائیور نے اس کو قتل کر دیا اور لاش زمین میں دفن کر دی۔ جب کئی مہینے گزر گئے تو دفتر والوں نے اس کے دوست احباب سے رابطہ کیا کہ فلاں آدمی دفتر سے چھٹی لے کر گیا تھا مگر واپس نہیں آیا۔ دوستوں نے گھروں کی تلاش کی تو اہل خانہ نے کہا کہ وہ تو یہاں آیا ہی نہیں۔ تب ایک ہنگامہ کھڑا ہوا۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوتا جب چڑیاں چک گئیں کھیت۔ کاش کہ وہ اسلامی آداب سفر کا خیال کرتے تو اہل خانہ کو غم کی بجائے خوشی نصیب ہوتی۔

آدابِ خواب

انسان کی نیند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ فرمایا گیا۔

وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ (روم: ۲۳)

[اور (اللہ تعالیٰ) کی نشانیوں میں سے ایک تمہارا رات کو سونا ہے]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا

(ہم نے نیند کو تمہارے لئے آرام اور رات کو پردہ اور دن کو کاروبار کا

ذریعہ بنایا) (النبا: ۹-۱۱)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیند کے لئے رات کا وقت اور کاروبار زندگی

کے لئے دن کا وقت بنایا گیا ہے۔ یہی فطرت انسانی کا تقاضا ہے۔ آرام طلب

لوگ دن کو رات اور عیش پسند لوگ رات کو دن کی طرح گزارتے ہیں۔ جب کہ

قلب سلیم رکھنے والے لوگ رات کا کچھ حصہ آرام میں اور آخری حصہ یاد الہی

میں گزارتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا گیا۔

كَانُوا أَقْلِيًّا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ (الذین: ۱۷)

(تھے وہ رات کو تھوڑا سونے والے)

لینے اور سونے کے متعلق چند آداب درج ذیل ہیں۔

- ① سونے کے وقت گھر کا دروازہ بند کر لینا چاہئے۔ کھانے پینے کے برتن کو ڈھانک دینا چاہئے۔

② حدیث پاک میں ہے "بلاشبہ آگ تمہاری دشمن ہے لہذا جب سونے لگو تو اسکو بجھا دیا کرو" (بخاری)۔ ایک دوسری حدیث پاک میں ہے کہ جب تم سونے لگو تو چراغ بجھا دو۔ (ابوداؤد)

③ نماز عشاء پڑھنے سے پہلے سونا غفلت کی نشانی ہے۔ نماز عشاء پڑھ کر فضول بات چیت نہیں کرنی چاہئے۔ ضروری کاموں سے فارغ ہو کر جلدی سو جانا چاہئے۔ (ابوداؤد)

④ اگر کاروباری ضرورت ہو یا کوئی دوسرا کام ہو تو نماز عشاء کے بعد جاگنے میں مضائقہ نہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نماز عشاء کے بعد کسی ضروری کام میں مشورہ لینے کی غرض سے حاضر ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بات چیت فرمائی۔ (صحیح مسلم)

⑤ جب بستر پر جانے لگیں تو اسے جھاڑ لینا چاہئے۔ پھر دھنی کروٹ لیٹنا چاہئے۔ (ابوداؤد)

⑥ حدیث پاک میں ہے کہ سوتے وقت یہ دعا پڑھیں۔

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِکَ اُمُوْتُ وَاَحْيٰی

[اے اللہ! میں تیرے نام سے جیتا اور مرتا ہوں] (ابوداؤد)

سوتے وقت دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیں۔ (بخاری)

⑦ حدیث پاک میں ہے کہ اس طرح چت نہ لیٹو کہ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا ہو۔ (مسلم)

اس میں بے پردگی کا احتمال ہے۔

⑧ حدیث پاک میں ہے کہ اوندھا ہو کر لیٹنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ (ترمذی)

اس میں طبی نقصان یہ ہے کہ بعض اوقات آنٹیں اپنی جگہ سے گر کر الجھ

سکتی ہیں۔

⑨ کسی ایسی چھت پر نہیں سونا چاہئے جس کی منڈیر یا اس پر کوئی اور رکاوٹ نہ ہو۔ (ترمذی)

ایسی حالت میں زمین پر گر پڑنے کا اندیشہ ہے۔

⑩ جن لوگوں کے لئے ممکن ہو وہ دوپہر کے وقت قیلولہ کریں۔ اس سے تہجد کے وقت جاگنے میں آسانی ہوتی ہے۔

⑪ حدیث پاک میں ہے کہ جاگتے وقت یہ دعا پڑھی جائے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اٰخْيَاَنَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاَلِيْهِ النُّشُوْرُ . (ابوداؤد)

[اس اللہ ہی کے لئے حمد ہے جس نے مرنے کے بعد مجھے زندہ کیا اور

اسی کی طرف لوٹا ہے]

⑫ حدیث پاک میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو کر وضو

کرنے لگے تو تین مرتبہ اپنی ناک جھاڑ دے یعنی صاف کرے۔ (بخاری)

⑬ حدیث پاک میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنا

ہاتھ (پانی کے) برتن میں نہ داخل کرے یہاں تک کہ اسکو تین مرتبہ دھو لے۔

کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ رات بھر اسکا ہاتھ کہاں رہا۔ (بخاری)

⑭ حدیث پاک میں ہے کہ جب اپنا پسندیدہ خواب دیکھو تو اسی سے بیان کرو جو

تم سے محبت رکھتا ہے۔ (بخاری)

⑮ جب برا خواب دیکھو تو تین بار بائیں طرف تھکا رو اور کسی سے بیان نہ کرو

اور کروٹ بدل دو۔ پھر تین بار اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھو۔ اس

خواب کے شر سے پناہ مانگو یہ خواب نقصان نہ دے گا۔ (مسلم)

چھینک اور جمائی کے آداب

چھینک آنا یا جمائی لینا اگرچہ معمولی اعمال ہیں مگر شارعِ علیہ السلام نے اس کے بھی آداب سکھائے ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں۔

① جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو چاہئے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے اور سننے والا جواب میں یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہے۔ (بخاری)

چھینک بدن کے لئے ہلکے پھلکے ہونے، مسامات کے کھلنے اور بہت زیادہ نہ کھانے سے آتی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ چھینک سے دماغی کیفیت ٹھیک ہو جاتی ہے اور وہ شفاء ہے۔ اسی بناء پر شریعت نے چھینکنے والے کو حکم دیا کہ وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے الحمد للہ کہے۔ جب سننے والا یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہے تو پھر چھینکنے والا یَهْدِیْکُمُ اللّٰہ وَ یُصْلِحْ بِاَلْکُم کہے۔

(بخاری)

② چھینک سے بعض اوقات ناک سے بلغم وغیرہ نکل آتا ہے لہذا چھینکتے وقت منہ کو ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لینا چاہئے۔ مزید برآں چھینک کی آواز کو پست رکھنا چاہئے نبی اکرم ﷺ کا یہی طریقہ تھا۔ (ابوداؤد)

③ انسان کی بعض حالتیں وقار کے خلاف ہوتی ہیں۔ انکو دیکھ کر ناگواری ہوتی ہے مثلاً جمائی لینے میں انسان کا منہ کھل جاتا ہے، ”آہ“ یا ”ہاہا“ کی آواز نکلتی ہے، چہرے کی قدرتی ہیئت بدل کر ایک مضحکہ خیز شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جمائی شیطان کی جانب سے ہے جب کوئی اس حالت میں آ کر کرتا ہے تو شیطان اسکے پیٹ کے اندر سے اس پر ہنستا ہے۔“

(ترمذی)

بعض اوقات شیطان مکھی پھرو غیرہ کو اس کے منہ میں داخل کر دیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”جب تم کو جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھ کر روک دو کیونکہ (اس طرح) شیطان داخل ہو جاتا ہے۔“ (مسلم)

④ پہلا حکم تو یہی ہے کہ جمائی کو حتی المقدور روکیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہئے۔ (ترمذی) ”ہا ہا“ وغیرہ کی آواز نکالنا خلاف ادب ہے۔

طہارت کے آداب

اسلام ایسے ملک میں ظاہر ہوا جہاں پانی نسبتاً کم تھا۔ پھر بھی اس نے طہارت کو نصف ایمان قرار دیا۔ یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ تہذیب اور شائستگی کی باتوں میں سب سے اہم چیز طہارت ہے۔
● میاں بیوی کی بہستری کے بعد جب تک دونوں غسل نہ کر لیں نماز و تلاوت ادا نہیں کر سکتے۔ فرمایا:

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا (مائندہ: ۶)

(اگر تم ناپاک ہو تو غسل کرو)

اگر کوئی احتلام کی وجہ سے ناپاک ہو گیا ہو تو اس پر بھی غسل فرض ہے۔

● کپڑوں کو شرعی طور پر پاک صاف رکھنے کا حکم دیا گیا۔ فرمایا

وَيُثَابِكُ فَطْهَرُ (مدثر: ۴)

(اپنے کپڑوں کو پاک رکھ)

● پاکیزگی کا اس قدر جہام کھایا کہ اگر پانی میسر نہ ہو یا بیماری کے سبب سے

پانی استعمال کرنے میں نقصان کا اندیشہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کرنا چاہئے۔

فَتَيْمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا (مانندہ: ۶)

(توپاک مٹی سے تیمم کرو)

● ہر نماز ادا کرنے سے پہلے با وضو ہونا ضروری قرار دیا۔ وضو درحقیقت ان اعضاء کا دھونا ہے جو عموماً کام کے دوران کھلے رہتے ہیں مثلاً ہاتھ کہنیوں تک، چہرہ، اور پاؤں اور سر کے بال وغیرہ کا مسح ضروری قرار دیا گیا تاکہ یہ بھی الجھے اور پریشان نظر نہ آئیں۔

وَإِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى

الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (مانندہ: ۶)

(جب نماز کا ارادہ کرو تو اپنا چہرہ اور بازو کہنیوں تک دھولو۔ اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں دھولو)

یہ یعنی بات ہے کہ کوئی غیر مسلم دن میں پانچ مرتبہ اپنا چہرہ، ہاتھ پاؤں وغیرہ نہیں دھوتا ہوگا۔ سبحان اللہ دین نے کتنی نفاذت کا سبق دیا۔

● جمعہ کے دن نماز سے پہلے غسل کرنے کو سنت کا درجہ دیا تاکہ لوگ پاک صاف

اور نہادھو کر جماعت میں شریک ہوں۔ کسی کی گندگی اور بدبو سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ پورا مجمع طہارت و پاکیزگی کا نمونہ ہو۔

● قضائے حاجت اور پیشاب کے بعد استنجا کرنا (عضو خاص و مقام مخصوص سے گندگی دور کرنا) ضروری قرار دیا گیا۔

ان احکام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں طہارت اور صفائی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ہے

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (البقرة: ۲۲۲)

[اور اللہ تعالیٰ طہارت کرنے والوں سے محبت کرتا ہے]

طہارت سے متعلقہ آداب و سنن درج ذیل ہیں۔

① جب کوئی آدمی سو کر اٹھے تو جب تک تین بار ہاتھ نہ دھو لے اسکو پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالنا چاہئے۔ معلوم نہیں کہ سوتے میں اسکا ہاتھ کہاں کہاں پڑا ہے۔ (مسلم)

ہاتھوں کی صفائی پر اس لئے زور دیا گیا کہ برتن میں پانی نکالنے میں ناپاک ہاتھ پانی میں بھیگ کر بقیہ پانی کو ناپاک نہ کر دے۔ خیال رکھنا چاہئے کہ جب تک ہاتھوں کی طہارت کا یقین نہ ہو اس وقت تک پانی کے برتن میں نہ ڈبوئے جائیں۔

② دانتوں کی صفائی کے لئے مسواک کرنا سنت ہے۔ حدیث پاک میں ہے ”میری امت پر اگر شاق نہ ہوتا ہو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا“

ایک مرتبہ کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے۔ ان کے دانت صاف نہ ہونے کی وجہ سے زرد تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، میں تمہارے دانت زرد کیوں دیکھ رہا ہوں؟ مسواک کیا کرو۔ (مسند احمد)

یہ بات اب کوئی ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ دانتوں کی منگدگی بہت ساری بیماریوں کی جڑ ہے۔

③ عام راستوں اور درختوں کے سایہ میں قضاے حاجت نہیں کرنا چاہئے۔

(ابوداؤد)

اس میں حکمت یہ ہے کہ راستہ چلنے والے مسافروں کو نجاست و گندگی سے تکلیف نہ ہو۔ ”جب پیشاب کرنے کا ارادہ ہو تو اس کے لئے مناسب جگہ تلاش

کرو“ (ابوداؤد)۔ مزید برآں ہوا کے رخ پر نہ بیٹھنا چاہئے۔

④ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا جائز نہیں۔ ایسے پانی میں غسل جنابت بھی نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اس سے پانی لے کر اس طرح غسل کریں کہ پانی واپس دوسرے پانی میں نہ مل سکے۔

پانی میں پیشاب نہ کرو۔ (بخاری)

غسل کی جگہ پر پیشاب نہ کرو اس سے اکثر وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔

(ترمذی)

⑤ کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرو۔ (ابوداؤد)

اس میں حکمت یہ ہے کہ کوئی موذی جانور نکل کر نقصان نہ پہنچائے۔ ڈھلوان میں نیچے بیٹھ کر اوپر کی طرف پیشاب نہ کریں۔

⑥ کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔ (ترمذی)

یہ تہذیب و وقار کے بھی خلاف ہے۔ اس میں جسم کے زیادہ برہنہ ہونے اور نظر آنے کے امکانات ہیں۔ مزید برآں کپڑوں پر چھینے پڑنے کا خوف بھی ہوتا ہے۔

⑦ پیشاب نرم زمین پر کرنا چاہئے کیونکہ سخت زمین سے پیشاب کے چھینٹے اذکر جسم پر پڑ سکتے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ شہادت احتیاط کی وجہ سے شیشی میں پیشاب کیا کرتے تھے مگر حضرت حذیفہ ؓ اتنی سختی کے قائل نہ تھے۔ (مسلم)

⑧ پیشاب پاخانہ کرتے وقت آپس میں باتیں نہ کرو۔ (مسند احمد)

⑨ جب قضاے حاجت کے لئے جاؤ تو پیشاب کے مقام کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوؤ، نہ بائیں ہاتھ سے استنجا کرو۔ (مسلم)

⑩ بڑا استنجائیں ڈھیلوں سے کرو۔ (مسلم)

ڈھیلوں کے بعد پانی سے دھولو۔ (ابن ماجہ)

کونکہ شیشہ گوبر اور ہڈیوں سے استنجانہ کرو۔ (ترمذی)

⑪ استنجا کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں کو مٹی یا صابن وغیرہ سے دھولیتا چاہئے۔

⑫ بسم اللہ کہہ کر بیت الخلاء میں داخل ہو۔ کیونکہ بسم اللہ جنات کی آنکھوں اور

انسانوں کی شرم کی جگہوں کے درمیان آڑ ہے۔ (ترمذی)

⑬ ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ بالخصوص جمعہ کے دن مسلمانوں پر غسل کرنا،

کپڑے بدلنا عطر اور تیل لگانا مستحسن ہے۔ بعض فقہاء نے حدیث کے الفاظ کی

وجہ سے اسے واجب قرار دیا ہے۔

⑭ عام حالت میں بھی انسان کو صاف ستھرا رہنا چاہئے۔ ایک بار نبی

اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں تو فرمایا کہ کیا

اس کے پاس بال ہموار کرنے کا سامان نہ تھا۔ ایک دوسرے شخص کو میلے کپڑے

پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اسکو پانی نہیں ملتا تھا جس سے وہ اپنے کپڑے کو دھولیتا۔

(ابوداؤد)

⑮ نبی اکرم ﷺ غسل اسی طرح کرتے تھے کہ پہلے دونوں ہاتھ دھولیتے۔ پھر

دائیں ہاتھ سے پانی بہا کر بائیں ہاتھ سے کمر کے نیچے دونوں طرف کا جسم

دھولیتے۔ پھر وضو کرتے لیکن پاؤں نہ دھوتے۔ (ناک اور منہ میں پانی ڈالنے

میں مبالغہ فرماتے) پھر سر پر تین بار پانی بہا کر بالوں کی جڑوں کو ملتے۔ پھر

سارے جسم پر پانی بہاتے اور آخر میں اپنے پاؤں دھولیتے۔

(مسلم: باب صفۃ غسل الجنابتہ)

جہاں پانی کی بہتات ہو وہاں صفائی کی نیت سے روزانہ نہالے تو مباح ہے۔

عورتوں کیلئے مخصوص آداب

- ① راستہ میں چلتے ہوئے مردوں سے علیحدہ ہو کر چلیں۔
- ② راستوں کے درمیان سے نہ گزریں بلکہ کناروں پر چلیں۔ (ابوداؤد)
- ③ بجنے والا زیور نہ پہنیں۔ (ابوداؤد)
- ④ جو عورت شان (بڑائی) ظاہر کرنے کیلئے سونے کا زیور پہنے گی تو اسکو عذاب ہوگا۔ (ابوداؤد)
- ⑤ چاندی کے زیور سے کام چلانا بہتر ہے۔ (ابوداؤد)
- ⑥ عورت کو اپنے ہاتھوں میں مہندی لگاتے رہنا چاہئے۔
- ⑦ عورت کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ ظاہر ہو مگر زیادہ نہ پھیلے۔ (ابوداؤد)
- ⑧ عورت ایسا باریک کپڑا نہ پہنے جس میں سے نظر آئے۔ (ابوداؤد)
- ⑨ اگر دوپٹہ باریک ہو تو اسکے نیچے موٹا کپڑا لگالیں۔ (ابوداؤد)
- ⑩ جو عورتیں مردوں کی شکل اختیار کریں ان پر اللہ کا لعنت ہے۔ (بخاری)
- ⑪ کوئی (نامحرم) مرد ہرگز کسی عورت کے ساتھ تہائی میں نہ رہے۔ ہرگز کوئی عورت سفر نہ کرے مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ محرم ہو۔ (بخاری)
- ⑫ عورت ایام حیض میں مقدس مقامات مثلاً مسجد میں نہیں جاسکتی۔ قرآن مجید کو نہیں چھو سکتی۔ تاہم وہ کسی اور چیز کو چھو لے تو وہ چیز ناپاک نہیں ہوتی۔ کھانا پکا سکتی ہے۔ شرع شریف کے مطابق مرد ایسی حالت میں عورت سے جماع کے علاوہ سب کام لے سکتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

”میں اس حالت میں نبی اکرم ﷺ کے بالوں میں کنکھی کرتی تھی۔ آپ ﷺ کے سر کو دھوتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مجھ سے کوئی چیز اٹھا کر لانے کے لئے کہا، میں نے ناپاکی کا عذر کیا تو فرمایا کہ ناپاکی تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے“

⑬ اللہ تعالیٰ کو صفائی ستھرائی پسند ہے لہذا گھروں سے باہر جو جگہیں خالی پڑیں ہیں ان کو صاف رکھو۔ (ترمذی)

عورتیں گھر کے اندر صفائی خود رکھیں اور باہر بچوں سے صفائی کرا لیا کریں۔

متفرق آداب

- ① اکڑا کر اتراتے ہوئے نہ چلو۔
- ② کوئی مرد و عورتوں کے درمیان نہ چلے۔ (ابوداؤد)
- ③ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتیا (جاندار کی) تصویریں ہوں۔ (بخاری)
- ④ جب کسی کا دروازہ کھٹکناؤ اور اندر سے پوچھیں کون ہو، تو یہ نہ کہو کہ میں ہوں (بلکہ اپنا نام بتاؤ)۔ (بخاری)
- ⑤ چھپ کر کسی کی باتیں نہ سنو۔ (بخاری)
- ⑥ جب کسی کو خط لکھو تو شروع میں اپنا نام لکھ دو۔ (بخاری)
- ⑦ جب کسی کے گھر جاؤ تو پہلے اجازت لو پھر داخل ہو۔ (بخاری)
- ⑧ تین مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی نہ ملے تو واپس ہو جاؤ۔ (بخاری)

⑨ اجازت لیتے وقت دروازہ کے سامنے کی بجائے دائیں بائیں کھڑے رہو۔

(ابوداؤد)

⑩ اپنی والدہ کے پاس جانا ہو تب بھی اجازت لے کر جاؤ۔ (مالک)

⑪ کسی کی چیز مذاق میں لے کر نہ چل دو۔ (ترمذی)

⑫ تنگی تکو اور دوسرے شخص کے ہاتھ میں نہ دو۔ (ترمذی)

اسی طرح چھری چاقو وغیرہ کا حکم ہے۔ اگر ایسا کرنا پڑے تو پھل اپنے ہاتھ میں رکھو اور دستہ ان کو پکڑاؤ۔

⑬ زمانہ کو برا مت کہو کیونکہ اس کی الٹ پھیر اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔ (مسلم)

⑭ ہوا کو برا مت کہو۔ (ترمذی)

⑮ بخار کو بھی برا مت کہو۔ (مسلم)

⑯ جب رات کا وقت ہو جائے تو بسم اللہ پڑھ کر دروازے بند کر دو۔ کیونکہ

شیطان بند دروازے نہیں کھولتا۔ پھر بسم اللہ پڑھ کر مشکیزوں کے منہ تسموں سے

باندھ دو۔ برتنوں کو ڈھانپ دو۔

⑰ جب رات کو گلی کو چوں میں آمد و رفت بند ہو جائے تو ایسے وقت میں باہر کم

نکلو۔ (شرح السنہ)

⑱ عام لوگوں کے سامنے انگڑائی اور ڈکار لینا تہذیب کے خلاف ہے۔

⑲ اگر پیٹ میں ہوا کا دباؤ ہو تو بیت الخلاء میں یا غلوت میں اس کو خارج کرنا

چاہئے۔

باب نمبر 11

اختلاف کے آداب

کسی کے احوال و اقوال اور افکار و نظریات سے الگ راستہ اختیار کرنے کو اختلاف کہتے ہیں۔ جب کسی بات پر اختلاف بڑھتے بڑھتے تنازع کی شکل اختیار کر لے تو اسے مجادلہ کہتے ہیں۔ جب مخالفین کے درمیان اختلاف کی خلیج بہت وسیع ہو جائے اور تبصرہ و تنقید کی جنگ اتنی تیز ہو جائے کہ اظہار حق و صواب کی بجائے ہر فریق ایک دوسرے پر محض غلبہ حاصل کرنا چاہے اور افہام و تفہیم کی گنجائش نہ رہے تو ایسی حالت کو شقاق کہتے ہیں۔ دین اسلام نے دو مسلمان بھائیوں میں اختلاف رائے کی گنجائش تو رکھی ہے مگر مجادلہ اور شقاق کو ممنوع قرار دیا ہے۔

اختلاف رائے فطری عمل ہے۔ قرآن مجید میں قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتائی گئی کہ۔

وَ اٰخِلاَفَ اَلْسِنٰتِكُمْ وَاَلْوَاٰنِكُمْ (روم: ۲۲)

(تمہارا زبان اور رنگوں میں اختلاف)

جس طرح زبان اور رنگ کا اختلاف حیاتِ خداوندی ہے اسی طرح

انسانوں کے عقل و حواس کا فرق بھی فطری عمل ہے۔ زبان و رنگ کا فرق اگر خالق کائنات کی نشانیوں میں سے ہے تو انسانی عقلوں کا تفاوت بھی اسی کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس طرح سب انسانوں کی شکلیں ایک جیسی ہوتیں تو زندگی بے رنگ ہوتی اسی طرح سب انسانوں کی عقلیں ایک جیسی ہوتیں تو زندگی بے ڈھنگ ہوتی۔ بھلا سب انسان سب چیزوں میں برابر ہوتے تو زندگی کی رونق و شادابی کیسے ہوتی؟

۔ گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝ أَلَا مِنْ دَحْمَةٍ وَتَكْ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود: ۱۱۸)

(اگر تمہارا رب چاہتا تو سب انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا۔ وہ تو ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔ مگر جن پر تمہارا رب رحم کرے اور اسی لئے اس نے لوگوں کو پیدا کیا)

پس جب انسانی عقل و استعداد میں فرق ہے تو کسی بھی معاملے میں لوگوں کی رائے ایک بھی ہو سکتی ہے اور مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ یہ رائے کا اختلاف اگر حد سے تجاوز نہ کرے اور اس کے اصول و آداب کا التزام کیا جائے تو سب کچھ رحمت ہے۔

اختلاف کا تکوینی راز:

خالق کائنات کو اپنی صفت جلال و جمال کی جلوہ نمائی منظور تھی۔ اس لئے اس

نے انسانوں کو عقول و اذہان سے مرکب فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ اختلاف کرتے نظر آئیں گے۔ اس باہمی کشمکش میں خدائی قہر و مہر کا سامان مہیا ہوتا رہے گا۔ اگر اس دنیا میں یہ اختلاف رونما نہ ہوتا تو یہ محشرستان، عالم خوشاں بن جاتا اور یہاں رہنے والے یا صرف خدائی مہر کے مظہر ہوتے یا خدائی قہر کے۔ لیکن مالکِ قضا و قدر کو ایک ناقص کمال کا مظاہرہ ناپسند تھا پس اس نے اختلاف انسان کے خمیر میں رکھ دیا۔

اختلاف مقبول کے فوائد:

- اختلاف رائے اگر حد و قیود میں رہے تو اسے کچھ فوائد بھی ہیں۔
- ① ایک تصویر کو مختلف نکتہ نظر سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔
- ② ایک مسئلہ کے متعدد حل سامنے آتے ہیں۔
- ③ کسی بھی مسئلے کو ہر زاویے سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔
- ④ ذہنی ریاضت، سوچ، بچار، رہنمائی خیالات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔
- ⑤ آج کی سائنسی ترقی کا بنیادی راز ہی اختلاف رائے ہے۔ اگر اختلاف رائے کا اختیار نہ ہو تو سب تحقیقات جامد ہو جائیں۔

دین اسلام کی جامعیت اور حسن و کمال کی ایک وزنی دلیل یہی ہے کہ اس نے اختلاف مقبول کا دروازہ کھلا رکھا۔ تاہم اختلاف رائے کی حدود کو اس لئے متعین کر دیا تا کہ اختلاف 'خلاف' کی صورت اختیار کر کے فتنہ و فساد کا موجب نہ بن جائے۔ یاد رکھیں کہ اگر قدرت اپنے غیبی ہاتھ سے اختلافات کی بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا نہ کرتی رہے تو عالم فنا ہو جائے۔ عجیب بات یہ کہ اس علم اختلاف کی بقا کا سبب بھی یہی اختلاف ہے اور اس کا حد سے بڑھ جانا اسکی فنا کا سبب بھی

۔ پھونک ڈالا ہے میری آتش نوائی نے مجھے

اور میری زندگانی کا یہی سامان بھی ہے

اگر بدنیتی اور بغض و عناد کی وجہ سے کسی کو اختلاف برائے اختلاف ہو تو اسکو
 خلاف کہتے ہیں۔ پس اختلاف جائز ہے مگر خلاف منع ہے

① حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسکی مذمت یوں فرمائی ہے کہ

الْخِلَافُ شَرٌّ (خلاف شر ہے)۔ (امام مسلم بن النعمان ص ۸)

② علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے خواہ مخواہ کے اختلاف کے متعلق فرمایا

ہے

اِنَّ الرَّحْمَةَ تَقْتَضِيْ عَدَمَ الْاِخْتِلَافِ

(تقاضائے رحمت یہ ہے کہ خواہ مخواہ کا اختلاف نہ کیا جائے)

③ حدیث پاک میں ہے۔

اِنَّمَا هَلَكْتُ بَنُوْ اِسْرَآئِيْلَ بِكَثْرَةِ سَوَالِهِمْ وَ اِخْتِلَافِهِمْ عَلٰی

اَنْبِيَآئِهِمْ

(بنی اسرائیل اپنے انبیاء کے بارے میں اختلاف اور کثرت سوال کی

وجہ سے ہلاک ہوئے) (مسند احمد)

④ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ دو صحابی اس آیت کے

سلسلہ میں اختلافی بحث کر رہے تھے۔ ان کی آوازیں بلند ہوتی ہوئی سنیں تو نبی

علیہ السلام غضبناک ہو کر نکلے اور فرمایا:

اِنَّمَا هَلَكْتُ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِاِخْتِلَافِهِمْ فِیْ كِتَابِ

(تم سے پہلے لوگ کتاب میں اختلاف کر کے ہی ہلاک ہوئے)

⑤ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَخْتَلَفُوا فَإِنْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ إِخْتِلَافَ فَهَلَكُوا

(اختلاف نہ کرو تم سے پہلے لوگ اختلاف کر کے ہلاک ہو گئے)

یہ تمام باتیں اختلاف برائے اختلاف کے زمرے میں آتی ہیں۔ پس خلاف منع ہے جبکہ اختلاف رائے رحمت ہے۔

حدیث پاک میں ہے۔

إِخْتِلَافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ (میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہے)

اگر امتیں ٹھیک ہوں، دلوں میں نور ہو اور نفسانیت سے دور ہو تو اختلاف رائے کے باوجود دل ملے رہتے ہیں۔ رائے کا اختلاف دلوں کا اختلاف نہیں بنتا۔ دل متحد و متفق رہتے ہیں۔ فریقین ایک دوسرے کی عظمت کے حترف رہتے ہیں۔ بلند مقاصد کے حصول کے لئے سب ایک ہوتے ہیں۔ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں انفرادی اور اجتماعی اختلاف کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

اختلاف صحابہؓ اور اس کے آداب

عہد صحابہؓ میں اجتماعی اختلاف رائے کی مثالیں:

① نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد سب سے پہلا اختلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وفات میں ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ نبی علیہ السلام فوت نہیں ہوئے۔ بعض دوسرے صحابہؓ بھی شش و پنج میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور یہ آیات پڑھیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ (ال عمران: ۱۴۴)

یہ سن کر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شرح صدر نصیب ہو گیا۔

② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک اختلاف رائے یہ بھی پیش آیا کہ نبی علیہ السلام کو کہاں دفن کیا جائے؟ بعض کی رائے تھی کہ آپ ﷺ کو جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔ دوسروں کی رائے تھی کہ مسجد نبوی کے قریب دفن کیا جائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک حدیث پاک سنائی

مَا قُبِضَ نَبِيٌّ إِلَّا دُفِنَ حَيْثُ قُبِضَ

(ہر نبی کی تدفین وہیں ہوئی جہاں انکی روح قبض ہوئی)

③ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تیسرا بڑا اور اہم اختلاف یہ پیدا ہوا کہ خلیفہ مہاجرین میں سے ہو یا انصار میں سے ہو؟ ایک خلیفہ ہو یا متعدد ہوں؟ یہ بہت نازک مرحلہ تھا تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت خوش اسلوبی سے اسے ختم کر دیا اور سب نے من حیث الجماعت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اتفاق برقرار رہا۔

④ خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں ایک بڑا اہم اختلاف مانعین زکوٰۃ سے جنگ کے بارے میں تھا۔ مگر انہوں نے اپنے حسن نیت اور اصولِ آدابِ اختلاف پر عمل کرتے رہنے کی وجہ سے اس مسئلے کو حل کر لیا۔ مرتدین اور مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے پر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہو گیا۔ سب کے سب دفاعِ اسلام کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ اسلام کی شان و شوکت میں اضافہ ہوا اور کفر کا شیرازہ بکھر گیا۔

انفرادی اختلاف کی چند مثالیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صحبت نبوی ﷺ سے ایسا فیضان پایا کہ ان میں اخلاق محمدی ﷺ سر تا پا سرایت کر گئے۔ محبت و مودت اور ایثار و قربانی کے

مقدس جذبات ان میں اس طرح کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے کہ قرآن مجید میں پروردگار عالم نے انہیں دُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (آپس میں رحیم) کے الفاظ سے سرفراز فرمایا۔ مواخات اور بھائی چارے کی کئی ایسی مثالیں بھی دیکھنے میں آئیں کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں علمی اختلاف رائے کے باوجود اتنا ادب و احترام تھا کہ آپس میں شیر و شکر نظر آتے تھے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

مثال نمبر ۱:

- حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کے علمی اختلافات:
۱. مفتوحہ اراضی کی تقسیم پر بھی اختلاف تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تقسیم کے قائل تھے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے وقف کی تھی۔
۲. عطیات کی ترجیح میں بھی اختلاف تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ عطیات میں مساوات کے قائل تھے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں ترجیح کے قائل تھے۔
۳. مرتد قیدی عورتوں کے بارے میں بھی اختلاف تھا۔ اپنے دور خلافت میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے فیصلے کے خلاف انہیں آزاد کر کے ان کے مردوں کے حوالے کر دیا۔ سوائے ان عورتوں کے جن کے مالک سے کوئی اولاد ہوگئی تھی۔ جیسے محمد بن علی ؓ کی ماں خولہ بنت جعفر حنفیہ جو انہی قیدیوں میں سے تھیں۔

حضرت ابو بکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کے درمیان الفت و محبت:

کئی مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود ان دونوں حضرات میں محبت اور تعلق خاطر بڑھتا ہی رہا۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو کچھ

صحابہؓ نے کہا آپؐ نے ہم پر عمرؓ کو خلیفہ بنا دیا ہے انکی سختی کو آپؐ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روز محشر آپؐ سے اسکا سوال کر لیا تو آپؐ کیا جواب دیں گے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ”میں کہوں گا، یا اللہ! میں نے تیرے بندوں میں سے سب سے اچھے کو ان کا خلیفہ بنایا۔“

(طبقات ابن سعد ۳/۹۹۱)

کسی نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپؐ کئی باتوں میں حضرت ابو بکرؓ سے بھی بہتر ہیں۔ حضرت عمرؓ پر یہ سن کر گریہ طاری ہو گیا۔ کافی دیر تک روتے رہے۔ پھر فرمایا، اللہ کی قسم! ابو بکرؓ کی ایک رات عمر اور آل عمر سے زیادہ بہتر ہے۔ (حیات الصحابہ ۱/۶۴۴)

یہ باہمی اختلاف کے باوجود الفت و محبت کی چند مثالیں ہیں۔ رائیں اگرچہ مختلف ہیں مگر دل ملے ہوئے تھے۔ ان عظیم ہستیوں کے دلوں کو آسمانی رسیوں نے جکڑ رکھا تھا اس لئے زمین کی مٹی ان پر اثر انداز نہ ہو سکی۔

مثال نمبر ۲:

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اختلافات:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کتاب اللہ کے سب سے زیادہ پڑھنے والے اور سنت رسول ﷺ کو سب سے زیادہ جاننے والے صحابی تھے۔ آپؓ کو نبی علیہ السلام کی اتنی رفاقت نصیب رہتی تھی کہ بعض صحابہؓ آپؓ کو اہل بیت میں شمار کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ”ہم ابن مسعودؓ اور ان کی ماں کو اہل بیت میں سے سمجھتے تھے کیونکہ ان کی آمد و رفت نبی علیہ السلام کے گھر میں بہت زیادہ تھی۔ (مسلم۔ الاحکام ۶/۶۳۱)

حضرت ابو مسعود بدریؓ نے ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو آتے

ہوئے دیکھ کر کہا۔ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد اس آنے والے سے کوئی بڑا کتاب و سنت کا عالم چھوڑا ہو۔ ہم جب غیر حاضر رہتے تو وہ موجود رہتے۔ جب ہمیں روک دیا جاتا تب بھی انہیں اجازت رہتی۔

حضرت عمرؓ کی جلالت شان اور تفقہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے بہت سے اجتہادات میں حضرت عمرؓ سے موافقت فرمائی۔ تشریع اسلامی کے اکثر تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ اکثر ان حضرات کا اجتہاد مکساں ہوتا تھا وگرنہ ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے۔ جیسے دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو بھی تیسرے اور پھر چھٹے حصہ کی تقسیم کے مسئلے میں آپ نے کیا۔ اس علمی مناسبت کے باوجود کئی مسائل میں دونوں کا اختلاف تھا۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کے درمیان سو مسائل مختلف فیہ تھے۔

(اعلام الموقعین 2/218)

چند اختلافی مسائل درج ذیل ہیں:

① حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان میں کر لیتے تھے اور گھٹنوں پر رکھنے سے روکتے تھے۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل اس کے خلاف تھا۔

② حضرت ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے انت علی حرام (تم مجھ پر حرام ہو) تو یہ قسم اور تاکید ہے جبکہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ یہ طلاق کی ایک قسم ہے۔

③ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ اگر کسی مرد و عورت نے زنا کیا پھر شادی کر لی تو جب تک ایک ساتھ رہیں گے زنا کار رہیں گے۔ جبکہ حضرت عمرؓ

کی رائے تھی کہ پہلے زنا اور بعد کا عمل نکاح ہوگا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی باہمی محبت:

حضرت ابن مسعودؓ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا، ”علم و تفقہ سے بھری ہوئی شخصیت“ ایک دوسرے موقع پر فرمایا ”علم سے ایسے بھرے ہوئے کہ میں اہل قادیسیہ پر انہیں ترجیح دیتا ہوں“

حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ایک روز دو آدمی آئے۔ ان میں سے ایک نے حضرت عمرؓ سے قرآن مجید پڑھا تھا۔ اس نے عرض کیا، میں نے عمر بن خطابؓ سے قرآن مجید پڑھا تھا یہ سن کر ابن مسعودؓ رو پڑے حتیٰ کہ ان کا دامن آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ پھر آپؓ نے اس شخص سے فرمایا، حضرت عمرؓ نے تمہیں جس طرح قرآن مجید پڑھایا تھا اسی طرح مجھے سناؤ۔ وہ اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے جس میں کوئی فتنہ باز داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ افسوس کہ آپؓ کے انتقال سے وہ قلعہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔

اختلافات علمی کے باوجود محبت و الفت اور ادب و احترام کے یہ غیر معمولی واقعات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ ان سے ہمیں اپنی زندگی کو مزین کرنے کی ضرورت ہے۔

مثال نمبر ۳:

عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا اختلاف:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا علمی مقام کسی ذی علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وراثت کے مسئلے میں دونوں میں اختلاف رائے موجود تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کی رائے یہ تھی کہ دادا کی موجودگی میں باپ ہی کی طرح بھائی بہنوں کی وراثت ساقط ہو جاتی ہے۔

حضرت زید ؓ کی رائے تھی کہ بھائی دادا کی موجودگی میں بھی وراثت پائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کو اس مسئلے پر اپنی صحت اجتہاد کا اتنا یقین تھا کہ ایک دن انہوں نے فرمایا زید ؓ خدا سے ڈرتے نہیں کہ انہوں نے لڑکے کے لڑکے کو تولڑکا بنا دیا مگر باپ کے باپ کو باپ نہیں بنایا۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اور حضرت زید ؓ میں باہمی محبت:

اس قدر شدید علمی اختلاف کے باوجود دونوں حضرات میں ادب و احترام کے عجیب مناظر دیکھے گئے۔ ایک بار حضرت زید ؓ کہیں سے تشریف لارہے تھے تو ابن عباس ؓ نے ان کی سواری کی رکاب تھام لی اور ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: اے فرزند عم رسول ﷺ! آپ رکاب چھوڑ دیں اور ایسا نہ کریں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا کہ ہمیں یہی سکھایا گیا کہ علماء اور بڑوں کی تعظیم کریں۔ اس پر زید ؓ نے کہا آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے ہاتھ آگے بڑھایا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے چوم لیا اور فرمایا کہ ہمیں اہل بیت نبی ؐ کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم ہے۔ (کنز العمال 37/6)

جب حضرت زید ؓ کا انتقال ہوا تو ابن عباس ؓ نے نہایت افسردہ لہجے میں کہا ”علم اس طرح رخصت ہوتا ہے“۔ دوسری روایت میں ہے کہ علم کا جانا اس طرح ہوتا ہے۔ آج علم کا بہت زیادہ حصہ دفن ہو گیا۔ (سنن بیہقی 211/6)

مثال نمبر ۴:

حضرت علی ؓ اور حضرت طلحہ ؓ کا اختلاف:

حضرت علی ؓ اور حضرت طلحہ ؓ میں قصاص عثمان ؓ کے مسئلے میں

اختلاف تھا۔ یہ معاملہ اتنا بڑھا کہ جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں لڑے۔

دونوں حضرات کی باہمی محبت:

دونوں حضرات میں الفت و محبت اس قدر تھی کہ جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عمران سے ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر کی خیریت دریافت کی اور فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہارے باپ کو ان میں سے بنائے جن کے بارے میں کہا گیا۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ
[اور ان کے سینوں میں جو کینے تھے وہ سب ہم نے کھینچ لئے وہ تختوں پر
رو برو بھائی بنے بیٹھے ہیں] (الحجر: ۴۸)

کچھ تابعین حضرات شریک محفل تھے انہیں تعجب ہوا۔ وہ کہنے لگے، اللہ معاف کرے یہ کل انہی سے جنگ کر رہے تھے اور پھر جنت میں ان کے بھائی ہو جائیں گے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ خفا ہوئے اور فرمایا: ”اٹھ جاؤ اللہ کی زمین سے دوری اور بربادی رکھنے والو! میں اور طلحہ رضی اللہ عنہ جنت میں اس طرح قریب نہ ہوں گے تو کون ہوگا؟“ (طبقات ابن سعد 3/244)

مثال نمبر ۵:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان قصاص عثمان رضی اللہ عنہ پر سخت اختلاف ہوا۔ حتیٰ کہ بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے آپس میں جنگ بھی ہوئی۔

دونوں حضرات کا باہمی تعلق:

ایک آدمی نے حضرت علیؑ سے جنگ جمل کے مخالفین کے متعلق سوال کیا کہ کیا وہ مشرک ہیں؟ آپؑ نے جواب دیا، نہیں وہ شرک سے دور ہیں۔ اس نے پوچھا، کیا وہ منافق ہیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ نہیں، منافق اللہ کو کم یاد کرتے ہیں۔ سائل نے پوچھا، پھر وہ کیا ہیں؟ آپؑ نے فرمایا ”وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہم سے اختلاف کیا“۔ (سنن بیہقی 177/8)

ابوصالحؓ نے کہا کہ ایک روز ضرار بن ضمیرؓ کنانی حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آئے تو آپؓ نے فرمایا، ہم سے علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین مجھے معاف رکھیں۔ آپؓ نے اصرار کیا تو انہوں نے کہا:

”بخدا! وہ ایک بلند نظر دور اندیش اور طاقتور انسان تھے۔ ان کی بات فیصلہ کن اور حکم عادلانہ ہوتا تھا۔ ان کے اطراف و جوانب سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے تھے۔ دنیا کی رنگینیوں سے دور رہ کر رات کی تاریکیوں سے مانوس رہتے تھے۔ واللہ وہ بہت گریہ و زاری کرنے والے تھے ہر وقت سوچ میں غرق رہتے تھے۔ اپنی ہتھیلیاں اٹھتے پلٹتے اور اپنے آپ سے باتیں کرتے تھے۔ معمولی لباس اور معمولی کھانا پسند کرتے تھے۔ بخدا! وہ ہمیں اپنے جیسے آدمی نظر آتے۔ جب ہم ان کے پاس جاتے تو وہ ہمیں قریب رکھتے اور ہماری باتوں کا جواب دیتے۔ لیکن اتنا قریب ہونے کے باوجود ان کا رعب اتنا ہوتا تھا کہ ہم ان سے بات نہ کر سکتے تھے۔ وہ مسکراتے تو موتیوں جیسے دانت نظر آتے۔ وہ دین داروں کی تعظیم کرتے۔ فقراء و مساکین سے محبت کرتے تھے۔ کوئی طاقتور آدمی ان سے غلط کام کروانے کی سوچ بھی نہیں سکتا

تھا اور کوئی کمزور آدمی ان کے عدل سے مایوس نہ ہوتا تھا۔ میں خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ شب کی تاریکیوں میں انہیں میں نے دیکھا کہ محراب کے اندر اپنی داڑھی پکڑے ہوئے اس بے چینی سے تڑپ رہے ہیں۔ جیسے انہیں کسی بچھونے ڈنک مار دیا ہو اور کسی غمزہ اور ستم رسیدہ شخص کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے کہ ان کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ اے میرے پروردگار! اے میرے پالنہار! اللہ تعالیٰ کے حضور وہ گریہ کرتے تھے اور دنیا سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے، تم میرے پاس آ رہی ہو، تم مجھ پر نظریں جم رہی ہو۔ افسوس! افسوس! جاؤ کسی اور کو دھوکا دو۔ میں نے تمہیں تین طلاقیں دے دی ہیں۔ اے دنیا تمہاری عمر مختصر، تمہاری محفل ذلیل و حقیر اور تمہارا فائدہ بہت کم ہے۔ آہ! آہ! آہ! تو شہ عراہ کتنا قلیل سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشتناک ہے۔

یہ سن کر حضرت امیر معاویہ ؓ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے۔ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ جسے وہ آستین سے پونچھتے رہے۔ حاضرین مجلس کی بھی روتے روتے ہلکی بندھ گئی۔ حضرت امیر معاویہ ؓ نے کہا، ابوالحسن، ایسے ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ (الحلیہ از ابو نعیم ۱/ 84)

دور صحابہ رضی اللہ عنہم اور دور تابعین میں اسباب اختلاف:

عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں کچھ صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے۔ تاہم یہ اختلاف ضعف عقیدہ یا دعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک کی وجہ سے پیدا نہیں ہوئے۔ بلکہ ان سب کا مقصد تلاش حق اور اصابت آراء و احکام ہی تھا۔ لہذا یہ ہمارے اختلافات کتاب اللہ اور سنت رسول

اللہ ﷺ کی تفسیر سمجھنے میں لغوی یا اجتہادی وجہ سے پیش آئے۔ ان اسباب کے پیچھے بد نیتی کا دخل ہرگز نہیں تھا۔ گو کہ منافقین ان میں اختلافات کے بیج اگانے کیلئے ہر دم کوشاں رہتے تھے۔ اس نیک نیتی کا نتیجہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتے ہی ان کے اختلافات ختم ہو جاتے۔ اگر انہیں کوئی نص مل جاتی جو بعض کو معلوم ہوتی تب بھی یہ اختلافات دم توڑ دیتے۔ فطرت سلیمہ جہاں حق بات پالیتی ہے بے چون و چرا اسے قبول کر لیتی ہے۔

پس صحابہ و تابعین کے دور میں علمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ محبت و ہم آہنگی کی فضا برقرار رہی۔ صدق و صفا کی بارشیں ہوا و ہوس کا میل دھوتی رہیں اور دل ایک دوسرے سے مربوط رہے۔

اختلاف ائمہ کرام اور اس کے آداب

اسباب اختلاف کا عہد بہ عہد منتقل ہونا فطری امر ہے۔ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بلاد اسلامیہ میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں کچھ ایسے حادثات رونما ہوئے جنہوں نے دائرہ اسلام میں نئی نئی چیزوں کو داخل کر دیا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ ہر شہر اور ہر ملک کے مسلمان وضع و تلبیس کے خوف سے صرف اسی سنت رسول ﷺ پر عمل کرتے جو انہیں پہنچی اس سے فقہ کے مختلف مکاتب فکر نے جنم لیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہی ہے کہ اس نے مجتہدین کے فقہی اختلافات کو دائرہ جواز ہی میں رکھا۔ ائمہ فقہاء نیک نیتی سے حکم صحیح تک پہنچنے کے لئے اپنی ساری ذہنی و عقلی صلاحیتیں استعمال کرتے تھے۔ ہر ملک کے اہل علم حضرات ان اصحاب فقہ و افتاء کی اقتدا کرتے رہے۔ ضرورت

کے تحت قاضی حضرات کسی ایک قول یا مسلک پر اصرار کی بجائے دوسرے فقہی مسلک پر بھی عمل کر لیتے۔ ایک ہی چشمہ سے سب سیراب ہوتے۔
دلائل میں اگرچہ اختلاف ہوتا تاہم اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کر دیتے۔

هذا احوط . هذا احسن . هذا ما ينبغي . وغيره وغيره

اختلاف کی چند مثالیں:

① کچھ لوگ نماز میں بسم اللہ پڑھتے تھے کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ کچھ جہر پڑھتے تھے کچھ خفی پڑھتے تھے۔

② کچھ لوگ نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے کچھ نہیں پڑھتے تھے۔

③ نکیر پھوٹنے اور قے آنے سے بعض کے نزدیک وضو کی تجدید ضروری تھی بعض کے نزدیک نہیں۔

④ عورت کو صرف چھو لینا بعض کے نزدیک ناقص وضو تھا بعض کے نزدیک نہیں۔

⑤ براہ راست آگ پر بھنے ہوئے اونٹ کا گوشت کھانے سے بعض کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا بعض کے نزدیک نہیں۔

ائمہ کرام میں محبت و احترام کی مثالیں:

① امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت میں ائمہ مدینہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اگرچہ وہ آہستہ یا زور سے بسم اللہ پڑھنے کا التزام نہیں کرتے تھے۔

② امام رشید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ پچھنے لگوانے کے بعد امامت کروائی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور اسکا اعادہ بھی نہ کیا۔ حالانکہ ان کے نزدیک پچھنے لگوانا ناقض وضو تھا۔

③ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکسیر پھونٹنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ان سے کسی نے پوچھا کہ امام کے بدن سے خون نکلا اور اس نے وضو نہیں کیا۔ بتائیے کیا اس کے پیچھے نماز ہوگئی؟ آپ نے جواب دیا کہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے کیسے نماز نہ پڑھوں۔

④ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار نماز فجر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ کے پاس ادا کی اور دعائے قنوت نہ پڑھی۔ جبکہ ان کے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر میں پڑھنا سنت موکدہ ہے۔ جب اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو جواب دیا کہ اس کی بارگاہ میں ہوں کیسے اس کی مخالفت کر سکتا ہوں

(حجۃ اللہ البالغہ 335)

⑤ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث و افتاء کی بیش بہا خدمت کی اور مؤطا امام ملک جیسی گرانقدر کتاب لکھی۔ ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے اس کتاب کے چند نسخے بنوا کے دوسرے شہروں میں بھیجنے کا ارادہ کیا تا کہ لوگ ایک ہی فقہ پر عمل کریں۔ اور اختلافات ختم ہو جائیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو فرمایا ایسا نہ کریں لوگوں تک بہت سی احادیث اور روایات پہنچ چکی ہیں اور ہر جگہ کے لوگ ان میں سے کچھ اپنا چکے ہیں۔ جو انہوں نے اختیار کر لیا اس پر انہیں چھوڑ دیں۔ آپ کے اس اقدام سے مزید اختلافات بڑھیں گے۔ خلیفہ منصور نے یہ سن کر کہا: "ابو عبد اللہ! آپ کو اللہ تعالیٰ اور توفیق دے۔"

حضرت لیث بن سعد کا مکتوب:

آداب اختلاف کی وجہ کی ایک اور بہترین اور عمدہ مثال وہ مکتوب ہے جسے

فقیہ مصر امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نام بھیجا۔ امام لیث بن سعد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ انہوں نے کمال ادب کے ساتھ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تمام اختلافی مسائل کی تفصیل لکھی اور امام مالک کے متعلق اپنے جذبات کو بیان کرتے ہوئے لکھا ”اللہ تعالیٰ آپ کو خیر و صلاح عطا فرمائے۔ زیادہ دنوں تک باقی رکھے کیونکہ اسی میں لوگوں کی بھلائی ہے۔ آپ کے چلے جانے سے مسلمانوں کا بڑا نقصان ہے۔ دوری کے باوجود آپ کے مقام و مرتبہ سے آشنا ہوں۔ آپ کے بارے میں یہ میری رائے اور قدر و منزلت ہے“

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسائل میں کافی اختلاف تھا۔ اسکے باوجود دونوں ایک دوسرے کی علمی صلاحیتوں کے معترف رہتے تھے۔ قاضی عیاض المدا رک میں فرماتے ہیں۔

”امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک روز میں نے مدینہ طیبہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو کر کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اے مصری! وہ واقعی فقیہ ہیں۔ اس کے بعد میں نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور کہا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے متعلق کتنی اچھی بات کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صحیح جواب اور بھرپور تنقید میں اس سے تیز خاطر آدمی میں نے نہیں دیکھا“

امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ:

① امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے عبداللہؒ نے ایک دن پوچھا، والد محترم! شافعی کون ہیں؟ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان کے لئے بہت دعائیں کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، بیٹا! شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ وہ اس دنیا کے لئے آفتاب اور انسانوں کے لئے خیر و برکت تھے۔ کیا ان دونوں چیزوں کا کوئی عوض ہو سکتا ہے؟

② محدث بخاری بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک ملاقات میں صالح بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو کہا، آپ کے والد شرماتے نہیں۔ میں نے انہیں دیکھا ہے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ سواری پر ہیں اور یہ ان کی رکاب پکڑے ہوئے پیدل چل رہے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بات پوچھی تو انہوں نے فرمایا، بخاری بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہو تو کہنا کہ میرے والد کہہ رہے تھے اگر فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو آؤ اور دوسری طرف کی رکاب تم تھام لو۔ (الانقاء)

③ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس میں کسی حدیث کا مجھے علم نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ شافعی یہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ قریش کے امام و عالم تھے۔ (آداب الشافعی 86)

④ داؤد بن علی اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے سنا کہ مکہ مکرمہ میں میری ملاقات امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ انہوں نے کہا، آئیے میں آپ کو ایک ایسا آدمی دکھاؤں کہ آپ کی آنکھوں نے ویسا آدمی نہ دیکھا ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو دکھایا۔

⑤ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت اور علمی

شہرت کا اعتراف تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے کہا تم لوگ حدیث و رجال کے مجھ سے بڑے عالم ہو۔ جب کوئی صحیح حدیث ملے تو مجھے بتاؤ خواہ وہ کوئی ہو بصری ہو یا شامی ہو۔ جو بھی صحیح حدیث ہوگی میں اسے اختیار کر لوں گا۔

⑥ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے تو تعظیماً ان کا نام نہ لیتے تھے بلکہ یوں کہتے تھے:

حَدَّثَنَا الثَّقَةُ مِنْ أَصْحَابِنَا

(ہمارے احباب میں سے ثقہ نے یہ حدیث بیان کی)

انبانا الثقة (ہمیں ایک ثقہ آدمی نے خبر دی)

اخبرنا الثقة (ہمیں ایک ثقہ آدمی نے بیان کیا)

(مناقب الامام احمد بن حنبل ج 1 ص 166)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اقوال علماء:

① امام شعیب رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں امیر المؤمنین کہلاتے تھے مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بہت عزت و تکریم کرتے تھے۔ ان کے مقام و مرتبہ کے مداح تھے۔ جب انہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو فرمایا ”آپ کے ساتھ ہی فقہ بھی کوفہ سے رخصت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ہمیں اپنی رحمتوں سے نوازے“

② ایک شخص نے حضرت یحییٰ بن سعید القطان سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ ”بخدا! ہم ان سے اچھی باتوں کو لیتے رہتے تھے“

③ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ

علیہ کی بہت سی روایتیں ہیں۔ ایک روز کسی شخص نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کچھ اشارہ کرنا چاہا تو انہوں نے فرمایا۔ ”خاموش رہو اگر تم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھو گے تو عقل و نجابت کو دیکھو گے۔“

④۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ”ایک روز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا وہ ایک معتدل آدمی تھے۔ پھر ابن ابی شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ معتدل شخص تھے۔ اس کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا ”اگر وہ مسجد کے ان ستونوں کے بارے میں تم سے قیاس کی باتیں کرتے ہوئے کہیں کہ یہ لکڑی ہے تو تم سمجھو گے کہ لکڑی ہی ہے۔“ اس سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس اور عقل و ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔

⑤۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی یہ مقولہ تو بہت مشہور ہے کہ لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔ (الانتقاء: ۱۳۶)

⑥۔ فضل بن موسیٰ سینائی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تنقیدی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ تو فرمایا، جس علم سے یہ لوگ ناواقف و نا آشنا تھے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ سب پیش کر دیا اور ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ اس لئے لوگ نا سمجھی کی وجہ سے یا حسد کی وجہ سے ان پر تنقید کرنے لگ گئے۔

سلف صالحین کا محتاط رویہ:

سلف صالحین علمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے۔ ایک دوسرے کی علمی کاوشوں کے معترف رہتے تھے۔ طنز و تعریض سے اجتناب کرتے اور دنیا طلبی کی بجائے خدا طلبی میں اپنے اوقات کو خرچ کرتے

تھے۔ سائل کا جواب دینے میں انکار وہ بہت محتاط تھا۔ لا ادری کہہ کر خوش ہوتے تھے۔ شہرت و ناموری سے گھرایا کرتے تھے۔ یہ گرانقدر آداب اسی لئے ظاہر ہوتے تھے کہ ان پر نفسانیت و انانیت کی بجائے عاجزی و انکساری کا غلبہ تھا۔ یہی آداب عالیہ اور اخلاق فاضلہ ان کا سرمایہ تھا جن سے آج تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد کی حالت:

چوتھی صدی ہجری کے بدلتے ہوئے حالات کا ذکر کرتے ہوئے حجتہ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

”خلفائے راشدین حاکم وقت بھی تھے اور ولدث علم رسول اللہ ﷺ بھی تھے۔ جب معاملہ قرون ثلاثہ سے آگے پہنچا تو نظام حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں آیا جو دنیاوی معاملات میں تو ماہر تھے مگر دینی علوم کے حامل نہ تھے۔ چنانچہ انہیں اپنے قاضیوں سے دینی امور میں مدد لینا پڑتی۔ اس دور کے لوگوں نے دیکھا کہ خلفاء و امراء کس طرح علمائے دین کی عزت و تکریم کر رہے تھے تو بعض لوگ دنیا طلبی کی غرض سے طالب علم بن گئے۔ افتاء کا علم حاصل کر کے اپنے آپ کو منصب کے لئے پیش کرنے لگے۔ ان میں سے کچھ محروم رہے اور کچھ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ حکمرانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر ذلت طلب کے مرتکب ہوئے۔ پہلے یہی فقہاء مطلوب تھے اب طالب بن گئے۔ پہلے سلاطین سے دور رہ کر باعزت تھے اب خود تقرب حاصل کر کے ذلت برداشت کرنے لگے سوائے ان علمائے کرام کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیوی آلائشوں سے بچائے رکھا۔“

وقت کے ساتھ ساتھ ایسے امراء و رؤسا پیدا ہوئے جو مباحثوں اور مناظروں میں دلچسپی لینے لگے۔ بس ہر طرف مناظروں کے فنون اور طریقوں پر کتابیں مرتب ہونے لگیں۔ معمولی صلاحیت کے لوگ مسائل میں غور و خوض کرنے لگے اور تعصب و تشدد اور تباہ کن جنگ و جدال کی مداخلتیں ہموار ہو گئیں منصب قضاء پر بیٹھنے والے حضرات نے سلاطین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے آسانی اور سہولت کی راہیں ڈھونڈنا شروع کر دیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

1. کوئی سائل پوچھتا کہ عورت کو یا عضو تناسل کو چھونے سے وضو کا کیا حکم ہے تو جواب ملتا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔
2. گھوڑے کا گوشت کھانے کے بارے میں سوال کیا جاتا تو جواب دیتے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال ہے۔
3. تعزیرات میں تجاوز حدود کے سوال کا جواب ملتا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی اجازت دی ہے۔
4. وقف کی جائیدادیں جب بے کار پڑی ہوں اور اسکا متولی اسے آباد اور مفید نہ بنا سکے تو اس کے بیچنے کا فتویٰ دیا جاتا کہ مسلک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں جائز ہے پس اوقاف مسلمین سال بہ سال ملکیت خاص میں تبدیل ہونے لگے۔

تقلید کی ضرورت و اہمیت:

مشکوٰۃ نبوت اور خیر القرون سے جیسے جیسے بعد ہوتا گیا زندگیوں میں تقویٰ و طہارت اور خشیت الہی میں بھی کمی آتی گئی۔ شریعت کے مسئلہ قواعد سے غفلت برتی جانے لگی۔ جب دین کی نصرت و حمایت کرنے والی شخصیتیں ہی پستی کا شکار

ہونے لگیں تو کم فہم لوگ دین کو ہلکا سمجھنے لگے۔ افتاء کا کام وہ لوگ سرانجام دینے لگے جو سلاطین اور امراء کے زیر اثر پروان چڑھے۔ اور نفسانی ہواؤں کے طوفان میں نصوص کی گردنیں مروڑنے لگے۔ کوئی سختی کو ردوار کھنے لگا اور کوئی آسانی کی راہیں تلاش کرنے لگا۔

صلحاء امت نے جب افراط و تفریط کا معاملہ دیکھا تو انہیں اس مرض کا یہی علاج سمجھ میں آیا کہ لوگوں کو تقلید کی رسی سے جکڑ دیا جائے۔ اختلافی مسائل میں متقدمین کے اقوال و آراء کی طرف رجوع کیا جائے۔ پس جمہور مسلمین نے ائمہ اربعہ کی تقلید پر اعتماد کر لیا۔ امت مسلمہ کے عروج و زوال کی داستان میں یہ حقیقت چھپی نہیں رہ سکتی کہ تقلید ائمہ کی وجہ سے دین کی شکل مسخ ہونے سے بچ گئی۔ ورنہ ہر دور میں نام نہاد مجتہد اپنی نفسانی خرابیوں اور بے ہد زہ زندگیوں کی وجہ سے نہ جانے کیا کیا فتاویٰ جاری کرتے یا پھر سلاطین وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نہ معلوم کتنے "دین الہی" ترویج پاتے۔

ماضی قریب کے حالات و واقعات:

مسلمان امراء و سلاطین کے دلوں میں جب دنیا کی محبت غالب آ گئی اور دار آخرت کی یاد دلوں سے نکلتی گئی تو ہر ایک پر تعیش و زندگی گزارنے کا عادی بن گیا۔ اس جلتی پر تیل کا کام ان درباری علماء نے کیا جو دنیا طلبی اور جاہ طلبی کے مہلک مرض میں گرفتار تھے اور ان کا مقصود نام و نمود اور مال و جاہ تھا۔

پاک و ہند کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو شہنشاہ اکبر نے ابو الفضل اور فیض جیسے نام نہاد علماء کے ذریعے تعظیمی سجدہ جائز ہونے کے فتوے حاصل کئے۔ دین الہی کے نام پر ایک نئے دین کی بنیاد رکھی۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں حق پرست علماء کس طرح چین سے بیٹھ سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ظلم و ستم اور جبر و استبداد

کے خلاف آواز بلند کرنا شروع کر دی۔ طاقت کے نشے میں سرشار حکام وقت نے بعض کو پابند سلاسل کر دیا اور بعض کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ احیائے دین کی کوششیں رنگ لائیں اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دین اکبری کے تار پود بکھیر دیئے۔ بدعات کا قلع قمع کیا اور متردک سنتوں کو پھر سے تازہ کیا۔ رشد و ہدایت کی ایسی ہوا چلی کہ جہانگیر جیسے دیندار آدمی نے جگہ سنبھالی اور اسکا نتیجہ یادگار اسلاف اور رنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے حق کی ایک جماعت کو فتاویٰ کی تدوین کا حکم دیا۔ پس امت مسلمہ کو فتاویٰ عالمگیری کی شکل میں ایک تحفہ نصیب ہوا۔

علمائے حق کا یہ قافلہ صدق و صفا کے راستے پر گامزن رہا۔ انہیں کبھی تو دین دشمن دنیا داروں سے لڑنا پڑا اور کبھی جاہل صوفیوں کی بیہودہ حرکتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم دیئے سے دیا جلتا رہا اور علم کا نور سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتا رہا۔ جہاں نفسانیت کی بیشمار مثالیں سامنے آئیں وہاں خلوص و للہیت کے مناظر بھی دیکھے گئے۔

قاضی ضیاء الدین سنائی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ آپ حضرت خواجہ صاحب سے سماع کے متعلق ہمیشہ سختی سے باز پرس کرتے مگر خواجہ صاحب مسلسل معذرت کے ساتھ پیش آتے اور قاضی صاحب کی تعظیم و تکریم فرماتے۔ کچھ عرصے بعد قاضی صاحب بیمار ہو گئے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو آپ قاضی صاحب کی عیادت کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ دروازے پر پہنچ کر کسی خادم کے ذریعے پیغام بھیجا کہ نظام الدین عیادت کے لیے حاضر ہوا ہے۔ قاضی صاحب نے جواب

بھجوا یا کہ یہ میرا آخری وقت ہے اس وقت میں کسی بدعتی کی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ جب خادم نے آ کر پیغام پہنچایا تو خواجہ صاحب نے کہا جاؤ اور قاضی صاحب سے کہہ دو کہ میں تمام بدعات سے توبہ تائب ہو کر آیا ہوں۔ جب قاضی صاحب کو یہ پیغام ملا تو فرط مسرت سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے اپنا عمامہ سر سے اتارا اور خادم سے فرمایا کہ میرا عمامہ راستے میں بچھا دو اور خواجہ صاحب سے کہو کہ اپنے جوتوں سمیت چل کر اندر تشریف لائیں۔

اس دور میں عوام الناس کی زندگیاں بہت سادہ تھیں مگر رنگین مزاج امراء و سلاطین نے قوم کی کشتی کو بیچ کر دیا ڈبو دیا۔ حتیٰ کہ وہ وقت بھی آیا جب انگریز نے پاک و ہند پر قبضہ کر لیا۔ اب علمائے ربانی پر حاکم وقت نے جبر و استبداد کی انتہا کر دی جس کی داستانیں رنگوں اور مالٹا کی جیلوں کی دیواریں زبان حال سے اب بھی سنا رہی ہیں۔ قربانیاں آخر رنگ لائیں اور پابند سلاسل ہونے کے باوجود تفسیریں لکھنے والے حضرات کی دعائیں قبولیت پا گئیں۔ رب کائنات نے مسلمانوں کو آزادی کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔

ماوراء النہر کی مسلمان ریاستوں کو ستر سال کیوزم کی چکی میں پسنے کے بعد آزادی کا سانس لینا نصیب ہوا۔ عرب ممالک میں تیل و معدنی ذخائر کی پیداوار نے دنیا کو حیران کر دیا۔ صفحہ ہستی پر 80 کے قریب مسلمان ممالک موجود ہونے کے باوجود آج دنیا میں مسلمانوں کی آواز کوئی وزن نہیں رکھتی۔ دنیا میں نام کے مسلمان تو کروڑوں ہیں مگر کام کے مسلمان ہزاروں بھی مشکل سے ہوں گے۔ یورپ نے سائنسی میدان میں خوب ترقی کی اور مادی وسائل کی وجہ سے اپنا اثر و رسوخ پوری دنیا پر بھالیا۔ آج کے مسلمانوں کی حالت زار اگر آنسوؤں کی روشنائی سے لکھی جائے تو بے محل نہیں ہے۔

دور حاضر میں امت مسلمہ کی حالت زار:

آج امت مسلمہ داخلی انتشار و اندرونی خلفشار پیدا کرنے والے فکری بحران کا شکار ہے۔ گو کہ علم و دانش کی کئی نئیں مگر مفاد پرستی اور نفس پرستی نے امت مسلمہ کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ مگر تو پالیا مگر آداب علم سے غافل رہے۔ وسیلہ تو مل گیا مگر مقصد ہاتھ سے جاتا رہا۔ امر مباح و منہوب پر اختلافات نے امت سے بہت ساری چیزیں چھین لیں۔ مسئلوں کو "فن اختلاف" میں تو مہارت حاصل ہو گئی مگر "رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ" کے اصول و آداب سے عملاً نا آشنا رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر میدان میں مسلمان اتنے زوال پذیر ہوئے کہ ہوا ہی اکھڑ گئی۔

رشد باری تعالیٰ ہے

لَا تَنَازَعُوا فِيهِ فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبُ رِيحُكُمْ (الانفال: ۴۶)

(اور آپس میں نہ جھگڑو پس تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی)

آج مسلمان مادی وسائل و اسباب کے اعتبار سے خود کفیل ہیں مگر افکار و نظریات کے لحاظ سے کمزور قوم بن چکے ہیں۔ اپنی اعلیٰ اقدار و روایات سے عملی طور پر دستبردار ہو کر "پدرم سلطان بود" کے زبانی دعووں سے اپنا دل بہلا رہے ہیں۔

دور حاضر کا اختلاف

دور حاضر میں مسلم معاشرہ کئی حصوں میں منقسم ہو چکا ہے جسکی تفصیل درج ذیل ہے۔

① دنیا دار طبقہ:

یہ وہ لوگ ہیں جو نام کے مسلمان ہیں مگر عملی زندگی میں من مرضی کے مالک ہیں۔ نفسانیت کی سواری پر بیٹھ کر اندھا دھند فرنگی اقوام کی تقلید کر رہے ہیں۔ ان کے لباس، بود باش، گفتار و کردار ہر چیز پر فرنگیت غالب آ چکی ہے۔ راگ تو یہ الپتے ہیں دین و دنیا برابر کا مگر عملاً یہ دنیا کی محبت میں مستغرق ہیں۔ دیندار لوگوں سے اب انہیں وحشت اور دینی وضع قطع سے انہیں نفرت ہے۔ گھر میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو انہیں اس بچے کو کلمہ یاد کروانے کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی انگریزی کے الفاظ سکھانے کی فکر ہوتی ہے۔ ڈیڈی ممی انکل وغیرہ کے نام یاد کروا کر خوش ہوتے ہیں۔ جس طرح کوئی مسلمان فرض و واجب کی ادائیگی سے خوش ہو۔ بچپن سے ہی بچے کی ذہن سازی کرتے ہیں کہ اسے بڑا ہو کر دنیا کے بڑے عہدے حاصل کرنے ہیں۔ عصری علوم حاصل کرنے کے لیے اگر بچہ محنت نہ کرے تو اس پر سختی کرتے ہیں۔ جبکہ دین کا معاملہ ہوتا ہے تو بچے کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ بچہ نماز روزہ تو چلو کرے مگر دینی وضع قطع اپنا کر مولوی نہ بنے۔ گھروں کے ماحول میں آزاد خیالی اور عریانی غالب ہوتی ہے۔ ہر جائز و ناجائز طریقے سے مال سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عام زندگی میں لہو و لعب اور شادی بیاہ کی تقریبات میں نمود و نمائش میں مشغول رہتے ہیں۔ گھر کے مردوں کو مال سمیٹنے سے فرصت نہیں ہوتی جبکہ گھر کی عورتوں کو فیشن پرستی سے فراغت نہیں ہوتی۔ گود دنیا کی لذتیں دن رات لیتے ہیں مگر پریشان حالی انکا مقدر بن جاتی ہے۔ انکے دل سکون سے خالی اور ان کے ذہن تفکرات سے بھرے ہوتے ہیں۔ ان کا کام اپنی نجی مجالس میں دوسروں پر تنقید کرنا ہوتا ہے۔ جب بھی دیندار لوگوں کا تذکرہ آتا ہے تو نہ صرف ناک بھوں چڑھا کر اپنی ناگواری کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ناپسندیدہ ظہار کرتے۔

کے ذریعے اپنی دلی بیزاری کا اقرار کرتے ہیں۔ بات بات میں امت مسلمہ کی ہر ذلت و پستی کا ذمہ دار انہی دیندار لوگوں کو ٹھہراتے ہیں۔ علمائے دین کو موجودہ اقدار سے نابلد معاشرہ کے مسائل سے نا آشنا قومی تقاضوں سے غافل ملکی فلاح و بہبود سے بے پروا اور ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ انکی سب سے وزنی دلیل یہ ہوتی ہے کہ علمائے کرام چونکہ انگریزی علوم سے ناواقف ہیں لہذا جاہل ہیں۔ یہ عجیب ذہنیت ہے کہ وکیل اگر علم طب سے ناواقف ہے تو قابل طعن نہیں۔ ڈاکٹر اگر دینی علوم سے بے بہرہ ہے تو لائق طنز نہیں۔ انجینئر اگر اخلاق عالیہ سے عاری ہے تو سزاوار تشفیج نہیں ہے۔ لیکن عالم و مفتی دینی میدان کا شہسوار بھی ہو تو سائنسی علوم نہ جاننے کی وجہ سے جاہل ٹھہرا۔

ناطقہ سرگرم بیان ہے اسے کیا کہئے

یہ عجیب المیہ ہے عجیب قسم کی ترازو ہے۔ دراصل ان لوگوں کی آنکھوں پر فرنگی چشمے لگے ہوتے ہیں یہ ہر چیز کو اسی نظر سے دیکھنے اور ہر ایک کو اسی پیمانے پر تولنے کے عادی بن جاتے ہیں۔ یہی لوگ دین و دشمن قوتوں کے لئے آلہء کار بنتے ہیں۔ حصول دنیا کے لیے یہ دین کے شجر پر ہر طرف سے کلہاڑی چلانے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ یہی لوگ یہود و نصاریٰ کی آنکھوں کی ٹھنڈک دھوتے ہیں۔ انہی کے ذریعے دشمنان اسلام اپنی خفیہ سازشوں کا جال پھیلاتے ہیں اور عالمی سطح پر بالواسطہ یا بلاواسطہ یہی لوگ امت مسلمہ کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔ غرض یہ لوگ "بامسلمان اللہ اللہ، بابرہمن رام رام" کا مصداق ہوتے ہیں۔

② عام دیندار طبقہ:

یہ وہ لوگ ہیں جو دل میں دین کی محبت رکھتے ہیں۔ اگرچہ عصر حاضر کی ہوس پرست اور زر پرستی کے ماحول میں دینی زندگی گزارنا ان کے لئے جوئے شیر لانے

کی مانند ہوتا ہے۔ تاہم یہ کسی نہ کسی دینی تنظیم یا جماعت کے ساتھ منسلک ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً انہیں نامساعد حالات کی بادلز مہریر کے چھیرے برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ ان کی مثال اس پرندے کی سی ہے جو اپنی چونچ میں پانی لے کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔ احیائے دین اور ترویج شریعت و سنت کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ییلوگ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مدارس اور مساجد انہی لوگوں کے دم قدم سے آباد ہیں۔ فرنگی بیلاب کے راستے میں بھی لوگ رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور ہر طرف سے جگ ہنسائی اور ہرزہ سرائی بھی انہی کے ساتھ ہوتی ہے۔ مگر شاباش ہے ان لوگوں پر کہ پھر بھی دین کو سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں۔

③ علمائے کرام:

یہ وہ حضرات ہیں جو دعوت الی اللہ تعلیم و تدریس تصنیف و تالیف اور امامت و خطابت کے کام کو مقصد زندگی بنا لیتے ہیں۔ امت مسلمہ کا بوجھ انہی کے کندھوں پر ہوتا ہے۔ ان میں بعض حضرات کی قربانیوں سے دین کی بقا وابستہ ہوتی ہے۔ یہ حضرات دین کے محافظ ہیں۔ عموماً یہ اپنی اولاد کے لیے بھی دینی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ دنیا میں معمولی رزق پر قناعت کر لیتا اور اولاد کو بھی دین کا خادم بنانا انہی کی شان ہے۔ ان کے چٹائیوں پر بیٹھنے کی وجہ سے امت مسلمہ آزادی کی فضا میں سانس لے رہی ہے۔ دین کے خلاف ہونے والی ہر سازش اور بغاوت کا قلع قمع کرنا ان کا منصب ہوتا ہے۔ ہر بدعت و گمراہی کے خلاف یہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے ہیں۔ امت مسلمہ کو دین سے برگشتہ کرنے کی داغ بیل یا خارجی کوششوں کے خلاف جہاد کرنا ان کا نقد وقت ہوتا ہے۔ رشد و ہدایت کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے انہی کے دم قدم سے ہوتے ہیں۔ یہی حضرات وارث انبیاء کھیلانے

کے حقدار ہیں۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ آج کے پرفتن اور قحط الرجال کے دور میں کچھ دنیا دار لوگ علماء کا لبادہ اوڑھ کر ان کی صفوں میں گھس آئے ہیں۔ دین اور مسلک و مذہب کے بارے میں ان کا کام اختلافی مسائل کو ہوا دینا اور عوام الناس کے سامنے عقائد و نظریات کے وہ نازک مسائل بیان کرنا جس پر بحث کرتے ہوئے علماء راسخین بھی کانپ اٹھتے ہیں۔ ان کی تنگ نظری اور تنگ ظرفی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر وہ کھڑے ہوں تو سمجھتے ہیں کہ اسلام کھڑا ہے۔ اگر بیٹھے ہوں تو سمجھتے ہیں کہ اسلام بیٹھ گیا ہے۔ عوام الناس کو گروہوں میں تقسیم کرنا اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے متفر کرنا انہی کا سیاہ کارنامہ ہے۔ کاش ایہ حضرات امت مسلمہ کو منتشر کرنے کی بجائے متحد کرتے اور باطل ادیان کے خلاف بنیادیں موصوم بنادیتے۔ برصغیر کی مثال لیجئے۔ یہاں کے علماء و صلحا پانچ جماعتوں میں منقسم ہیں۔

① غیر مقلد حضرات

ان کا کام ہر عام و خاص کے ہاتھ میں بخاری شریف پکڑا کر اسے اجتہاد کی دعوت دینا ہے۔ سلف صالحین سے بدگمانی اور ان کے خلاف بدزبانی ان کا شیوہ ہے۔ جمہور کو زبور کہنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ان کا کام عامۃ الناس کو ائمہ اربعہ کی تقلید سے ہٹانا اور اپنی تقلید پر لانا ہوتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے بھی انکو چڑھتی ہے۔ بے ادب اور گستاخ ہونا ان کے نزدیک مجاہد ہونے کے مترادف ہے۔ تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس نہ ہونے کی وجہ سے ہر مسئلے میں خواہشات نفسانی کی خاطر آسانی اور سہولت کو ڈھونڈتے ہیں۔ فٹ بال میچ دیکھنے کی خاطر دو نمازوں کو جمع کرنا ان کے لیے معمولی بات ہے۔ ان کا دین

فاتحہ خلف امام، ادبچی آمین کہنا، رفع یدین کرنا، آٹھ تراویح وغیرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔ ان کے ہر فرد نے لا صلوة الا بفاتحة الكتاب تو یاد کر رکھی ہوتی ہے مگر لا صلوة الا بحضور القلب کی طرف کبھی توجہ نہیں ہوتی۔ اس گروہ کے لوگ تفسیر بالرائے، انکار حدیث گستاخی رسول اور قادیانیت وغیرہ کے فتنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ نام کے سلفی اور درحقیقت ناغلفی کے زمرے میں آتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر شرک اور کفر کے فتوے لگانا انکا محبوب مشغلہ ہے۔ توحید کے راگ ہر وقت الاپتے ہیں مگر اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ الْهَؤُلَاءِ (کیا تو نے دیکھا ہے جس نے خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا) کے مصداق ہوتے ہیں۔ اپنا علمی شجرہ نسب یہ محدثین حضرات کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ معتزلہ سے خود بخود جا ملتا ہے۔

(2) اہل بدعت حضرات:

یہ حضرات اٹھتے بیٹھتے عشق رسول ﷺ کے دعوے کرتے ہیں۔ مگر اتباع رسول ﷺ کی طرف التفات نہیں کرتے۔ انکا اسلام نبی علیہ السلام کو نور ثابت کرنا، حاضر ناظر ماننا، مختار کل سمجھنا اور عالم غیب ثابت کرنا ہوتا ہے۔ یہ محبت اولیا ء کے مقدس جذبے میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ قبروں کا طواف کرنا اور سجدہ کرنا بھی عبادت سمجھتے ہیں۔ اپنے پیر کو چھوٹا خدا سمجھنا اور ادب کے نام پر بدعات کو رواج دینا ان کا کام ہے۔ ان کا اسلام اذان سے پہلے صلوة وسلام پڑھنا، نبی علیہ السلام کا نام نامی اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومنا، یا رسول اللہ ﷺ کے نعرے لگانا، قوالی کے نام پر موسیقی سنانا اور عید میلاد النبی کا جلوس نکالنا ہوتا ہے۔ عموماً یہ حضرات جیتے جی کسی کو اتنا دلی نہیں سمجھتے جتنا کہ مرنے کے بعد سمجھتے ہیں۔ قبروں کی اور مزاروں کی شادابی و آبادی انہیں کی مرہون منت ہے۔

مالدار ہوتے ہوئے کوئی زکوٰۃ نہ دے اسے کوئی ملامت نہیں کرتے۔ نماز نہ پڑھے اس پر کوئی تنقید نہیں کرتے۔ سنت رسول ﷺ کا تارک ہو اس سے کوئی نفرت نہیں۔ لوگوں کے حقوق غصب کرے اس پر کوئی طعن نہیں بلکہ ان سب کے ہوتے ہوئے کوئی گیارھویں چالیسواں نذر و نیاز کے کھانے وغیرہ تقسیم کرے تو اسے پکا محب رسول ﷺ اور محب اولیاء سمجھتے ہیں۔ رسوم و بدعات کا منکران کے نزدیک گستاخ رسول ﷺ سمجھا جاتا ہے۔ خواہ متبع سنت ہو۔ ذاکر شاغل ہو۔ حقیقی اہل اللہ سے بیعت ہو۔ متقی و پرہیزگار ہو۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

③۔ اہل حق حضرات:

یہ حضرات اعتدال کی راہ پر گامزن ہیں۔ افراط و تفریط سے بچ کر ایک ہاتھ میں توحید کی شمع اور دوسرے میں عشق رسول ﷺ کا چراغ لئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ نہ تو یہ غیر مقلدین کی طرح بے ادب ہوتے ہیں نہ اہل بدعت کی طرح قبروں کے پجاری ہوتے ہیں۔ ان کا معاملہ درج ذیل شعر کے مصداق ہے۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں تاختن

(ایک ہاتھ میں شریعت کا جام اور دوسرے میں عشق کی اہرن۔ ہر ہوس

پرست اس جام و اہرن سے کھیلنا نہیں جانتا)

ان حضرات کو ایک طرف غیر مقلدین کی مخالفت اور دوسری طرف اہل بدعت کی مخالفت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ ترویج و اشاعت دین کے لیے ان کے مدارس دین کے قلعے ہیں اور تبلیغی جماعت کے نام سے ان کی قربانیاں قابل

تعریف ہیں۔

(4) صوفیائے کرام:

آج کے دور میں اکثر خانقاہیں مال و دولت کمانے کا ذریعہ بن چکی ہیں۔ جانشینی کو اہلیت کی بنیاد پر متعین کرنے کی بجائے نسلی و خاندانی بنیادوں پر فروغ دیا جاتا ہے۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

نام نہاد پیر حضرات سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیتے ہیں۔ پیری مریدی رکی رواجی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ دین کو نقصان پہنچانے میں ایسے جاہل صوفیاء کا بڑا ہاتھ ہے۔

میں جس طرح پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اس طرح تمام خانقاہیں بھی بد حالی کا شکار نہیں ہوتیں ہیں۔ بعض ایسی خانقاہیں آج بھی موجود ہیں جہاں اولیاء کاملین سالین طریقت کو راہ معرفت کی راہنمائی کرنے میں مشغول ہیں۔ ان کا کام محبت الہی سے دلوں کو لبریز کرنا اور کمینہ دنیا سے متنفر کر کے اللہ تعالیٰ کے رجب میں رنگنا ہے۔ ان حضرات کی شب زندہ داریوں اور سننا کیشیوں کی بناء پر امت مسلمہ کی بچکولے لٹھاتی کشتی چل رہی ہے۔ یہ حضرات اندھیری رات میں ٹٹھکتے چراغ کی مانند ہیں۔ بعید نہیں کہ ان کی دعائے نیم شبی سے حالات پلٹا کھائیں اور ان کی نظریہ اثر سے کوئی ایسا فرد فرید پیدا ہو جو سوئی ہوئی امت کو جگا دے اور تسبیح کے بکھرے دانوں کو ایک دھاگے میں پرو دے۔

(5) اہل سیاست علماء:

یہ وہ حضرات ہیں جو حکومتی اپوانوں میں بیٹھ کر دین کی سر بلندی سے لئے

کوشاں ہیں۔ ماضی قریب تک اس جماعت میں ایسے اکابرین رہے ہیں جنہوں نے قدم قدم پر بعض دینی احکام کی نگہبانی کی اور اہل دنیا سے اپنی دید و دانش کا لوہا منوایا۔ گزشتہ چند سالوں سے حالات نے ایسا پلٹا دکھایا ہے کہ آج یہ حضرات ایک سے دو اور دو سے چار میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ فَتَفْسَلُوا وَ تَذْهَبَ رِبْحُكُمْ کی مثال ان پر صادق آتی ہے۔ ان حضرات کا مقصد جس قدر ارفع و اعلیٰ تھا نتائج اتنے ہی مایوس کن ہیں۔ مفاد پرستی عام ہونے کی وجہ سے ان میں سے بعض حضرات اسکی پیٹ میں آچکے ہیں۔ پس ایک مچھلی سارے تالاب کو گندا کرنے والی حالت ہو چکی ہے۔ آج ان حضرات کی آواز کا کوئی وزن نہیں رہا۔ اللہ میں سے کوئی جماعت شریعت بل پیش کرتی ہے تو دوسری اسلامی جماعتیں ہی اس میں نقص نکالنے میں پیش پیش رہتی ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ شریعت و سنت کی بالادستی نہیں چاہتے بلکہ اس نظام کی بالادستی چاہتے ہیں جو ان کے ہاتھوں سے پیش ہو۔ کاش کہ وہ حضرات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول دل و دماغ میں بسالیتے کہ

”دین کا احیاء جب بھی ہو جہاں کہیں ہو جس کسی کے ہاتھوں سے ہو وہی

زیبا ہے“

عوام الناس اس بات سے سخت بیزار ہیں کہ یہ دین کا راگ الاپنے والے حضرات ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑتے ہیں۔ عامۃ الناس کی طرح ایک دوسرے پر کچڑا چھالتے ہیں تو کسی اور سے کیا گلہ۔ ان حضرات کے قول و فعل کا غنا و دین دشمن قوتوں کے لئے تقویت کا سبب بنتا ہے۔ یہود و نصاریٰ انہی کی نڈیوں کو سامنے رکھ کر اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں پس وہ قریب ہونے کی بجائے دور سے دور تر ہو۔ تہہ چاہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ حضرات سلفہ

صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آداب اختلاف کا خیال، کھیں

دور حاضر میں یورپی اقوام کا کردار:

آج سائنسی علوم کی ترقی اپنے عروج پر ہے۔ یورپی اقوام میں اتنی بالغ نظری آچکی ہے کہ وہ اپنے پہاڑوں جیسے بڑے بڑے مسائل کو مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر حل کر لیتے ہیں۔ ماضی قریب ہی میں ہانگ کانگ کا مسئلہ کھڑا ہوا۔ برطانیہ نے سو سال پہلے چین سے یہ علاقہ کرائے پر حاصل کیا تھا۔ سو سال گزرنے کے بعد اب واپسی کا وقت آ گیا۔ ظاہر آ یہ ناممکن اور لا ینحل مسئلہ نظر آتا تھا۔ مگر دونوں ممالک نے میز پر بیٹھ کر مسئلے کا حل نکال لیا۔ یورپی اقوام کا یہ تاریخی قدم ہمارے لئے باعث عبرت ہے۔ امت مسلمہ کے مختلف مکاتب فکر میں کتنی باتیں یکساں ہیں۔ خدا ایک، رسول ایک، دین ایک، قرآن ایک، کعبہ ایک، کلمہ ایک، ارکان اسلام ایک جیسے۔ اتنا سب کچھ ایک جیسا ہونے کے باوجود ہم ایک نہیں ہو پارے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

یورپی اقوام نے دیوار برلن توڑ کر یہ ثابت کر دیا کہ لوگ نسلی بنیادوں پر اکٹھا ہو سکتے ہیں۔ کیا ہم اپنے اندر نفسانیت و انانیت کی بنی ہوئی دیوار کو توڑ کر اللہ کے لئے ایک نہیں ہو سکتے۔ یورپی اقوام مادی ترقی اس قدر حاصل کر چکی ہیں کہ دنیا کے ممالک ان کے لئے محلے بن چکے ہیں۔ یورپ کی کرنسی (EUR) ایک ہو چکی ہے۔ وہاں کے باشندوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لئے ویزوں کے حصول کی ضرورت نہیں ہے۔ افہام و تفہیم کے لئے آپس کی راہیں ہر وقت کھلی ہیں۔ بڑے بڑے اختلافی مسائل پر وہ گفت و شنید کے ذریعے قابو پانے کے عادی بن چکے ہیں۔ کاش! کوئی ایسی صورت نہ ہوتی

کہ مسلمان ممالک کے لوگ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے۔ ہمارا حال ابتر اور بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے ہم قریب آنے کی بجائے ایک دوسرے سے دور ہو رہے ہیں۔

۔ فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

یہ بات بھی حقیقت پر مبنی ہے کہ یورپی ممالک کی خفیہ تنظیمیں مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت کی فضا ہموار کرنے میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ گلہ ان سے نہیں وہ تو غیر مسلم ہیں۔ گلہ انہوں سے ہے جو ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن چکے ہیں۔ سائنسی ترقی نے ظاہری فاصلوں کو اتنا سمیٹ دیا ہے کہ اب لوگ دنیا کو عالمی گاؤں (GLOBAL VILLAGE) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم دلوں کے فاصلوں کو سمیٹ کر ایک اور نیک بن جائیں۔ یہود نصاریٰ اگر دنیوی مفاد کے لئے اکٹھے ہو سکتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم اخروی مفاد کی خاطر ایک ہو جائیں۔ آپس کے اختلافات کو مجادلہ اور شقاق نہ بننے دیں۔ ذیل میں آداب اختلاف کے چند سنہری اصول قلمبند کئے جاتے ہیں۔

آداب اختلاف (اصول و ضوابط):

① سب مسلمانوں کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ آپس میں رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کا مصداق بن کر رہیں۔

② فروغی اختلافات کو اپنی جگہ پر رکھنا چاہئے اور اصولی اختلاف نہیں بنالینا چاہئے۔

③ اختلاف سے بچنے کی کوششوں کے باوجود اگر کسی معاملہ میں اختلاف رائے

ہو جائے تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے فیہ لیکر مسئلے کو حل کر لیا کریں۔

④ جب بھی حکم الہی یا حکم رسول اللہ ﷺ سامنے آئے تو ہم اپنی گردنوں کو فوراً جھکا دیا کریں۔ یعنی دل و جان سے تسلیم کر لیا کریں۔

⑤ ہمیں ہر وقت یہ احساس رہنا چاہئے کہ ہمارے بھائی کی رائے بھی اس طرح درست ہو سکتی ہے جس طرح ہماری نظر میں اپنی رائے درست ہے۔ کسی بھی کام کے بیک وقت دو مختلف حل ہو سکتے ہیں۔

⑥ ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے حسن ظن رکھے اور تعصب رائے سے دور رہیں۔

⑦ نفسانیت و انانیت سے دور رہ کر تقویٰ و طہارت کی راہ اختیار کریں۔

⑧ آپس کی گفتگو میں حسن اخلاق کا خیال رکھیں۔ جارحانہ الفاظ اور طرزِ مخاطب سے اجتناب کریں۔

⑨ دوسرے بھائی کی بات نیک نیتی اور دل جمعی سے سنیں۔

⑩ گفتگو کی تلخی سے پرہیز کریں کہ ہر ایک کی رائے میں سنجیدگی اور احترام کا پہلو غالب رہے۔

⑪ اگر کبھی تلخ کلامی کی نوبت آ بھی جائے تو ایک دوسرے سے معذرت کرنے میں پہل کریں۔ ایک دوسرے کی غلطیوں کو معاف کرنا سیکھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالْحَاظِمِينَ الْفَيْضَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
(غمے کو پی جانے والے، لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ نیکوکاروں)

سے محبت کرتا ہے) (آل عمران: ۱۳۴)

⑫ نبی علیہ السلام کا یہ فرمان ہر وقت پیش نظر رہے۔

ضِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَنْ مَنْ ظَلَمَكَ وَاحْسِنْ مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ
(تو جوڑ اس سے جو تجھ سے توڑے، جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دے
اور جو تجھ سے برائی کرے تو اس سے بھلائی کرے)

⑬ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے آداب اختلاف سکھاتے ہوئے فرمایا:

اقْرَأُوا الْقُرْآنَ مَا اتَّخَفْتُمْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ فَقُومُوا
(قرآن مجید پڑھو جب تک اس پر تمہارے دل طے رہیں۔ جب
اختلافات ہو جائیں تو کھڑے ہو جاؤ)

اگر ہم ان اصول و ضوابط کا خیال رکھیں تو ہمارا اختلاف فقط اختلاف رائے کی حد تک رہے گا۔ یہاں حدیث پاک میں "دل طے رہیں" کا پیغام بہت معنی خیز ہے۔ پس امت کی بقا اسی میں ہے کہ محبت خدا وندی کے سائے میں دل آپس میں طے رہیں۔ یاد رکھیں اگر دل پھٹ گئے تو یہی روحانی موت ہے۔ اختلاف کے بیج پنپنے سے پہلے ہی اس پودے کو جڑ سے اکھاڑ دیا کریں۔

ہم کسی طور بھی باہم نہیں ہونے پاتے
ایسے بکھرے کہ منظم نہیں ہونے پاتے
ایک ہی پیڑ کی شاخوں پہ کھلے پھول ہیں ہم
اور تعجب ہے کہ باہم نہیں ہونے پاتے

سلف صالحین سے منقول ہے کہ دست کا لفظ چار حروف سے مل کر بنا ہے۔ جس کی تہمیل یہ ہے کہ

”و“ سے درد یعنی جو دکھ درد کو بانٹنے والے ہوں

”و“ سے وفا یعنی جن کی آپس میں وفا ایسی ہو کہ ساتھ زندگی بھر نبھائیں۔

”س“ سے سچائی یعنی ایک دوسرے کے ساتھ سچائی کا معاملہ کریں۔

”ت“ سے تابعداری یعنی ہر ایک دوسرے کی بات ماننے کے لئے تیار

رہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حَيٰوةَ الْجَمْعِ وَ جَنِيْنًا مَوْتَ التَّفَرُّقِ

(اے اللہ! ہمیں اجتماعی زندگی عطا فرما اور تفرقہ کی موت سے بچا)

ابن عمر رضی اللہ عنہما حجاج بن یوسف جیسے ظالم کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔ خلوت میں اس نماز کا اعادہ بھی کر لیتے۔ کسی نے اس عمل کی حکمت معلوم کی تو فرمایا کہ امت ایک جسم کی مانند ہے میں اس کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرنا چاہتا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب بھی کوفہ آتے تو وتر میں تین رکعتیں ایک سلام سے ادا کرتے اور فاتحہ خلف امام بھی نہ پڑھتے۔ فرماتے تھے کہ مجھے صاحب مزار (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) سے شرم آتی ہے۔

شہد کی کھیاں اتفاق و اتحاد سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ انسان کو ان سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

~ ز اتفاق مگس شہد میشود

خدا چہ لذت شیریں در اتفاق نہاد

(شہد کی مکھیوں کے اتفاق سے شہد بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتفاق میں کتنی

لذت رکھی ہے)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا بیروز و الفقار احمد نقشبندیؒ کی دیگر کتب

- خطبات فقیر (بارہ جلدیں)
- مجالس فقیر (پانچ جلدیں)
- مکتوبات فقیر
- حیات حبیب (سوانح حیات)
- عشق الہی
- عشق رسول ﷺ
- باادب بانصیب
- لاہور سے تا خاک بخارا و سرقد (سفر نامہ)
- قرآن مجید کے ادبی اسرار و رموز
- نماز کے اسرار و رموز
- رہے سلامت تمہاری نسبت
- موت کی تیاری
- کتنے بڑے حوصلے ہیں پروردگار کے
- پریشانوں کا حل
- دعائیں قبول نہ ہونے کی وجوہات
- مثالی ازدواجی زندگی کے رہنما اصول
- حیا اور پاکدامنی

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

● مکتبۃ الفقیر الاسلامی ٹوبہ روڈ بائی پاس جمشک 0471-622832, 625454

● مکتبۃ الفقیر، ککشن بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور 042-5426246

● جامعہ دارالہدی، جدید آبادی، بنوں 0928-621966

● دارالمطالعہ، نزد پرانی ٹیکسی، حاصل پور 0696-42059

● ادارۃ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255

● مکتبۃ محمدیہ، اردو بازار لاہور

● مکتبۃ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

● اسلامی کتب خانہ، بخوری ٹاؤن کراچی

● مکتبۃ قاسمیہ، بخوری ٹاؤن، کراچی

● دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی

● ادارہ تالیفات اشرفیہ، اشرفیہ منزل، فوارہ چوک ملتان 061-540513

● مکتبۃ امدادیہ نزد خیر المدارس، ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان 061-544965

● مکتبۃ حضرت مولانا خیر ذوالفقار احمد علی بن بازار، سرائے نورنگ PP 09261-350364

● حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2262956

● جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ راولپنڈی

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہم کی علمی، ادبی، اصلاحی تصنیفات

تمنائے
دل

تصوف
سلوک

حیات
حبیب

عشق
رسول ﷺ

عشق
الہی

قرآن مجید
کے ادبی
اسرار و رموز

لاہور سے
تا خاک بخارا
وسر قند

مجالس
فقیر

خطبات
فقیر

مکتوبات
فقیر

دوائے دل
(مطبوعہ انڈیا)

حیاء اور
پاک دامنی

خواتین اسلام
کے کارنامے

رہے سلامت
تمہاری نسبت

نماز کے
اسرار و رموز

محسنین
اسلام

پریشانیوں
کا حل

موت کی
تیاری

تمنائے دل
(مطبوعہ انڈیا)

سکون دل
(مطبوعہ انڈیا)

دعائیں قبول نہ ہونے کی وجوہات

کتے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے